

فہم القرآن سیریز نمبر 1

پارہ 29

تَبَرَّكَ الَّذِي

www.KitaboSunnat.com



سوال و جواب کی صورت میں
قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی رومہ

معدنہ البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

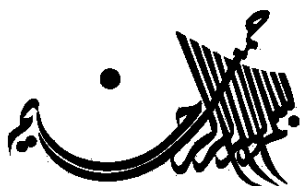
ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com



قُرْآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

قُرْآنًا عَجَبًا

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

- نام کتاب : ”فُرَاْنَا عَجَبًا“ (پارہ 29)
- نام مؤلفہ : نگہت ہاشمی
- طبع اول : مارچ 2018ء
- تعداد : 2100
- ناشر : انور انٹرنیشنل
- لاہور : 102-H گلبرگ III، نزد فردوس مارکیٹ، لاہور
- فون نمبر : 0336-4033045, 042-35881169, 042-35851301
- کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریز بیڈی نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن بلاک III، کراچی
- فون نمبر : 0336-4033034, 021-35292341-42
- فیصل آباد : 121-A فیصل ٹاؤن، ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد
- فون نمبر : 03364033050, 041-8759191
- ای میل : sales@alnoorpk.com
- ویب سائٹ : www.alnoorpk.com
- فیس بک : Nighat Hashmi
- Alnoor international

فصل اول

9	سورہ الملک
9	1 ❖ رکوع
22	2 ❖ رکوع
39	سورہ القلم
39	3 ❖ رکوع
58	4 ❖ رکوع
69	سورہ الخاقہ
70	5 ❖ رکوع
87	6 ❖ رکوع
94	سورہ المعارج
94	7 ❖ رکوع
115	8 ❖ رکوع
120	سورہ نوح
121	9 ❖ رکوع
131	10 ❖ رکوع
138	سورہ الجن
138	11 ❖ رکوع
151	12 ❖ رکوع

158	سورہ المزمل	
158	❖ رکوع	13
173	❖ رکوع	14
178	سورہ المدثر	
179	❖ رکوع	15
195	❖ رکوع	16
206	سورہ القیامہ	
207	❖ رکوع	17
223	❖ رکوع	18
227	سورہ الدهر	
227	❖ رکوع	19
243	❖ رکوع	20
248	سورہ المرسلات	
249	❖ رکوع	21
263	❖ رکوع	22

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ابتدائیہ

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اتارنے لے لیے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورۃ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں:

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ﴾

”اور تمہیں کس نے خبر دی کہ دوزخ کیا ہے؟“ (27)

پھر اگلی ہی آیات میں جواب دیا جاتا ہے:

﴿لَا يُبْقِي وَ لَا يَنْفِقُ ۝ لَا تَذَرُنَا ۝ كَوَاحِلَ لِلْبِئْسِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾

”نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی۔ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں“

سورۃ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اٹھا کر جواب دیتے ہیں:

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ ۝ فَكَرَّ بِقَبْوَةٍ ۝ أَوْ اطَّعِمُ فِي يَوْمٍ ۝ ذِي مَسْعَبَةٍ ۝ يَتَّبِعُنَا ذَامِقِرَبَوَةٍ ۝

أَوْ مَسْكِينُنَا ذَامَثْرَبَوَةٍ ۝ هُمْ كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝﴾

”اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا یا کسی بھوک والے دن کھانا کھلانا،

کسی رشتے دار یتیم کو یا خاک نشین محتاج کو، پھر یہ کہ وہ ان لوگوں میں ہو جو ایمان لائے اور جنہوں

نے ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو رحم کرنے کی وصیت کی“

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اٹھا یا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت

سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَيُّكُمْ مَالٌ وَارِثُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ مَالِهِ؟

قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِمَّا أَحَدٌ إِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ إِلَيْهِ؟

قَالَ: فَإِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ، وَ مَالٌ وَارِثُهُ مَا أَخَّرَ (صحیح بخاری: 6442)

نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟“ انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

”بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا)

اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔“

ہر آیت میں غور و فکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظر انداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآن حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قرآنا عَجَبًا** کے نام سے مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اٹھایا ہے اور نکات (Points) کی صورت میں ان کا جواب قرآن حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات (Tips) پر آجاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآن مجید کو اس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

﴿سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾

”آپ پاک ہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ علم نہیں

یقیناً آپ ہی سب کچھ جاننے والے، کمال حکمت والے ہیں“ (البقرہ: 32)

میں ان سب کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ آمین

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

اسباقها ۳۰ ﴿۶۷﴾ سُورَةُ الْمَلِكِ ﴿مَكِّيَّةٌ﴾ ﴿۶۸﴾ رُكُوعَاتُهَا ۲ ﴿۶۹﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت ہے اس میں دو رکوع اور 30 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 67 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 77 ہے۔

سوال 3: سورۃ الملک کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآن کریم میں تیس آیتوں کی ایک سورت ہے جو اپنے پڑھنے

والے کے لیے سفارش کرے گی، حتیٰ کہ اسے بخش دیا جائے اور وہ سورت ﴿تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ ہے۔“ (ترمذی: 2891، ابوداؤد: 1400)

(2) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک سوتے نہیں تھے جب تک آپ سورہ سجدہ اور سورت

﴿تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ کی تلاوت نہیں کر لیتے تھے۔ (ترمذی: 2892)

رکوع نمبر 1

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ﴿۶۷﴾

﴿تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

”بڑا ابا برکت ہے وہ کہ جس کے ہاتھ میں تمام بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے“ (1)

سوال: ﴿تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”بڑا ابا برکت ہے وہ کہ جس کے ہاتھ میں تمام بادشاہت

ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَبْرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ ”بڑا ابا برکت ہے وہ کہ جس کے ہاتھ میں تمام بادشاہت ہے“ تبارک بركت سے ہے اور

وہ بھلائیوں میں اضافہ ہے۔ ثعلبی نے کہا اللہ رب العزت بے حد بلند اور عظیم ہے۔ (قرطبی: 134/18)

(2) تَبَارَكَ بركت کے معنی کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا ثابت ہونا ہے (مفردات) یعنی جو کام کیا جائے اس میں متوقع زیادہ

سے زیادہ فائدہ ہونے کا نام بركت ہے۔ بشرطیکہ یہ کام خیر کا پہلو رکھتا ہو اور جس چیز میں یہ خیر کا پہلو بار آور ثابت ہو وہ مبارک ہے۔ اور

تبرک کا لفظ اللہ تعالیٰ سے مختص ہے اور صرف ان خیر کے کاموں کے لیے آتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہیں۔ اس آیت میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی ہر ایک چیز کو جس بہتر مقصد کے لیے پیدا فرمایا تھا وہ چونکہ بدرجہ اتم وہ مقصد پورا کر رہی ہے لہذا اللہ کی ذات تبارک یعنی بابرکت ہوئی۔ (تیسرے القرآن: 489/4)

(3) اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی عظمت اور بڑائی بیان فرمائی ہے کہ ساری مخلوقات میرے اختیار میں ہیں۔ عالم علوی اور عالم سفلی کی بادشاہت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں نے ہی پیدا کیا، میں نے ہی احکامات دیئے ہیں۔ جو چاہوں کروں۔ کوئی میرے حکم کو ٹالنے والا نہیں۔ میری عظمت اور میری قدرت کامل ہے جس کی وجہ سے میں ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہوں۔ میری عظمت، میری حکمت اور عدل کی وجہ سے کوئی مجھ سے پوچھنے والا نہیں اور میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

(4) یعنی دنیا اور آخرت کا اقتدار اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس میں اس کا حکم اور اس کی تقدیر نافذ ہوتی ہے۔ (جامع البیان: 3/29)

(5) ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے زندگی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے موت دیتا ہے۔ وہ سچی کرتا ہے اور فقیر کرتا ہے۔ وہ عطا کرتا ہے اور روک دیتا ہے۔ (خرلی: 156/9)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ يَبْدِئُ مَلَكُوتَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيزُهُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۸۸) سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْعَرُونَ﴾ (۸۹) ”آپ پوچھیں کہ ہر چیز کی مکمل بادشاہت کس کے ہاتھ میں ہے اور وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ وہ جلد ہی کہیں گے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، کہہ دو کہ کہاں سے تمہیں جادو کیا جاتا ہے؟“ (المومن: 88، 89)

(7) یہ آیت تین امور پر دلالت کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر مخلوق سے عظیم ہے اور دوسرا یہ کہ وہ متصرف ہے آسمان اور زمین میں، دنیا اور آخرت میں وہ مالک ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ پوری قدرت والا ہے اور اس کی ہر چیز پر مطلق بادشاہت ہے۔ (تیسرے نمبر: 10/15)

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾

”وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟“

اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے“ (2)

سوال: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ ”وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟ اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے“ موت

اور زندگی کو تخلیق کرنے والے نے دنیا کو دارالامتحان بنایا اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ ”وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا“ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو حکمت

عالیہ سے پیدا کیا۔ اسے عبث پیدا نہیں کیا جیسے کافر اور لحد لوگ تصور کرتے ہیں۔ (ابن القاسم: 1654)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ مُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ لَكُمْ اِلَيْهِ

تُرْجَعُونَ﴾ ”تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے تو اُس نے تمہیں زندگی عطا کی پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر

وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“ (البقرہ: 28)

(3) اللہ رب العزت نے موت اور زندگی کو پیدا کیا وہ جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے اور جس کے لئے ارادہ کرتا ہے اسے زندگی دیتا ہے۔ اور

وہ وقت مقررہ تک کے لئے پیدا کرتا ہے۔ (جامع البیان: 3/29)

(4) اس کے معنی یہ بھی کیے گئے کہ اس نے تمہیں موت اور زندگی کے لیے پیدا کیا یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے

اور موت کو زندگی سے پہلے ذکر فرمایا کیونکہ موت زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر قرطبی: 156/9)

(5) علماء نے کہا موت زندگی کو بالکل ہی فنا کرنے والی نہیں ہے وہ تو ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل کرنے والی ہے اسی وجہ سے صحیح

حدیث میں فرمایا کہ مردہ سستا، دیکھتا اور محسوس کرتا ہے جب وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا وُضِعَ

فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ اَصْحَابُهُ وَاِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَوْلَ عِبَادِهِمْ﴾ یقیناً تم میں سے کوئی اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی پلٹ

جاتے ہیں تو یقیناً وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ (بخاری: سلم)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ

موت کافر شہید جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہیں قبض کر لے گا چنانچہ تم اپنے رب کی جناب میں لوٹائے جاؤ گے۔“ (احمد: 11)

(7) ﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالْحَيِّ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۗ فَيُمْسِكُ الْاَلْحَىٰ عَلَیْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ

الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ ”اللہ تعالیٰ جانوں کو اُن کی موت کے وقت اور جن کی موت نہیں

آئی اُن کو سونے کے وقت اپنے قبضے میں لے لیتا ہے پھر وہ اُسے روک لیتا ہے جس پر اُس نے موت کا فیصلہ کیا اور دوسروں کو ایک مقرر وقت

تک بھیج دیتا ہے، یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔“ (المر: 42)

(8) ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيْكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”تا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے؟“ یعنی اے لوگو! اللہ تعالیٰ

تمہیں دیکھتا ہے کہ کون زیادہ اطاعت کرنے والا اور اس کی رضا کو طلب کرنے والا ہے۔ (جامع البیان: 3/29)

(9) یہ آزمائش اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کر کے ان کو اس دنیا میں بھیجا، انہیں یہ بھی بتا دیا کہ انہیں عنقریب یہاں

سے منتقل کیا جائے گا، ان کو اور دنو انہی دیے اور اپنے ان اوامر کی معارض شہوات کے ذریعے سے ان کو آزمایا۔ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے سامنے تسلیم خم کر دیا تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں بہترین جزا دے گا اور جو کوئی شہوات نفس کی طرف مائل ہوا اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کو دور چھینک دیا تو اس کے لیے بدترین سزا ہے۔ (تفسیر سہی: 2806, 2807/3)

(10) ابو قتادہ نے کہا اور اسی طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کیا معنی ہیں ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون عقل میں سب سے اچھا ہے اور کون اللہ تعالیٰ سے زیادہ قوت رکھنے والا ہے اور کون اس کے اوامر دنو انہی کی طرف زیادہ دھیان دینے والا ہے۔ اور اگرچہ وہ تم میں سے کم ہوں مگر دل کی خوشی کے ساتھ عمل کرنے والے ہوں گے۔ (ابن حلیہ: 337/5)

(11) ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ ”اور وہ سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔“ ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ تمام غلبہ اسی کا ہے جس کے ذریعے سے وہ تمام چیزوں پر غالب ہے اور مخلوقات اس کی مطیع ہے۔ ﴿الْغَفُورُ﴾ وہ بدکاروں، کوتاہی کرنے والوں اور گناہ گاروں کو بخش دیتا ہے، خاص طور پر جب وہ توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کریں، وہ ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، خواہ وہ آسمان کے کناروں تک پہنچے ہوئے ہوں، وہ ان کے عیوب کو چھپاتا ہے، خواہ وہ زمین بھر ہوں۔ (تفسیر سہی: 2806, 2807/3)

(12) اللہ تعالیٰ نے اپنے نفس پر ثناء بیان کی ہے تو اچھی طرح سے جان لو یقیناً وہ العزیز ہے ایسا غالب کہ اس کے درمیان اور جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اس کے درمیان کوئی حائل نہیں وہ الغفور ہے جو عظیم مغفرت والا ہے۔ جو توبہ کرنے والے کے لئے گناہ بخش دیتا ہے تو اگرچہ وہ پہاڑوں یا سمندروں کی جھاگ کے برابر ہوں وہ بخش دیتا ہے۔ (البرقاعیر: 1654, 1655)

(13) اللہ تعالیٰ العزیز ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے وہ اس سے شدید انتقام لینے والا ہے۔ وہ الغفور ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ اس کے گناہوں پر اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (جامع البیان: 3/29)

(14) رب العزت نے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا عِبَادِىْ اَنِىۤ اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ﴾ ﴿وَاَنْ عَذَابِنِىۤ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ ﴿۱۰۰﴾ ”آپ میرے بندوں کو بتادیں بلاشبہ میں بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہوں۔ اور یقیناً میرا عذاب وہ دردناک عذاب ہے۔“ (الجم: 49, 50)

(15) اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے یعنی اس سے ڈر کر نیک عمل کرتے رہو اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر کے معاف کروالو کیونکہ وہ غالب ہونے کے باوجود کثرت سے معاف کرنے والا بھی ہے۔ (محرر ابن کثیر: 2097/2)

﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۗ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ ۗ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۗ هَلْ تَرَىٰ مِن فُطُوْرٍ ۗ﴾

”وہ ذات جس نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے تم رحمان کی تخلیق میں کوئی کمی بیشی نہ دیکھو گے،

پھر تم نگاہ لو ناؤ! کیا تم کوئی شکاف دیکھتے ہو؟“ (3)

سوال 1: ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ ”وہ ذات جس نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے“ آسمان طے ہوئے نہیں ان میں فاصلہ ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ ”وہ ذات جس نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے“ یعنی اس نے آسمانوں کو ایک طبقہ نہیں بنایا بلکہ ان کو ایک دوسرے کے اوپر بنایا ہے۔

(2) آسمان پیاز کے چھلکوں کی طرح طے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں کافی فاصلہ ہے جیسا کہ معراج والی حدیث اور دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ (السراج المبر: 2097/2)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلًّا لِيَجْزِيَ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے بلند کیا ہے، تم انہیں دیکھتے ہو، پھر وہ اپنے عرش پر بلند ہوا اور اُس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہی سارے کام کی تدبیر کرتا ہے، وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔“ (الرعد: 2)

سوال 2: ﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفْوُوتٍ﴾ ”تم رحمان کی تخلیق میں کوئی کمی بیشی نہ دیکھو گے، پھر تم نگاہ لو ناؤ! کیا تم کوئی شکاف دیکھتے ہو؟“ باکمال صانع کا باکمال نظام ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَنِ مِن تَفْوُوتٍ﴾ ”تم رحمان کی تخلیق میں کوئی کمی بیشی نہ دیکھو گے“ تفاوت۔ فالت بمعنی کسی چیز کا انسان کی دسترس سے اتنا دور ہو جانا کہ اس کا حاصل کر لینا اس کے لیے دشوار ہو اور تفاوت بمعنی دو چیزوں کے اوصاف اس طرح مختلف ہونا کہ ان سے ہر ایک کا وصف دوسری چیز کے وصف کو فوت کر رہا ہو۔ یعنی دو چیزوں کا آپس میں بے ربط، بے جوڑ ہونا، آپس میں لگانہ کھانا اور ان میں عدم تناسب ہونا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں جو چیز بھی پیدا کی ہے کسی کا مقصد دوسرے سے نہ نکراتا ہے اور نہ بے جوڑ اور بے ربط ہے۔ (تفسیر تیسرا القرآن: 491/4)

(2) یعنی خلل اور نقص۔ جب نقص کی ہر لحاظ سے نفی ہوگئی تو وہ ہر لحاظ سے خوبصورت، کامل اور متناسب بن گئے، یعنی اپنے رنگ میں، اپنی ہیئت میں، اپنی بلندی میں، اپنے سورج، کوکب، ثوابت اور سیارات میں خوبصورت اور متناسب ہیں۔ چونکہ ان کا کمال معلوم ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بار بار دیکھنے اور ان کے کناروں میں غور کرنے کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر سہی: 2807/3)

(3) ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ﴾ ”پھر تم نگاہ لو لانا! کیا تم کوئی شگاف دیکھتے ہو؟“ یعنی بار بار غور فکر سے دیکھو کیا کوئی خلل نظر آتا ہے؟ رجن کی تخلیق میں کوئی عیب یا نقص نہیں ہے۔ وہ ہوا نہیں ہے۔ اونچ نیچ نہیں ہے، ہیر پھیر نہیں ہے۔ اختلاف اور تناقص نہیں ہے۔ بے ڈھنگاپن اور بے ضابطگی نہیں ہے۔ (السراج المبر: 2097/2)

﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾

”پھر بار بار نگاہ لو لانا! نگاہ تمہاری طرف نامراد ہو کر اس حال میں کہ وہ تھکی ہوئی ہوگی پلٹ آئے گی“ (4)

سوال 1: ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ ”پھر بار بار نگاہ لو لانا! نگاہ تمہاری طرف نامراد ہو کر اس حال میں کہ وہ تھکی ہوئی ہوگی پلٹ آئے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ﴾ ”پھر بار بار نگاہ لو لانا!“ یعنی بار بار دیکھو۔

(2) ﴿يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ﴾ ”نگاہ تمہاری طرف نامراد ہو کر اس حال میں کہ وہ تھکی ہوئی ہوگی پلٹ آئے گی“ یعنی کوئی نقص دیکھنے سے عاجز ہو کر، ذلیل ہو کر، تھک کر نگاہ واپس لوٹ آئے گی۔

(3) کوئی عیب، کوئی خلل، کوئی بے قاعدگی، شگاف یا سوراخ دکھائی نہیں دے گا۔

(4) نگاہیں جما کر دیکھو کوئی ٹوٹ پھوٹ، کوئی جوڑ پوند نظر نہیں آئے گا۔

(5) یقیناً اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق کامل، مضبوط اور خوب صورت ہے۔

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ

وَاعْتَدْنَا لَهُمُ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾

”اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے سجایا ہے اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے

اور ہم نے اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے“ (5)

سوال: ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ وَاعْتَدْنَا لَهُمُ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾ ”اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے سجایا ہے اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے اور ہم نے اُن

کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے“ تاروں کے فوائد کثیر ہیں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ﴾ ”اور ہم نے قریب کے آسمان کو چراغوں سے سجایا ہے“ اس سے مراد مختلف

اقسام کی روشنیاں رکھنے والے ستارے ہیں کیونکہ اگر آسمان میں ستارے نہ ہوتے تو یہ ایک تاریک چھت ہوتی جس میں کوئی حسن و جمال نہ ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو آسمان کی زینت، حسن و جمال اور راہ نما بنایا جن کے ذریعے سے بحر و بر میں راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر کہ اس نے آسمان دنیا کو چراغوں سے مزین کیا، اس امر کے منافی نہیں کہ بہت سے ستارے ساتوں آسمانوں کے اوپر ہوں کیونکہ آسمان شفاف ہوتے ہیں اور اگر آسمان دنیا پر ستارے نہ بھی ہوں تو ساتوں آسمانوں کے ستاروں کے ذریعے سے آسمان دنیا کو زینت حاصل ہو سکتی ہے۔ (تفسیر سعدی: 3/2808)

(2) ﴿وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيْطَانِ﴾ ”اور ہم نے اُن کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا ہے“ یعنی ہم نے تاروں کو دیکھتے ہوئے شعلے بنایا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِي مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ ”مگر جو کوئی شیطان اچانک اُچک لے تو ایک چمکتا ہوا شعلہ اُس کا پیچھا کرتا ہے۔“ (الصافات: 10)

(3) یعنی ہم نے دنیا کے آسمان کو جگمگاتے ستاروں سے زینت دی ہے۔ یہ ستارے اپنے اپنے محور پر گردش کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ستارے ٹھہرے ہوئے بھی ہیں۔ ان ستاروں کی تین خصوصیات ہیں ایک تو یہ کہ آسمان دنیا کی زینت ہیں۔ دوسرے ان کو شیطانوں کے مار بھگانے کا ذریعہ بنایا اور تیسرے ان کے ذریعے راہ نمائی حاصل کی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ کوئی تاروں سے فائدہ ڈھونڈتے ہیں تو وہ اپنا حصہ ضائع کر رہا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَعَلَيْنَا ۖ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ﴾ ”اور بہت سی علامتیں ہیں اور تاروں سے بھی وہ ہدایت پاتے ہیں۔“ (الزلزلہ: 16)

(4) ﴿وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾ ”اور ہم نے اُن کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ یعنی شیاطین کے لئے آخرت میں طرح طرح کے عذاب تیار ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾

”اور جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے، اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے“ (6)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ ”اور جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے، اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے“ کافروں کا انجام جہنم ہے وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ﴾ ”اور جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ہے، اُن کے لیے جہنم کا عذاب ہے“ جو لوگ اپنے رب پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے اس کی عبادت نہیں کی اس کا انجام جہنم ہے۔ جو انتہائی بُرا ٹھکانہ ہے۔ (2) ﴿وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ ”اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔“ یعنی وہ خطرناک مقام اور بدترین ٹھکانہ ہے جہاں لوگوں کو رسوا کیا جائے گا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ابوسعید خدری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن موت ایک چنگبرے مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی۔ ایک آواز دینے والا فرشتہ آواز دے گا کہ اے جنت والو! تمام جنتی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے، آواز دینے والا فرشتہ پوچھے گا۔ تم اس مینڈھے کو بھی پہچانتے ہو؟ وہ بولیں گے کہ ہاں، یہ موت ہے اور ان سے ہر شخص اس کا ذائقہ چکھ چکا ہوگا۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور آواز دینے والا جنتیوں سے کہے گا کہ اب تمہارے لیے بیٹنگی ہے، موت تم پر کبھی نہ آئے گی اور اے جہنم والو! تمہیں بھی ہمیشہ اسی طرح رہنا ہے، تم پر بھی موت کبھی نہیں آئے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾۔۔۔ الخ (اور انہیں حسرت کے دن سے ڈراؤ۔ جب کہ اخیر فیصلہ کر دیا جائے گا اور یہ لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں (یعنی دنیا دار لوگ) اور ایمان نہیں لاتے۔ بخاری: 4730)

﴿إِذَا أَلْقُوا فِيهَا سَمْعُوَالَهَا شَهِيْقًا وَهِيَ تَفُوْرٌ﴾

”جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے، وہ اُس کے لیے گدھے کے زور سے چیخنے کی سی آوازیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی“ (7)

سوال: ﴿إِذَا أَلْقُوا فِيهَا سَمْعُوَالَهَا شَهِيْقًا وَهِيَ تَفُوْرٌ﴾ ”جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے، وہ اُس کے لیے گدھے کے زور سے چیخنے کی سی آوازیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی“ جہنم کی گرج اور جوش کی اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِذَا أَلْقُوا فِيهَا﴾ ”جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے“ یعنی جب قیامت کے دن فرشتے انہیں جہنم میں جھونکیں گے۔
(2) ﴿سَمْعُوَالَهَا شَهِيْقًا﴾ ”وہ اُس کے لیے گدھے کے زور سے چیخنے کی سی آوازیں گے“ جب کافر آگ میں ڈالے جائیں گے تو وہ جہنم کی خوف ناک گرج کو سنیں گے جس کے ساتھ بری چیخیں بھی ہوں گی۔

(3) ﴿شَهِيْقًا﴾ زفیر اور شہیق گدھے کے پینکنے کے وقت اس آواز کی ابتدائی اور آخری حالت کا نام ہے۔ زفر بمعنی لمبا سانس باہر نکالنا اور زفیر گدھے کے پینکنے کی ابتدائی آواز جو آہستہ سے اونچی ہونا شروع ہو جاتی ہے اور جب گدھا پینکنے کے عمل کو ختم کرنے لگے تو وہ اونچی آواز سے پست ہونا شروع ہوتی ہے اسے شہیق کہتے ہیں۔ پھر یہ گدھے کی آواز قرآن کی تصریح کے مطابق سب سے زیادہ مکروہ اور کانوں کو ناگوار محسوس ہونے والی ہوتی ہے۔ ایسی ہی مکروہ آواز دوزخ کی پیدا ہو رہی ہوگی۔ پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی آواز جہنم کے جوش مارنے سے پیدا ہوگی۔ دوسرے یہ کہ دوزخ میں جو لوگ پہلے پڑے ہوں گے۔ وہ اس قسم کی مکروہ آوازیں نکالیں گے۔ (تیسیر القرآن: 491, 492/4)

(4) ﴿وَهِيَ تَفُوْرٌ﴾ ”اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔“ تفور۔ فار الماء بمعنی پانی کا جوش مارنا اور ابلنا۔ اور اس جوش مارنے یا ابلنے کی وجہ حرارت کی شدت نہیں ہوتی بلکہ پانی کا دباؤ ہوتا ہے۔ نیچے سے پانی کا دباؤ زیادہ ہو اور سوراخ تنگ ہو تو پانی بڑے جوش سے اوپر کوا چھلتا ہے۔ لفظ نوارہ اسی سے مشتق ہے۔ (تیسیر القرآن: 492/4)

(5) جہنم ایسے جوش مارے گی جیسے کھولتا ہوا پانی جوش مارتا ہے۔ اس آگ کا عیض و غضب ایسا ہوگا گویا وہ ابھی پھٹ پڑے گی۔

(6) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن جہنم کو لایا جائے گا، اس کی ستر ہزار لگا میں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے (یعنی چار ارب نوے کروڑ فرشتے) جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔“ (مسلم: 7164)

﴿تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلْتَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ﴾

”قرب ہوگی کہ وہ غصے سے پھٹ جائے۔ جب کبھی کوئی گروہ اُس میں ڈالا جائے گا تو اُس کے نگران اُس سے پوچھیں گے:

”کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟“ (8)

سوال: ﴿تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلْتَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ﴾ ”قرب ہوگی کہ وہ غصے سے پھٹ جائے۔ جب کبھی کوئی گروہ اُس میں ڈالا جائے گا تو اُس کے نگران اُس سے پوچھیں گے: ”کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟“ جہنم کافروں کے ساتھ کیا معاملہ کرے گی، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَكَادُ تَمَيِّزُ مِنَ الْغَيْظِ﴾ ”قرب ہوگی کہ وہ غصے سے پھٹ جائے“ یعنی جہنم کفار پر عیض و غضب سے پھٹ پڑے گی، ایک ہونے کے باوجود لگے لگے کلڑے کلڑے ہوئی ہے۔

(2) جہنم کافروں کے ساتھ کیا کرے گی۔ ﴿كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ﴾ ”جب کبھی کوئی گروہ اُس میں ڈالا جائے گا“ جب کبھی اس میں کوئی جماعت ڈالی جائے گی۔ انہیں ذلیل کرنے کے لئے جہنم کے داروغے سوال کریں گے۔

(3) ﴿سَأَلْتَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ﴾ ”تو اُس کے نگران اُس سے پوچھیں گے: ”کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟“ جہنم کے داروغے ان کی زبردستی کے لئے سوال کریں گے اور وہ زبانہ فرشتے ہوں گے کہ کیا دنیا میں ایمان اور اطاعت کی طرف بلانے والا کوئی رسول تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ (ابراہیم: 1656)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَسَيَقُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۗ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۗ قَالُوا ابْلِي وَلَكِنْ حَقَّقَتْ كَلِمَةَ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ گروہ درگروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے، حتیٰ کہ جب وہ اُس کے پاس پہنچیں گے تو اُس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اُس کے نگران اُن سے کہیں گے: ”کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے کچھ رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سنا تے ہوں اور تمہیں اُس دن کی ملاقات سے ڈراتے ہوں؟“ وہ کہیں گے: ”کیوں نہیں! لیکن عذاب کی بات کافروں پر ثابت ہوگئی۔“ (الزمر: 71)

(5) جہنم کے فرشتے پوچھیں گے، جہنم کا ایندھن کیوں بنے؟ کیا تمہارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا جو تمہیں برے کام سے آگاہ کرتا۔

(6) اللہ رب العزت کا یہ اصول ہے کبھی کسی کو عذاب نہیں دیا جاتا جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ بھیجیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ اور ہم کبھی عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ ہم کوئی رسول نہ بھیجیں۔“ (بنی اسرائیل: 15)

﴿قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۗ إِنْ أَنْتُمْ

إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾

”وہ کہیں گے: “کیوں نہیں؟ ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

کوئی چیز نازل نہیں کی تم ایک بڑی گمراہی میں ہو“ (9)

سوال: ﴿قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۗ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾ ”وہ کہیں گے: “کیوں نہیں؟ ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم ایک بڑی

گمراہی میں ہو“ جہنم میں مجرموں کی ندامت، حسرت اور افسوس کیسا ہوگا، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ ۖ فَكَذَّبْنَا﴾ ”وہ کہیں گے: “کیوں نہیں؟ ہمارے پاس خبردار کرنے والا آیا تو ہم نے جھٹلا دیا“ اللہ تعالیٰ کے مجرم کافر جواب دیں گے۔ ہائے ہماری بدبختی ہمارے پاس رسول آئے تھے۔ انہوں نے ہمیں برے انجام سے آگاہ کیا تھا مگر ہائے افسوس ہم نے انہیں جھٹلا دیا، انہیں رسول ہی نہ مانا۔ ان کے راستے میں ہم نے رکاوٹیں ڈالیں، انہیں جھوٹا قرار دیا۔

(2) ﴿وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ﴾ ”اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں کی“ یعنی رسولوں کو ہم نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تم جھوٹے ہو اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہو اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نہیں اتاری۔

(3) ﴿إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ﴾ ”تم ایک بڑی گمراہی میں ہو۔“ یعنی ہم نے رسولوں کو ہی گمراہ قرار دیا۔ مجرم رسولوں کو جھٹلانے کا اعتراف کر کے حسرت اور ندامت کا اظہار کریں گے لیکن بے نتیجہ ہوگا۔

﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

اور وہ کہیں گے: “اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو آج ہم بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے“ (10)

سوال: ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ اور وہ کہیں گے: “اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو آج ہم بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے“ مجرموں کے لئے بے وقت کی ندامت مفید نہیں ہوگی واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوا﴾ ”اور وہ کہیں گے:“ اور وہ فوج جو جہنم میں ڈالی جائے گی اس کے داروغوں سے کہے گی۔

(2) ﴿لَوْ كُنَّا﴾ ”اگر ہم“ اگر ہم دنیا میں ہوتے۔

(3) ﴿نَسْبَحُ أَوْ نَعْقِلُ﴾ ”سننے یا سمجھتے ہوتے“ یعنی دنیا میں اگر ہم رسولوں کی باتیں سننے اور عقل سے کام لیتے اور ان کی باتیں مان لیتے۔

(4) ﴿مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ”تو آج ہم بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں نہ ہوتے“ تو آج کے دن ہم جہنمی نہ ہوتے۔

(5) یعنی اگر وہ عقلی دلائل سن کر گمراہی سے ہدایت، شر سے خیر کو الگ کر لیتے تو آج بھڑکتی ہوئی آگ کے سزاوار نہ ہوتے۔ وہ اس وقت نادام ہوں گے جب وقت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا، بے وقت کی ندامت کبھی فائدہ نہیں دیتی۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ حَفَّطَ مَوَازِينَهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ حَسِبُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ﴾ (۱۰۳) تَلْفَحُ

وَجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ (۱۰۴) أَلَمْ تَكُنْ أَلَيْسَ تُثَلِّ عَلَىٰ كَيْفَ فَعَلْتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ﴾ (۱۰۵) قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ

عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ﴾ (۱۰۶) رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ﴾ (۱۰۷) قَالَ احْسَبُوا فِيهَا وَلَا

تُكذِّبُونَ﴾ ”اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے

والے ہیں۔ ان کے چہروں کو آگ جھلسادے گی اور اس میں وہ جبرے نکالنے والے ہوں گے۔“ کیا میری آیات تمہیں پڑھ کر سنائی نہیں جاتی

تھیں؟ پھر بھی تم انہیں جھلاتے تھے۔“ وہ کہیں گے: ”اے ہمارے رب! ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے ہمارے

رب! ہمیں یہاں سے نکال، پھر اگر ہم دوبارہ کریں تو بلاشبہ ہم ہی ظالم ہوں گے۔“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”یہیں خوار ہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔“

(المؤمنون 103,108)

﴿فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾

”سو وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، سو دوری ہے بھڑکتی ہوئی آگ والوں کے لیے“ (۱۱)

سوال: ﴿فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ”سو وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، سو دوری ہے بھڑکتی

ہوئی آگ والوں کے لیے، محشر میں جہنمی اقبال جرم کریں گے؟

جواب: (1) ﴿فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ﴾ ”سو وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے“ وہ رسولوں کو جھلانے کا اعتراف کریں گے۔ اور وہ

اعتراف اور اقبال جرم کہاں ان کے کام آئے گا؟ (تخیر نمبر: 18/15)

(2) ﴿فَسُحْقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ ”سو دوری ہی بھڑکتی ہوئی آگ والوں کے لیے، جہنمیوں کے لئے میری رحمت سے دوری ہے، وہ

انکار کریں یا اعتراف کچھ بھی ان کے کام نہیں آئے گا۔ اس طرح وہ ہونے والا واقعہ وقوع پذیر ہو جائے گا اور وہ عذاب ان سے کبھی ہٹایا

نہیں جاسکے گا۔

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: ”لوگ اس وقت تک ہلاک نہیں ہوں گے جب تک اپنی برائیاں آپ نہ دیکھ لیں۔“ (مسند احمد: 2601/4)

(4) اللہ تعالیٰ کسی کو جہنم میں نہیں بھیجے گا جب تک وہ خود نہیں جان لے گا کہ میں واقعی جہنم ہی کے قابل ہوں، جنت کے قابل نہیں۔

(5) کتنے بد بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھو دیا، وہ جہنم کا ایندھن بنے جو ان کے جسموں میں بھڑکتی رہے گی اور ان کے دلوں سے لپٹی رہے گی۔ (تفسیر سوری: 2810/2، 2809)

(6) سعید بن جبیر نے فرمایا: سحقا جہنم کی ایک وادی ہے۔ (جامع البیان: 71/29) ان سے کبھی ہٹایا نہیں جاسکے گا۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾

”جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے“ (12)

سوال: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ ”جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں یقیناً ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے“ تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے باز رہنے والوں کی کیا فضیلت ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ﴾ ”جو لوگ بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں“ جو لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں وہ تنہائی میں بھی گناہوں سے رک کر نیکیاں کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کرتے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ﴾ ”وہ لوگ جو بن دیکھے اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں اور وہی قیامت سے ڈرنے والے ہیں۔“ (الانبیاء: 49)

(3) اللہ تعالیٰ کی خشیت اور اس کے عذاب و عقاب کا خوف اور شیطان سے مجاہدہ کرنا ہر انسان پر واجب ہے۔ (تفسیر نمبر: 24/15)

(4) ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ﴾ ”یقیناً ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے“ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے دن کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں وہ کھلے چھپے اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا شعور رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرے گا اور انہیں بڑا ثواب عطا فرمائے گا جو کہ جنت ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ جب ان کے گناہ بخش دیں گے تو گناہوں کے شر اور جہنم کے عذاب سے بھی بچالیں گے۔

(6) اللہ تعالیٰ نے جنت میں ان کے لئے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے یعنی ہمیشہ رہنے والی بادشاہت، نعمتیں، خدمت گار اور رب کی رضا جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّدْبِرٍ ۖ (۳۳) ادْخُلْهَا بِسَلَامٍ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ (۳۴)﴾ لَّهُمْ مَا يَشَاءُونَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۳۵﴾ ”جو بن دیکھے رحمان سے ڈر گیا اور رجوع کر نیوالا دل لایا۔ (ان سے کہا جائے گا) جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہی ابدی زندگی کا دن ہے۔ اُن کے لیے وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس مزید بھی ہے۔“ (ن: 33,35)

(8) ﴿إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَا تَغْفِرُ ۚ وَآجِرْ كُفْرَهُ﴾ ”آپ صرف اسی شخص کو خبردار کرتے ہیں جس نے نصیحت کی پیروی کی اور رحمن سے بن دیکھے ڈرا سوا سے مغفرت اور باعزت اجر کی بشارت دے دیں۔“ (ہشتمین: 11)

﴿وَأَيُّرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ ۗ إِنَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾

”اور تم اپنی بات چھپاؤ یا اُس کو ظاہر کر دو، یقیناً وہ تو سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے“ (13)

سوال: ﴿وَأَيُّرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ ۗ إِنَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”اور تم اپنی بات چھپاؤ یا اُس کو ظاہر کر دو، یقیناً وہ تو سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے“ اللہ تعالیٰ دلی راز جانتا ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَيُّرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ﴾ ”اور تم اپنی بات چھپاؤ یا اُس کو ظاہر کر دو“ یقیناً اللہ تعالیٰ دلی رازوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، جیسے دل کی باتیں اور خیالات جو زبانوں پر نہیں آتے اللہ تعالیٰ ان سے بھی واقف ہے۔

(2) ﴿إِنَّهُ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”یقیناً وہ تو سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے“ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے وسیع علم، بے پایاں لطف و کرم کے بارے میں خبر ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَيُّرُوا قَوْلَكُمْ أَوْ اجْهَرُوا بِهِ﴾ ”اور تم اپنی بات چھپاؤ یا اُس کو ظاہر کر دو“ یعنی اس کے لیے دونوں برابر ہیں، دونوں میں سے کوئی بات اس سے چھپی نہیں رہ سکتی، پس، وہ سینے میں چھپی ہوئی نیتوں اور ارادوں کو بھی جانتا ہے، وہ ان اقوال کو کیوں کر نہیں جانتا جن کو سنا جاسکتا ہے اور جن کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے؟ (تفسیر سہلی: 2810/3)

﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾

”کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے“ (14)

سوال: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ”کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟ اور وہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ ”کیا وہی نہیں جانتا جس نے پیدا کیا؟“ یعنی وہ کیسے چھپی ہوئی باتوں کو نہیں جانے گا جبکہ وہ تمہاری

ظاہر ہونے والی باتوں کو جانتا ہے اور وہ تمہارا خالق ہے، اپنی مخلوق کو خوب جانتا ہے۔ وہ رگ رگ سے واقف ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اپنے علم پر عقلی دلیل سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ﴾ یعنی وہ ہستی جس نے مخلوق کو نہایت مہارت سے اور بہترین طریقے سے پیدا کیا ہے وہ سینوں کے بھید کیونکر نہ جانتی ہوگی؟ اس کے علم و خبر بہت لطیف ہیں حتیٰ کہ وہ سینے کے بھیدوں، ضمیر کے رازوں، تمام چھپی ہوئی چیزوں، خفیہ امور اور غیب کو جانتا ہے، وہی ہے جو ﴿يَعْلَمُ السِّرَّ وَالْخَفِيَّ﴾ چھپی ہوئی اور پوشیدہ باتوں کو بھی جانتا ہے“ (سورہ طہ: 7) (تفسیر السعدی: 2810/3)

(3) ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ”اور وہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے“ (اللَّطِيفُ) کے معانی میں سے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بندے اور دوست کے ساتھ نہایت لطف و کرم سے پیش آتا ہے، اس کے ساتھ احسان اور نیکی اس طرح کرتا ہے کہ اسے شعور تک نہیں ہوتا، وہ اسے شہ سے ایسے بچاتا ہے جس کا اسے وہم و گمان نہیں ہوتا، وہ اسے ایسے اسباب کے ذریعے سے اعلیٰ مراتب پر فائز کرتا ہے جو بندے کے تصور میں بھی نہیں ہوتے یہاں تک کہ وہ اسے ناگوار حالات کا مزا چکھاتا ہے تاکہ ان کے ذریعے سے اسے جلیل القدر محبوبات اور اعلیٰ مطالب و مقاصد تک پہنچائے۔ (تفسیر السعدی: 2811/3)

(4) لطیف کے معنی میں باریک بینی یا راز اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے آگاہی پائی جاتی ہے۔ اور کبھی دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی مخلوق کی چھوٹی چھوٹی نکالیف کا علم رکھنا اور مہربانی سے ان کا ازالہ کرتے رہنا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا ہے۔“ (الجمرات: 18)

(6) ﴿وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ”اور آپ کا رب جانتا ہے جو ان کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔“ (التقص: 69)

رکوع نمبر 2

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۗ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾

”وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنا دیا سو تم اس کے راستوں پر چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ

اور اسی کی طرف قبروں سے اٹھ کر جانا ہے“ (15)

سوال: ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ ۗ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ﴾ ”وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنا دیا سو تم اس کے راستوں پر چلو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کی طرف قبروں سے

اُٹھ کر جانا ہے، زمین اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذُلُولًا﴾ ”وہ ذات جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنا دیا“ زمین اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے رب العزت نے اس زمین کو ہمارے قبضے میں دے دیا ہے۔

(2) ”ذُلُولًا“ کے لفظی معنی ہیں ذلیل، مسخر اور تابعدار۔ مطلب یہی ہے کہ زمین کو ایسا نرم اور ملائم بنا دیا ہے کہ تم جیسے چاہو اسے کھو دو، اس میں راستے بناؤ اور اس کی مٹی سے کچی اور کچی عمارتیں تعمیر کرو وغیرہ۔ (شرف الجواہری: 672/1)

(3) اللہ تعالیٰ نے زمین میں ٹھٹھے پانی کے چشمے اور دریا جاری کر دیے۔ اس میں راستے بنائے اور ہر طرح کے فائدے رکھ دیے تاکہ اس میں سے انسان جو چاہیں وہ حاصل کر سکیں مثلاً کھیتیاں اور باغات اگا سکیں، عمارتیں اور راستے تعمیر کر سکیں، تاکہ ان شاہراہوں پر دروازوں کے ملکوں تک جا سکیں اور جہاں چاہیں رہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالْفِي فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اور اس نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیئے کہ تمہیں لے کر ڈگمگانے نہ لگے اور اس میں دریا اور راستے بنا دیئے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔“ (اہل: 15)

(5) ﴿فَأَمْشُوا فِي مَنَا كِبِهَآ﴾ ”سو تم اُس کے راستوں پر چلو“ ”منا کب“ کے لفظی معنی ”کندھوں“ کے ہیں۔ اس سے مراد زمین کے راستے، اطراف اور پہاڑ ہیں یعنی جس طرف چاہو سفر کرو، کسب و تجارت کے لئے چلو پھرو۔ (شرف الجواہری: 672/1)

(6) یعنی زمین میں تجارت کی غرض سے جہاں چاہیں سفر کریں۔

(7) ﴿وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ﴾ ”اور اُس کے رزق میں سے کھاؤ“، یعنی وہ رزق کھاؤ جو اس نے تمہارے لیے پیدا کیا، طرح طرح کے غلے اور قسم قسم کے پھل اور پھول۔

(8) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ نے فرمایا: ”اگر تم اللہ پر توکل کرو جس طرح توکل کرنے کا حق ہے تو تم کو بھی ایسے رزق دیا جائے جیسا کہ پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے۔ صبح کو وہ گھونسلوں سے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔“ (ترمذی: 4164)

(9) ﴿وَالْيَهُ النَّشُورُ﴾ ”اور اسی کی طرف قبروں سے اُٹھ کر جانا ہے“، یعنی اسی ایک رب کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے یعنی وہ تمہیں زندہ کرے گا اور تمہیں تمہاری قبروں سے نکالے گا تاکہ تم سے حساب لے گا اور تمہیں تمہارے ایمان اور تمہاری اطاعت پر بہترین جزا دے گا اور وہ جنت اور اس کی نعمتیں ہیں اور تم میں سے جو کفر اور نافرمانیاں کرے ان کے کفر اور شر پر انہیں جزا دے اور وہ آگ اور اس کا عذاب ہے۔ (البراقیہ: 1657)

(10) یاد رکھو تمہاری کوششیں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مدد کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

﴿ءَأَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَآءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ﴾

”کیا تم اُس سے بے خوف ہو گئے کہ جو آسمان میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے؟ تو اچانک وہ بچکولے کھانے لگے“ (16)

سوال: ﴿وَأَمْنَتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورٌ﴾ ”کیا تم اُس سے بے خوف ہو گئے کہ جو آسمان میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے؟ تو اچانک وہ بچکولے کھانے لگے“ مہلت اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَمْنَتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ﴾ ”کیا تم اُس سے بے خوف ہو گئے کہ جو آسمان میں ہے“ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی مخلوق پر بلند ہے۔

(2) سیدنا معاویہ بن حکم السلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی اس لونڈی کے متعلق پوچھا جسے انھوں نے ایک طمانچہ مارا تھا کہ کیا میں اسے آزاد کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے میرے پاس لاؤ۔“ جب وہ آگئی تو آپ نے پوچھا: ”اللہ کہاں ہے؟“ اس نے کہا، آسمان میں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ”میں کون ہوں؟“ اس نے کہا، آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اسے آزاد کر دو، یہ مومنہ ہے۔“ (مسلم: 1199)

(3) ﴿أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورٌ﴾ ”وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے؟ تو اچانک وہ بچکولے کھانے لگے۔“ اللہ تعالیٰ نے زمین کی حرکت سے ڈرایا ہے کہ جس زمین پر تم رہتے ہو وہ 1000 میل فی گھنٹہ کے حساب سے اپنے گرد، 65 ہزار میل فی گھنٹہ کے اعتبار سے سورج کے گرد اور جس کہکشاں میں زمین ہے وہ آسمان کے برج جبار کے نزدیک 20 ہزار میل فی گھنٹہ کے اعتبار سے دوڑ رہی ہے جس کا ایک چکر 26 کروڑ سالوں میں پورا ہوتا ہے۔ ان ساری دوڑوں کے باوجود کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ جو آسمانوں میں ہے وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور یہ زمین جھکولے کھانے لگے یعنی وہی زمین جو تمہاری قرار گاہ ہے، جہاں تم سکون سے چلتے پھرتے ہو، جہاں تمہاری روزی ہے، کیا اس زمین کو حرکت میں لا کر وہ تمہاری ہلاکت کا باعث نہیں بنا سکتا؟

(4) ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْضِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْأَلْيَتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ ”آپ کہہ دیں وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہیں گردوں میں ملادے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھادے، آپ دیکھیں ہم آیات کو کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔“ (الانعام: 65)

(5) ﴿وَلَوْ يَوَّاخِدُنَا اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَىٰ ظَهْرِهِا مِنْ ذَاتِ يَمِينٍ وَوَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا﴾ ”اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی وجہ سے پڑتا جو انہوں نے کیا یا تو سطح زمین پر کوئی جان دار بھی نہ چھوڑتا لیکن وہ انہیں مقرر مدت تک مہلت دیتا ہے، پھر جب اُن کا مقررہ وقت آجائے گا تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہمیشہ سے

خوب دیکھنے والا ہے۔“ (فاطر: 45)

(6) اللہ رب العزت نے ان لوگوں کو وعید دی ہے جو اپنی نافرمانی، سرکشی، کفر اور شرک پر جسے ہوئے ہیں۔ ان کے گناہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو لکار رہے ہیں، ان کی نافرمانیاں عذاب کے نزول کی موجب ہیں مگر وہ رحمت اور تحمل کی وجہ سے درگزر فرما کر مہلت دیتا ہے۔

﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۗ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ﴾

”کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے؟ پھر جلد ہی تم جان لو گے

کہ کیسا ہے میرا ڈرانا؟“ (17)

سوال: ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۗ فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ﴾ ”کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے کہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے؟ پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ مَّن فِي السَّمَاءِ﴾ ”کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمان میں ہے“ یعنی وہ اللہ عزوجل ہے جو آسمانوں میں ہے۔

(2) ﴿أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا﴾ ”کہ تم پر پتھراؤ والی آندھی بھیج دے؟“ یعنی وہ آسمان سے تم پر پتھر برسا کر عذاب نازل کرے اور تم سے انتقام لے اور تمہیں ہلاک کر دے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا﴾ ”تو کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمہیں خشکی کی جانب دھنسا دے یا تم پر پتھر برسائے والی آندھی بھیج دے؟ پھر تم اپنے لیے کوئی کارساز نہ پاؤ گے؟“ (بنی اسرائیل: 68)

(4) ﴿فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرٍ﴾ ”پھر جلد ہی تم جان لو گے کہ کیسا ہے میرا ڈرانا؟“ رب العزت نے وعید دی ہے کہ وہ عذاب تم پر کیسے آتا ہے جس کے بارے میں تمہیں رسولوں نے آگاہ کیا عنقریب تمہیں علم ہو جائے گا۔ اگر ابھی تک عذاب سے محفوظ ہو تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا کیونکہ تم اپنے بڑے اعمال کا انجام دیکھ لو گے۔

(5) تم سے پہلے لوگوں نے بھی اس طرح جھٹلایا تھا جیسے تم نے جھٹلایا۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت سے پہلے انہیں دنیا کے عذاب کا مزہ چکھایا ڈرو اس سے جو تم پر عذاب نازل کرنے کی قدرت رکھتا ہے کہیں وہ تم پر عذاب نازل نہ کر دے جو پہلے لوگوں پر ہوا تھا۔

(6) اللہ تعالیٰ نے پتھراؤ کرنے والی ہوا سے پہلی قوموں کو بھی ہلاک کیا ہے۔ مثلاً قوم عاد، قوم لوط اور اصحاب الفیل جن کو پتھروں کی بارش

سے ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ کیا تم بے خوف ہو کہ وہ تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے یعنی میں نے پچھلی قوموں کی ہلاکت کے بارے میں جو خبریں دی ہیں وہ کتنی سچی ہیں۔
(7) عذاب آنے کے بعد کا علم بے فائدہ ہے۔

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾

”اور بلاشبہ یقیناً ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا تھا میرا عذاب؟“ (18)

سوال: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر کیسا تھا میرا عذاب؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا“ یعنی جیسے عاد اور ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب رسولوں نے انہیں شرک اور کفر سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔

(2) ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ (۱۱) وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ (۱۲) وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُسُوعَ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَسَىٰ وَعَيْبِ﴾ ”ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور ثمود نے جھٹلایا۔ اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے۔ اور اہل ایکہ اور قوم تسوع نے، ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید سچ ثابت ہوئی۔“ (ن: 14، 12)

(3) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مَوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا (۳۵) فَقُلْنَا أَهْبِ إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا (۳۶) وَقَوْمَ نُوحٍ لَمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً (۳۷) وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا (۳۸) وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كِبِيرًا (۳۹) وَكُلًّا ضَعَفْنَاهُ إِلَى الْأَمْعَالِ (۴۰) وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا (۴۱) وَوَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ الْقُرْبَانَ عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي آمَطْرَتْ مَطَرًا سَوْءًا (۴۲) أَفَلَمْ يَكُونُوا يَرَوْنَهَا (۴۳) بَلْ كَانُوا الْأَيْرُجُونَ نُشُورًا (۴۴)﴾ (النور: 35، 40)

”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے بھائی ہارون کو بوجھ بنانے والا بنایا۔ پھر ہم نے کہا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا، بری طرح تباہ و برباد کرنا۔ اور نوح کی قوم کو ہم نے غرق کر دیا جب انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں لوگوں کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا اور ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود کو اور کنوئیں والے اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے برباد کر دیا بری طرح تباہ و برباد کرنا۔ اور بلاشبہ یقیناً یہ لوگ اس بستی پر سے آئے ہیں جس پر بدترین بارش برسائی گئی تو کیا وہ اسے دیکھا نہیں کرتے تھے؟ بلکہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے کی امید ہی نہیں رکھتے۔“

(4) ﴿فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ﴾ ”پھر کیسا تھا میرا عذاب؟“ ﴿نَكِيرِ﴾ (عذاب) دراصل اس انتقامی کارروائی کو کہتے ہیں جو کسی کے خلاف

اس کے طرز عمل کو غلط اور ناپسندیدہ سمجھ کر کی جاتی ہے۔ (اشرف الہاشمی: 672/1)

(5) یعنی جھٹلانے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام ہوا، انہیں کیسے دردناک عذابوں میں پکڑا گیا اور وہ کس برے طریقے سے ہلاک ہوئے، ان کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَّتْ وَيَقْبِضْنَ ۗ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۗ

إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ ۗ بَصِيرٌ﴾

”اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے

سوا انہیں کوئی نہیں تھا متا، بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے“ (19)

سوال: ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَّتْ وَيَقْبِضْنَ ۗ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ ۗ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ ۗ بَصِيرٌ﴾

”اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھا متا، بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے“ مشاہدہ قدرت میں ایمان والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَفَّتْ وَيَقْبِضْنَ﴾ ”اور کیا انہوں نے اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھا اس حال میں کہ وہ پر پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں“ رب العزت نے اپنی قدرت اور طاقت کا شعور دلانے کے لیے پرندوں کی حالت پر غور کرنے کی ترغیب دی ہے۔ کیا اپنے اوپر اڑتے ہوئے پرندے نہیں دیکھتے جن کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کیا اور ان کے لیے فضا اور ہوا کو مسخر کیا۔ وہ فضا میں کبھی دونوں پروں سے اڑتے ہیں کبھی ایک سے۔ کبھی پر پھیلاتے ہیں، کبھی نیچے اترنے کے لیے سکیڑتے ہیں۔

(2) صَفَّتْ یعنی صف بنانا۔ سیدھی قطار بنانا اور صف بمعنی ہر شے کی سیدھی قطار اور صف الطیر بمعنی پرندوں نے اپنی اڑان میں اپنے پروں کو قطار کی طرح سیدھا کر دیا۔ نیز اس کا معنی پرندوں کا اپنے پروں کو ہوا میں پھیلا دینا اور بالکل بے حرکت بنا دینا بھی ہے۔ (تفسیر تیسرا قرآن: 4: 505)

(3) ﴿مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ﴾ ”رحمان کے سوا انہیں کوئی نہیں تھا متا“ کون ہے جو ان پرندوں کو فضا میں سنبھالے ہوئے ہیں رحمن کے سوا کسی کی طاقت نہیں کہ انہیں سنبھال سکے وہ رحمن ہے جس نے فضا کو مسخر کیا اور پرندوں کو پرواز کے لیے موزوں بنایا۔ پرندوں کی حالت میں غور کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی عنایتوں کا یقین ملے گا اور اس حقیقت تک پہنچو گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَرَوْنَ إِلَى السَّمَاءِ طَائِفَاتٍ مِمَّا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں؟ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں تھا تا بلاشبہ اس میں یقیناً نشانیاں ہیں اُن کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔“ (آئل: 79)

(5) ﴿إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”بلاشبہ وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔“ یقیناً اللہ تعالیٰ بصیر ہے وہ ان کا نگران اور کفیل ہے۔ وہ بندوں کے لیے اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق تدبیر کرتا ہے۔

﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۗ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَّالًا فِي غُرُورٍ﴾

”یا کون ہے وہ جو تمہارا لشکر ہو، جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے؟ کافر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں“ (20)

سوال: ﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ ۗ إِنَّ الْكُفْرَ وَنَّالًا فِي غُرُورٍ﴾ ”یا کون ہے وہ جو تمہارا لشکر ہو، جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے؟ کافر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں“ غیر اللہ سے امداد کا عقیدہ دھوکہ ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُونِ الرَّحْمَنِ﴾ ”یا کون ہے وہ جو تمہارا لشکر ہو، جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے؟“ اللہ تعالیٰ اپنے امر سے دور بھاگنے اور حق سے روگردانی کرنے والے سرکشوں سے فرماتا ہے یعنی جب رحمن تمہارے ساتھ کوئی برائی کرنے کا ارادہ کرے تو کون سا تمہارا لشکر اس برائی کو تم سے دور کر سکتا ہے؟ یعنی رحمن کے سوا تمہارے دشمنوں کے خلاف کون تمہاری مدد کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مدد کرنے والا، عزت عطا کرنے والا اور ذلت سے ہم کنار کرنے والا ہے اور اس کے سوا تمام مخلوق کسی بندے کی مدد کے لیے اٹھی ہو جائے تو کسی بھی دشمن کے خلاف اسے ذرہ بھر فائدہ نہیں دے سکتی۔ پس کفار کو یہ جان لینے کے بعد کہ رحمن کے سوا کوئی ان کی مدد نہیں کر سکتا، اپنے کفر پر جسے رہنا فریب اور حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ (تفسیر سدی: 2813/3)

(2) ﴿وَأَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللَّهِ إِلَهاتٍ لَّعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ﴾ (۷۲) ”آیا استطيعون نصرهم وهم لهم جند فخصرون“ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ ان کی مدد کی جائے۔ وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے اور وہ ان کے لیے حاضر کیے گئے لشکر ہیں۔“ (سین: 74، 75)

(3) انسان کسی سہارے کی وجہ سے بے خوف ہوتا ہے۔ یہ سہارا اس کے شعور کی گہرائیوں میں رچ بس کر اُسے بے خوف بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کیا ہے کہ یہ بتاؤ وہ کون سا لشکر ہے جو رحمان کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا؟ یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا۔

(4) مشرک غیر اللہ سے مدد اور روزی مانگتے ہیں ان کی کوئی امید پوری ہونے والی نہیں وہ اللہ تعالیٰ ہے جو جماعتی اور کار ساز ہے اس کے سوا

کوئی بچانے والا نہیں۔

(5) ﴿إِنَّ الْكَافِرُونَ إِلَّا فِي غُرُورٍ﴾ ”کافر دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں“ یعنی کافر دھوکے میں ہیں شیطان ان کے لیے شرک کو مزین کرتا ہے اور انہیں وعدے دیتا ہے کہ ان کے لیے نہ حساب ہے نہ عذاب اور ان کے معبودان کی سفارش کریں گے۔ (ابراہیم: 1659)

(6) غیروں سے امداد کا عقیدہ دھوکہ ہی دھوکہ ہے اللہ کے سوا کوئی مددگار اور کارساز نہیں ہے۔

﴿أَمِنَ هَذَا الَّذِي يَزُوقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۗ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ﴾

”یا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق روک لے؟ بلکہ وہ سرکشی اور گریز پراڑے ہوئے ہیں“ (21)

سوال: ﴿أَمِنَ هَذَا الَّذِي يَزُوقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ ۗ بَلْ لَجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ﴾ ”یا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق روک لے؟ بلکہ وہ سرکشی اور گریز پراڑے ہوئے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمِنَ هَذَا الَّذِي يَزُوقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ ”یا وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق روک لے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ ہی رزق کا مالک ہے۔ رزق اس کی طرف سے ہے اگر وہ اپنا رزق روک لے تو کون ایسا ہے جو رزق دے سکے رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ يَزُوقُكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلِ اللَّهُ ۗ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ اور بیشک ہم یا تم میں سے ایک ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔“ (24ہـ)

(2) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ ادْكُرُوا عِمَّتِ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَزُوقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَآلَىٰ تُوْفِكُونَ﴾ ”اے لوگو! اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو، کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خالق بھی ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم کہاں سے بہکائے جاتے ہو؟“ (فاطر: 3)

(3) ﴿قُلْ مَنْ يَزُوقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۖ أَمِنَ بِمَلِكِ السَّمْعِ وَالْأَبْصَارِ ۚ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۚ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۗ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ کون تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جو کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے؟ اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور کون ہر کام کی تدبیر کرتا ہے؟ تو جلد ہی وہ کہیں گے ”اللہ تعالیٰ“ کہو: ”تو کیا تم ڈرتے نہیں؟“ (یونس: 31)

(4) ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُعِيْبُكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شَرِّ كَائِكُمْ ۚ مَنْ يَفْعَلْ مِنْ دُونِ ذَلِكَ ۚ مَنْ شِئِي ۚ سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ ”اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر وہ

تمہیں زندہ کرے گا، کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو ان میں سے کوئی بھی کام کرتا ہو؟ پاک ہے وہ اور ان سے بہت بلند ہے جنہیں یہ شریک بناتے ہیں۔“ (الروم: 40)

(5) اللہ تعالیٰ کے سوانہ کوئی رزق دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے، نہ کوئی مدد کر سکتا ہے، نہ ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور عزت و ذلت کا مالک ہے جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے، عزت دیتا ہے جس سے چاہتا ہے رزق اور عزت چھین لیتا ہے۔

(6) ﴿أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَبَارِئُكُمْ مِنَ الشَّمَاءِ وَالْأَرْضِ طَعْمَ الْهَلَاكِ اللَّهُ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَ كَمَا رَأَىٰ كُذَّبْتُمْ صِدْقَيْنِ﴾ ”یادہ جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور وہ جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ آپ کہہ دیں لاؤ اپنی دلیل، اگر تم سچے ہو۔“ (اہل: 64)

(7) جو خالق، مالک اور رازق ہے اسی کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

(8) ﴿بَلْ لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ﴾ ”بلکہ وہ سرکشی اور گریز پر اڑے ہوئے ہیں۔“ یعنی کافر حق کے معاملے میں گمراہی اور دشمنی پر اڑے ہوئے ہیں۔ وہ حق سے دور بھاگتے ہیں وہ حق سے نفرت کرتے ہیں نہ سننا چاہتے ہیں نہ ماننا چاہتے ہیں۔

(9) لج یعنی ضد سے جھگڑنا۔ دشمنی میں مداومت کرنا اور لجۃ یعنی پانی کی گہرائی۔ پانی کا گہرا حصہ جہاں پانی سب سے زیادہ گہرا ہو۔ گویا اس لفظ کا معنی ضد کی وجہ سے کسی بات پر اڑ جانا بھی ہے اور کسی برے کام میں دو روز راز تک چلے جانا بھی ہے۔ (تیسرے تیراقرآن: 495/4)

(10) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو معبود کیا اور آپ نے فرمایا ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ ”کہہ دو کہ میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں اور نہ میں بناوٹی باتیں کرنے والوں میں سے ہوں۔“ پھر جب آپ نے دیکھا کہ قریش عناد سے باز نہیں آتے تو آپ نے ان کے لئے بددعا کی کہ ”اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد ایسے قحط سے کر جیسا سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں پڑا تھا۔“ قحط پڑا اور ہر چیز ختم ہو گئی۔ لوگ ہڈیاں اور چمڑے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ (سلیمان اور منصور) راویان حدیث میں سے ایک نے بیان کیا کہ ”وہ چمڑے اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے“ اور زمین سے دھواں سا نکلنے لگا۔ آخر ابوسفیان آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ! آپ کی قوم ہلاک ہو چکی، اللہ سے دعا کیجئے کہ ان سے قحط کو دور کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اور قحط ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد وہ پھر کفر کی طرف لوٹ گئے۔ منصور کی روایت میں ہے کہ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿فَإِذَا تَقَبَّ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُحَانٍ مُّبِينٍ﴾ ”تو آپ اس روز کا انتظار کریں جب آسمان کی طرف ایک نظر آنے والا دھواں پیدا ہو۔“ عائشہ دن تک۔ کیا آخرت کا عذاب بھی ان سے دور ہو سکے گا۔ ”دھواں“ اور ”سخت پکڑ“ اور ”ہلاکت“ گزر چکے بعض نے چاند اور بعض نے ”غلبہ روم“ کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ یہ بھی گزر چکا ہے۔ (بخاری: 4824)

﴿أَمَّنْ يَمُشِي مَكْبًا عَلٰی وَجْهِهِ أَهْدٰی أَمَّنْ يَمُشِي سَوِيًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

”تو کیا وہ شخص زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو اوندھے منہ چلتا ہے؟ یا وہ شخص جو درست ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے؟“ (22)

سوال: ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَى وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ ”تو کیا وہ شخص زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو اوندھے منہ چلتا ہے؟ یا وہ شخص جو درست ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے؟“ ”مومن اور کافر کی مثال کی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟“

جواب: (1) ﴿أَفَمَنْ يَمْشِي مُكِبًّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ﴾ ”تو کیا وہ شخص زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو اوندھے منہ چلتا ہے؟“ یعنی دو لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو منہ کے بل اوندھا چل رہا ہے اسے نہیں خبر دلائیں بائیں اور آگے کیا ہے؟ نہ اسے یہ خبر ہے کہ کہاں جا رہا ہے اور نہ راستے کی کوئی خبر ہے۔

(2) ﴿أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ ”یا وہ شخص جو درست ہو کر سیدھے راستے پر چلتا ہے؟“ دوسرا وہ ہے جو سیدھا کھڑا ہو کر سیدھے راستے پر چل رہا ہے وہ دیکھ بھال کر بھی چل رہا ہے اور اسے اپنی منزل کا بھی پتہ ہے۔

(3) یعنی ان دو شخصوں میں سے کون زیادہ ہدایت کی راہ پر ہے؟ کیا وہ شخص جو گمراہی میں سرگشتہ پھرتا ہے، اپنے کفر میں غرق ہے اور اس کی سمجھ الٹ گئی ہے اس کے نزدیک حق باطل اور باطل حق بن چکا ہے یا وہ شخص جو حق کا علم رکھنے والا، حق کو ترجیح دینے والا، حق پر عمل کرنے والا اور اپنے اقوال و افعال اور تمام احوال میں صراطِ مستقیم پر گامزن ہے؟ ان دونوں اشخاص کے احوال پر مجرد ایک نظر ڈالنے سے ہدایت یافتہ اور گمراہ کے درمیان فرق معلوم ہو جائے گا۔ احوال، اقوال سے بڑے گواہ ہیں۔ (تیسرے اسعدی: 2813/3)

(4) یہ مومن اور کافر کی مثال ہے ان دونوں میں سے کون راہِ راست پر ہے اور کون گمراہ ہے فیصلہ کریں۔

(5) قیامت کے دن مشرک منہ کے بل چلائے جائیں گے اور جہنم میں جھونکے جائیں گے اور مومن عزت کے ساتھ جنت میں جائیں گے۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَحْسِرُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا أَوْزَوْا جَهَنَّمَ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ﴾ (۲۱) ﴿مِنْ حُورٍ لَّهُنَّ فَا هُنَّ لَهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ الْمُسْتَقِيمِ﴾ (۲۲) ”جمع کرو ان سب لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا اور ان کے جوڑوں کو بھی اور ان کو بھی جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کے ماسوا پھر ان کی دوزخ کے راستے کی طرف راہ نمائی کرو۔“ (الصف: 22، 23)

(7) نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ منہ کے بل کیسے چلائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے بیرون پر چلایا کیا وہ منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟ (بخاری، مسلم)

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۗ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾

”کہہ دو وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو“ (23)

سوال: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ط قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ ”کہہ دو وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو،“ جس نے وجود بخشا ہے اسی کا شکر ادا کیوں نہیں کرتے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ رب العزت نے صرف اپنی عبادت اور شکر کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ﴾ ”کہہ دو وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا“، یعنی وہ اللہ ہے جس نے تمہیں ایجاد کیا۔ کسی مددگار کے بغیر تمہیں عدم سے نکال کر وجود بخشا۔

(2) ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ﴾ ”اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے“، یعنی جب اس نے تمہیں پیدا کیا تو کانوں، آنکھوں اور دلوں کے ساتھ تمہارے وجود کو مکمل کیا۔ تمہارے لیے جسم کے اہم ترین، نفع مند اور کامل اعضاء ہیں۔

(3) ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾ ”تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو،“ مگر ساری نعمتیں پا کر تم کم ہی شکر ادا کرتے ہو۔

(4) اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ (۱) انسان ان ہی کے توسط سے سوچتا سمجھتا اور اپنی زندگی کے کام کرتا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ اس حوالے سے کیا ہے کہ انسان ان قوتوں سے صحیح کام لے کر شکر ادا کر سکتا ہے اور صحیح کام نہ لے کر ناشکری کرتا ہے۔

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾

”کہہ دو وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے“ (24)

سوال: ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ”کہہ دو وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا ہے اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے“، جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا وہ سمیٹنے پر قادر ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”کہہ دو وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا یا ہے“، یعنی وہ اللہ ہے جس نے تمہیں زمین کے کونے کونے میں پھیلا دیا اور چاروں سمت آباد کر دیا۔ تمہارے رنگ جدا جدا، زبانیں جدا جدا، عادتیں جدا جدا، شکلیں جدا جدا بنائیں پھر اس نے تمہیں پھیلا دیا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ فِيهِمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾ ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی اور اس نے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داری (کو بگاڑنے) سے بھی ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ سے پورا نگہبان ہے۔“ (النساء: 1)

(3) ﴿وَإِلَيْهِ تُحْمَدُونَ﴾ اور اسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے، یعنی جس نے تمہیں پھیلا یا ہے وہ قیامت کے دن سمیٹ لے گا۔ جس نے تمہیں ایجاد کیا وہ اسی طرح لوٹا دے گا۔

(4) اللہ تعالیٰ نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ انسان کو بغیر ارادے اور منصوبے کے ساری خصوصیات نہیں دیں بلکہ اس لئے دی ہیں تاکہ وہ زمین پر زندگی بسر کر سکے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر پھیلا یا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیتیں اس لئے دی ہیں کہ انسان سے زندگی کا حساب لے کر جزا سزا دی جاسکے۔ اسی مقصد کے لئے انسان کو جمع کیا جائے گا۔

﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدَانِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾

”اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟“ (25)

سوال: ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدَانِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟“ جو زندگی کو ایجاد کرنے والا ہے موت دینے پر بھی قادر ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَيَقُولُونَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں“ کا فر جھٹلاتے ہوئے کہتے ہیں۔

(2) ﴿مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدَانِ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟“ کافروں نے کہا اگر تم سچے ہو کہ میدان حشر میں سب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا تو یہ بتاؤ قیامت کب آئے گی؟

(3) انہوں نے انبیاء کی صداقت کی علامت یہ رکھی کہ انہیں قیامت کے دن کی آمد کے وقت کے بارے میں آگاہ کریں، جبکہ یہ ظلم اور عناد ہے۔ پس اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے مخلوق میں سے کسی کے پاس نہیں اور نہ اس خبر اور اس کے وقوع کے وقت کی خبر میں کوئی حلازم ہی ہے کیونکہ صداقت اپنے دلائل سے پہچانی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی صحت پر دلائل و براہین قائم کر دیے ہیں، اس شخص کے لیے ادنیٰ سا شک نہیں رہتا جو توجہ کے ساتھ سنتا ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2814)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا ۗ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ (۱۰۱) ﴿قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا﴾ (۱۰۲) ﴿أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۗ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۗ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا﴾ (۱۰۳) ﴿يَوْمَ هُمْ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَنْظُرُونَ إِلَيْهِ لَبِئْسَ مَا لَكُمُ الْإِلَهَ الْأَقْلِيَّةُ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟ آپ کہہ دیں تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ۔ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو۔ تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا، تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں

گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ لبیک کہو گے اور تم سمجھو گے کہ تم بہت تھوڑی دیر ہی رہے۔“ (بنی اسرائیل: 49، 51)

(5) ﴿قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَأْفِكَنَا عَنِ الْهِتَابِ فَأَتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دے؟ اگر تو واقعی سچا ہے تو جس (عذاب) کی ہمیں دھمکی دیتا ہے وہ لے آ۔“ (الحجرات: 22)

﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾

”کہہ دو یقیناً اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور حقیقتاً میں کھلا ڈرانے والا ہوں“ (26)

سوال: ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ ”کہہ دو یقیناً اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور حقیقتاً میں کھلا ڈرانے والا ہوں“ نبی کا کام قیامت کی تاریخ بتانا نہیں ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”کہہ دو یقیناً اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے“ یعنی قیامت کی تاریخ بتانا میرا کام نہیں ہے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2103)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٣١﴾ فِيمَا أَنْتَ مِنْ ذِكْرهَا ﴿٣٢﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ﴿٣٣﴾ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَنِ يَخُشَاهَا ﴿٣٤﴾ كَذَّبْتُمْ بِیَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٥﴾ كَذَّبْتُمْ بِیَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ أَوْ ضَلَّهَا ﴿٣٧﴾﴾ ”وہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کو اس کے بتانے سے کیا تعلق؟ تیرے رب کے پاس اُس (کے علم) کی انتہا ہے۔ یقیناً جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں۔ جس دن وہ اُسے دیکھ لیں گے تو (سمجھیں گے) گویا کہ وہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اُس کی ایک صبح۔“ (الانعام: 42، 46)

(3) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۚ لَا يُجَلِّئُهَا لِوَفِيهَا إِلَّا هُوَ ۗ نُفِخَتْ فِي السُّنُوفِ وَالْأَرْضِ ۗ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ كَذٰلِكَ حَفِيظٌ عَلَيْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلٰكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ”یقیناً اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے، تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیں: ”بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

(4) ﴿وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ ”اور حقیقتاً میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔“ یعنی میرا کام تو صرف انجام کے بارے میں آگاہ کرنا، متنبہ کرنا ہے۔

(5) رسول کا کردار مُعْذِر کا ہے۔ رسول غیب کی اطلاعات دینے نہیں آتا۔

﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّمَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ﴾

”پس جب وہ اُس کو قریب سے دیکھیں گے تو اُن کے چہرے بگڑ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس کو تم

مانگا کرتے تھے“ (27)

سوال: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّمَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ﴾ ”پس جب وہ اُس کو قریب سے دیکھیں گے تو اُن کے چہرے بگڑ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے“ قیامت سر پر ہے اور اس کے ہول ہوش رباہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّمَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”پس جب وہ اُس کو قریب سے دیکھیں گے تو اُن کے چہرے بگڑ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا“ یعنی قیامت کو جھٹلانے والے اسے دیکھ لیں گے اس وقت انہیں علم ہوگا کہ قیامت قریب ہی تھی کیونکہ آنے والی چیز قریب ہوتی ہے۔

(2) جب وہ قیامت کو اپنے قریب دیکھیں گے تو یہ انہیں بہت برا لگے گا اور انہیں خوف زدہ کر دے گا، ان کے چہرے بدل جائیں گے، ان کی تکذیب پر انہیں زجر تو سنج کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا: ”یہ وہی ہے جس کی تم تکذیب کرتے تھے۔ آج تم نے اسے عیاں دیکھ لیا ہے اور تمام معاملہ تمہارے سامنے ظاہر ہو گیا ہے، تمہارے تمام اسباب منقطع ہو گئے ہیں اور اب عذاب بھگتنے کے سوا کچھ باقی نہیں۔“ (تیسری ساری: 2815/3)

(3) ﴿وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ تَرَى الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ اللَّهِ وُجُوهُهُم مَّسْوُودَةٌ أَلْيَسَٰ فِي جَهَنَّمَ مَعْوَىٰ لِّلْمُتَكَبِّرِينَ﴾ ”اور قیامت کے دن آپ اُن لوگوں کو دیکھیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا کہ اُن کے چہرے سیاہ ہوں گے، کیا جہنم میں تکبر کرنے والوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے؟“ (الر: 60)

(4) ﴿وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ﴾ ”اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے“ یعنی یہ عذاب ہے جس سے تمہیں ڈرایا جاتا تھا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا رَبَّنَا عَجَلْ لَّنَا قِطْعًا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ﴾ ”اور انہوں نے کہا: ”اے ہمارے رب! حساب کے دن سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں جلدی دے دے۔“ (ص: 16)

(6) ﴿وَإِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ ”اور جب انہوں نے کہا: ”اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری جانب سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسایا کوئی دردناک عذاب

ہم پر لے آئے۔“ (الانفال: 32)

(7) ﴿وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿٣٤﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتِ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٥﴾﴾ اور واقعی اُن کے پاس جنہوں نے ظلم کیا، وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اُس کے ساتھ اُس کی مانند اور بھی ہو تو وہ قیامت کے دن کے بُرے عذاب سے بچنے کے لیے ضرور اُسے فدیے میں دے دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جناب سے اُن پر وہ ظاہر ہو جائے گا جس کا وہ گمان بھی نہیں رکھتے تھے۔ اور جو اعمال انہوں نے کمائے ہیں اُن کی برائیاں اُن کے لیے ظاہر ہو جائیں گی اور وہ انہیں گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔“ (الزمر: 47, 48)

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا﴾ فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلَيْهِمْ ﴿۱﴾

”کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو ہلاک کر دے جو میرے ساتھ ہیں یا وہ ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو

دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟“ (28)

سوال: ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا﴾ فَمَنْ يُجِزُّ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلَيْهِمْ ﴿۱﴾ ”کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو ہلاک کر دے جو میرے ساتھ ہیں یا وہ ہم پر رحم فرمائے تو کافروں کو دردناک عذاب سے کون پناہ دے گا؟“ کسی کی بربادی نہ چاہو اپنی فکر کر لو آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا﴾ ”کیا تم نے دیکھا کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور ان کو ہلاک کر دے جو میرے ساتھ ہیں یا وہ ہم پر رحم فرمائے“ یعنی نبی ﷺ کو جھٹلانے والے آپ ﷺ کی دعوت کو ٹھکراتے تھے۔ (تفسیر سہمی: 3/2815)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ نَنْقَلِبَ الرَّسُولَ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَلِكُمْ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَّتُمْ أَنَّ الشَّوْءَ عَطَّ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُؤَرَّخِينَ﴾ ”بلکہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ رسول اور مؤمنین اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ تمہارے دلوں میں خوش نما بنا دیا گیا اور تم نے بہت ہی برا گمان کیا تھا اور تم برباد ہونے والے لوگ تھے۔“ (الحج: 12)

(3) ﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُّ بِهِ رَبِّبِ الْمُتُونِ﴾ ”کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے۔ جس پر ہم گردشِ زمانہ کا انتظار کرتے ہیں۔“ (الطور: 30)

(4) ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ الْمُوتَىٰ بَلَّ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِكُمْ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ

قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ”اور اگر وقتاً قرآن ایسا ہوتا جس کے ساتھ پہاڑ چلا دیئے جاتے یا جس کے ساتھ زمین ٹکڑے کر دی جاتی یا اس کے ساتھ مردوں سے کلام کیا جاتا۔ بلکہ سارے کا سارا کام اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے تو کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب انسانوں کو ہدایت دے دیتا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کا ہمیشہ یہی حال رہے گا کہ ان کے اعمال کی وجہ سے ان پر کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ آجائے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“ (الرعد: 31)

(5) یعنی آپ مشرکوں سے کہہ دیں کہ اگر مجھے نقصان پہنچے یا میرے ساتھیوں کو یا اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمادے تو ہماری بربادی یا خوشی سے تمہیں کیا ملے گا؟ اپنی فکر کر لو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کون چھڑائے گا؟

(6) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی توجہ ہے، شرک سے توجہ کر لو اور عذاب سے بچنے کے لیے اس کا دین اختیار کر لو کہ عذاب سے بچ جاؤ۔

﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسْتَعْلِمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

”کہہ دو کہ وہ وسیع رحمت والا ہے، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، تو جلد ہی تم جان لو گے کہ

کھلی گمراہی میں کون پڑا ہوا ہے؟“ (29)

سوال: ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۖ فَسْتَعْلِمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”کہہ دو کہ وہ وسیع رحمت والا ہے، اسی پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے، تو جلد ہی تم جان لو گے کہ کھلی گمراہی میں کون پڑا ہوا ہے؟“ مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور توکل ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ﴾ ”کہہ دو کہ وہ وسیع رحمت والا ہے، اسی پر ہم ایمان لائے“ اللہ رب العزت نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ آپ اپنے اور ایمان لانے والوں کے حال کے بارے میں آگاہ کر دیں کہ ہمارا ایمان رب العالمین پر ہے جو ہم پر مہربان ہے۔

(2) ﴿وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ”اور اسی پر ہم نے بھروسہ کیا ہے“ یعنی ہم اس پر بھروسہ کرتے ہیں، ہمارا اعتماد اسی ذات پر ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخْفَوْنَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۖ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانْتُكِمُمْ عَلَيْهِمْ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مَوْمِنِينَ﴾ ”ان لوگوں میں سے دو آدمیوں نے کہا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا تھا“ ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ پھر جب تم اس سے داخل ہو جاؤ گے تو یقیناً تم ہی غالب ہونے والے ہو اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو۔“ (المائدہ: 23)

(3) ﴿وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۗ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا

تَعْبَلُونَ ﴿﴾ ”اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب اُس سے بے خبر نہیں جو تم عمل کرتے ہو۔“ (ہور: 123)

(4) ﴿فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”تو جلد ہی تم جان لو گے کہ کھلی گمراہی میں کون پڑا ہوا ہے؟“ یعنی یہ بات تو یقینی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی پیروی کرنے والے فلاح پائیں گے۔ تم جلد ہی جان جاؤ گے کہ دنیا اور آخرت میں کس کا انجام اچھا ہوتا ہے۔ (5) ان کے پاس ایمان ہے نہ توکل اس سے معلوم ہو گیا کہ کون ہدایت پر ہے اور کون کھلی گمراہی میں ہے۔

﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ﴾

”کہہ دو کہ کیا تم نے دیکھا اگر تمہارا پانی گہرا چلا جائے تو کون ہے جو تمہیں بہتا ہوا پانی لادے گا؟“ (30)

سوال: ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ﴾ ”کہہ دو کہ کیا تم نے دیکھا اگر تمہارا پانی گہرا چلا جائے تو کون ہے جو تمہیں بہتا ہوا پانی لادے گا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا﴾ ”کہہ دو کہ کیا تم نے دیکھا اگر تمہارا پانی گہرا چلا جائے۔“ لغوی لحاظ سے غور یا غار کا معنی نشینی زمین کی طرف نیچے اور غار بمعنی کھوہ، معروف لفظ ہے اور غور بمعنی نشیبی زمین بھی اور زیر زمین گہرائی بھی۔ گویا اس میں گہرائی کے ساتھ مکان کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/498)

(2) رب العزت نے اپنے رسول سے کہا کہ آپ مشرکوں سے کہہ دو کہ اگر تمہارا پانی زمین میں گہرا تر جائے۔

(3) ﴿فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ﴾ ”تو کون ہے جو تمہیں بہتا ہوا پانی لادے گا؟“ یعنی وہ پانی جو تم پیتے ہو جس سے کھیت سیراب کرتے ہو یہ بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا پانی لے جائے تو تمہیں کون پانی کی نعمت دے گا۔

(4) معین کا ایک معنی پانی کا سطح زمین پر نرم رفتار سے بہنا ہے۔ یعنی سیلاب کی طرح تندہی اور تیزی سے نہیں بلکہ نرمی اور سہولت سے جاری ہونے والا پانی۔ یعنی جب زمینی گہرائی سے پانی کنوؤں، نلکوں یا مشینوں سے نکالا جاتا ہے اور آبپاشی کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس پانی کی رفتار سیلاب کی طرح تند و تیز نہیں ہوتی بلکہ نرم اور دھیمی ہوتی ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/498)

(5) یعنی یہ پانی جس پر حیوانی اور نباتاتی زندگی موقوف ہے۔ اگر اللہ کے حکم سے گہرا ہو جائے اور تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ لیکن پانی نہ نکلے تو ہے کوئی جو تمہیں یہ ایلنے والا، جاری، صاف اور میٹھا پانی دے سکے۔ یہ قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے کہ تمہیں تمہاری ضروریات کے لیے صاف شفاف اور میٹھا پانی مہیا فرماتا ہے۔ اس نے اپنی مہربانی سے زمین سے تمہارے لیے پانی جاری کر دیا اور حسب ضرورت مختلف علاقوں میں پھیلا یا۔

(6) روایات میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص یہ آیت پڑھے تو اسے یوں کہنا چاہیے۔ ﴿اللَّهُ يَا تَبْرَكَ يَا تَبْرَكَ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّ الْعَالَمِينَ﴾
(تیسرا القرآن: 4/498)

﴿اباها ۵۲﴾ ﴿سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ ۲﴾ ﴿مَرْكُوعَاتُهَا ۲﴾

سوال 1: یہ سورت کب اور کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت ہے اس میں دو رکوع اور 52 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 168 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے یہ دوسری سورت ہے۔

رکوع نمبر 3

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾

﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾

”ن۔ قلم کی قسم اور اُس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں!“ (1)

سوال: ﴿ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ ”ن۔ قلم کی قسم اور اُس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ن﴾ حروف مقطعات میں سے ہے جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔

(2) ﴿وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ﴾ ”قلم کی قسم اور اُس کی قسم جو وہ لکھتے ہیں!“ رب العزت نے قلم کی قسم کھائی ہے۔

(3) یہ اسم جنس ہے جو ان تمام اقلام کو شامل ہے جن کے ذریعے سے مختلف علوم کو لکھا جاتا ہے اور جن کے ذریعے منشور اور منظوم کلام کو احاطہ تحریر میں لایا جاتا ہے اور یہ اس حقیقت پر قسم ہے کہ قلم اور جو اس کے ذریعے سے مختلف انواع کا کلام لکھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ (تیسری صدی: 3/2816)

(4) سیدنا عباده بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سب سے پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی، وہ قلم ہے اور پھر اسے حکم دیا کہ لکھ! تو اس نے ہر وہ چیز لکھ دی جو (ازل سے) ابد تک ہونے والی ہے۔“ (ترمذی: 3319)

(5) اس حدیث کے مطابق لکھنے والی قلم خود ہی ہے۔ یا ممکن ہے کہ اس قلم سے لکھنے والے اللہ کے فرشتے ہوں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ قلم اور ان فرشتوں کی قسم جو لوح محفوظ سے قرآن نقل کرتے ہیں۔ تیسرا مطلب یہ ہے جو نزول قرآن کے بعد ان صحابہ کرام کی قسم جو قرآن کی

وحی کو قلم سے لکھتے ہیں اور چوتھا مطلب یہ ہے کہ ان مورخین کی قسم جو قلم کے ساتھ بڑے بڑے مصلیحین کی داستان حیات تاریخ کے اوراق میں ثبت کرتے ہیں۔ (تیسرا قرآن: 4/499)

﴿مَا أَنْتَ بِدِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾

”آپ اپنے رب کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہیں“ (2)

سوال: ﴿مَا أَنْتَ بِدِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ ”آپ اپنے رب کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہیں“ رب العزت نے نبی ﷺ کی جنون سے کیسے برأت کی، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا أَنْتَ بِدِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ﴾ ”آپ اپنے رب کے فضل سے ہرگز دیوانے نہیں ہیں“ یہ جواب قسم ہے یعنی اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ ﷺ دیوانے نہیں ہو۔

(2) مشرکوں کے قول کو رب العزت نے قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔ ﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو یقیناً دیوانہ ہے۔“ (الحجر: 6)

(3) رب العزت نے سورہ الطور میں بھی جنون سے آپ ﷺ کی برأت فرمائی ہے فرمایا: ﴿فَلْيَدْرِكْ بِمَا أَنْتَ بِدِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ﴾ ”پس آپ نصیحت کریں کہ اپنے رب کے فضل سے آپ ہرگز نہ کاہن ہیں اور نہ ہی دیوانے ہیں۔“ (الطور: 29)

(4) ﴿أَلَيْ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّوْا عُنُقَهُ وَقَالُوا أَمْ عَلَّمَهُ الْجِنُّونَ ﴿١٤﴾﴾ ”ان کے لیے نصیحت کہاں؟ حالانکہ بلاشبہ ان کے پاس وضاحت سے بیان کرنے والا رسول آچکا ہے۔ پھر بھی انہوں نے اُس سے منہ موڑا اور کہا: ”سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔“ (الدخان: 13، 14)

(5) رب کی نعمت سے مراد نبوت ہے جو کہ آپ ﷺ کو عطا کی گئی یعنی آپ ﷺ رب کی رحمت اور نعمت سے مجنون نہیں ہو۔

(6) قلم اور جو اس سے لکھا جاتا ہے اس امر کی مستحق ہے کہ محمد ﷺ کی ان عیوب کے بارے میں برأت پر اس کی قسم کھائی جائے جو آپ ﷺ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں، یعنی جنون وغیرہ۔ پس آپ ﷺ کے رب کی نعمت اور احسان سے ان عیوب کی آپ ﷺ سے نفی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عقل کامل، عمدہ رائے اور فصاحت و بلاغت سے لبریز کلام فیصل سے سرفراز فرمایا ہے جو بہترین کلام ہے جسے قلم لکھتے ہیں اور مخلوقات اسے قلم بند کرتی ہیں اور دنیا کے اندر یہی سعادت ہے۔ (تیسری سہی: 3/2816، 2817)

﴿وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ﴾

”اور آپ کے لئے یقیناً ایسا اجر ہے جو منقطع ہونے والا نہیں ہے“ (3)

سوال: ﴿وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَعْنُونٍ﴾ اور آپ کے لئے یقیناً ایسا اجر ہے جو منقطع ہونے والا نہیں ہے، عظیم اجر آپ ﷺ کی عقلی صحت کی دلیل ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَعْنُونٍ﴾ اور آپ کے لئے یقیناً ایسا اجر ہے جو منقطع ہونے والا نہیں ہے، اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کی اخروی سعادت کا ذکر فرمایا کہ آپ ﷺ کو زبردست اور ختم نہ ہونے والا اجر ملے والا ہے جب کہ دیوانے کے افعال پر نہ عذاب ہے نہ ثواب۔

(2) آپ ﷺ کے اجر کا سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تھے اور ان کی دی گئی اذیتوں پر صبر کرتے تھے۔
 (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرٌ مَجْذُودٍ﴾ اور جن کو نیک بخت قرار دیا جائے گا وہ جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں جب تک زمین و آسمان قائم ہیں مگر جو آپ کا رب چاہے ایسا عطیہ جو کبھی قطع کیا جانے والا نہیں۔“ (ص: 108)

(4) آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ، اعمال صالحہ اور بھلائی کی طرف راہ نمائی کی وجہ سے آپ ﷺ کا اجر ہمیشہ رہنے والا ہے۔

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾

”اور بلاشبہ آپ یقیناً عظیم اخلاق پر ہیں“ (4)

سوال: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ اور بلاشبہ آپ یقیناً عظیم اخلاق پر ہیں“ نبی ﷺ اخلاق عظیم رکھنے والے معلم اخلاق تھے۔ آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ اور بلاشبہ آپ یقیناً عظیم اخلاق پر ہیں“ نبی ﷺ مکارم اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز تھے۔ آپ ﷺ معلم اخلاق بھی تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاق کا سرچشمہ قرآن ہے۔

(2) ایک صحابی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا: کیا آپ قرآن نہیں پڑھتے؟ انھوں نے عرض کی، کیوں نہیں؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا اخلاق وہی تھا جس کا قرآن میں حکم ہے۔ (مسلم 1739)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فِي مَا رَحِمْتَهُمْ مِنَ اللَّهِ لَدِيتْ لَهُمْ ۗ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۗ فَاعْفُ عَنْهُمْ ۚ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۚ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ ”پس اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ہی کی وجہ سے آپ ان کے لیے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ بدخلق اور سخت دل ہوتے تو یقیناً وہ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ انہیں معاف کر دیں اور ان کے لئے بخشش مانگیں اور معاملات میں ان سے مشورہ کریں، پھر جب آپ پختہ ارادہ

کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“ (آل عمران: 159)

(4) ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾
”بلاشبہ تمہارے پاس یقیناً تم ہی میں سے ایک عظیم رسول آیا ہے اُس پر گراں ہے جو تم مشقت میں پڑو، تم پر بہت حرص رکھنے والا ہے، مومنوں پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ (الہوب: 128)

(5) کتنا صحیح مصداق ہیں یہ آیات کریمہ جو آپ کے مکارم اخلاق سے متصف ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور وہ آیات کریمہ جو ہر قسم کے خلق جمیل کی ترغیب دیتی ہیں۔ وہ ان اوصاف میں کامل ترین اور جلیل ترین مقام پر فائز تھے اور ان خصائل میں سے ہر خصلت کی بلند جوئی پر تھے۔ آپ بہت ہی نرم برتاؤ کرنے والے اور نرم خوتھے، لوگوں کے بہت قریب تھے، جو کوئی آپ کو دعوت دیتا آپ اس کی دعوت قبول کرتے تھے، جو کوئی آپ سے کسی حاجت کا طلب گار ہوتا آپ اس کی حاجت پوری کرتے تھے بلکہ آپ اس کی دل جوئی کرتے تھے۔ اگر آپ کے اصحاب کو آپ سے کام ہوتا، آپ اس کام پر ان کی موافقت کرتے اور اس بارے میں ان کی بات ماننے بشرطیکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہ ہو جس سے بچنے کے لیے کہا گیا ہو۔ اگر کسی امر کا عزم فرماتے تو ان کو نظر انداز کر کے ان پر اپنی رائے نہیں تھوپتے تھے بلکہ ان کے ساتھ مشاورت کر کے ان کی رائے لیتے تھے، ان کے اچھے کام کو قبول کر لیتے اور برائی کرنے والے سے درگزر کرتے تھے، کسی ہم نشین کے ساتھ معاشرت کرتے تو کامل ترین اور بہترین طریقے سے معاشرت کرتے، آپ کبھی اپنی پیشانی پر بل ڈالتے نہ آپ کبھی کوئی سخت بات کہتے، نہ آپ اس سے منہ موڑتے، نہ آپ اس کی زبان کی لغزش پر گرفت کرتے اور نہ اس کی طرف سے کسی سخت رویے پر مواخذہ فرماتے بلکہ اس کے ساتھ انتہائی حسن سلوک سے پیش آتے اور اسے انتہائی حد تک برداشت کرتے۔ (تفسیر سہی: 3/2818، 2817)

(6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ہمراہ جا رہا تھا اور آپ ﷺ کے جسم پر (اس وقت) ایک موٹے حاشیہ کی نجرانی چادر تھی تو ایک اعرابی نے آپ ﷺ کو پکڑ لیا اور زور سے آپ ﷺ کو دبایا، یہاں تک کہ میں نے نبی ﷺ کی گردن مبارک کے ظاہری حصے پر دیکھا کہ بوجہ اس کے زور سے دبانے کے، چادر کے حاشیہ کا نشان پڑ گیا تھا۔ اس کے بعد اس اعرابی نے کہا کہ مجھے بھی اللہ کے اس مال میں سے جو آپ ﷺ کے پاس ہے دلوادیتے تو آپ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرائے اس کے بعد اسے کچھ دے دینے کا حکم فرما دیا۔ (بخاری: 6088)

(7) سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس حال میں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے اور آپ ﷺ کے ہمراہ اور وہ لوگ بھی تھے جو حنین سے واپس آرہے تھے، اعرابی لوگ رسول اللہ ﷺ سے مانگنے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو دکھیل کر ایک ببول کے درخت کے نیچے لے گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر اس میں انک کر رہ گئی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ”میری چادر مجھے دے دو۔ اگر میرے پاس ان درختوں کے برابر اونٹ ہوں تو میں ان (اونٹوں) کو تمہارے درمیان تقسیم کر دوں اور تم مجھے بخیل، جھوٹ

بولنے والا اور تھوڑے دل والا ہرگز نہ پاؤ گے۔“ (بخاری: 2821)

(8) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے یہاں آئے اور کہا ”السام علیکم“ (تم پر موت آئے) اس پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تم پر بھی موت آئے اور اللہ کی تم پر لعنت ہو اور اس کا غضب تم پر نازل ہو۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا: (ٹھہرو) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا! تمہیں نرم خوئی اختیار کرنی چاہیے سختی اور بدزبانی سے بچنا چاہیے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ان کی بات نہیں سنی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”تم نے انہیں میرا جواب نہیں سنائیں نے ان کی بات انہی پر لوٹادی اور ان کے حق میں میری بددعا قبول ہو جائے گی۔ لیکن میرے حق میں ان کی بددعا قبول ہی نہ ہوگی۔“ (بخاری: 6030)

(9) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا، اے اللہ کے رسول! مشرکین کے لیے بددعا کیجئے! آپ نے فرمایا: میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“ (مسلم: 6613)

(10) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی، آپ نے کبھی مجھ سے اف بھی نہیں کہا اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ (یہ) کیوں کیا اور نہ کبھی یہ پوچھا کہ (یہ) کیوں نہیں کیا؟ (بخاری: 6038)

(11) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی کوثر میں داخل کر دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ اس کی قبر پر تشریف لائے، آپ ﷺ کے حکم سے اس کو باہر نکالا گیا اور آپ ﷺ کے گھٹنوں پر رکھ دیا گیا، چنانچہ آپ نے اس پر دم کرتے ہوئے اسے اپنی قمیض پہنائی اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جاننے والا ہے۔ (بخاری: 5795)

(12) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی سے اس کی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، البتہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمت میں سے کسی چیز کی بے حرمتی کی جاتی تھی تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے بدلہ لیتے تھے۔ (بخاری: 6853)

(13) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ بیوی کو اور نہ خادم کو مگر ہاں! آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا کرتے تھے۔ (مسلم: 6050)

(14) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو محبوب کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”کہہ دو کہ میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں اور نہ میں بناوٹی باتیں کرنے والوں میں سے ہوں۔“ پھر جب آپ نے دیکھا کہ قریش عناد سے باز نہیں آتے تو آپ نے ان کے لئے بددعا کی کہ ”اے اللہ! ان کے خلاف میری مدد ایسے قحط سے کر جیسا سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں پڑا تھا۔“ قحط پڑا اور ہر چیز ختم ہو گئی۔ لوگ ہڈیاں اور چمڑے کھانے پر مجبور ہو گئے۔ (سلیمان اور منصور) راویان حدیث میں سے ایک نے بیان کیا کہ ”وہ چمڑے اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے“ اور زمیں سے دھواں سا نکلنے لگا۔ آخر ابوسفیان آئے اور کہا کہ اے محمد ﷺ! آپ کی قوم ہلاک ہو چکی، اللہ سے دعا کیجئے کہ ان سے قحط کو دور کر دے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی اور قحط ختم ہو گیا۔ (بخاری: 4824)

(15) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(اے لوگو!) کیا تمہیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح قریش کی گالیوں اور ان کی لعن طعن کو مجھ سے پھیر دیتا ہے؟ وہ کسی مذم (مذمت کیے ہوئے شخص) کو گالی دیتے ہیں اور مذم پر لعنت بھیجتے ہیں، جبکہ میں تو محمد ہوں۔ (بخاری: 3533)

(16) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ بد زبان تھے اور نہ بد کلام، نہ بازاروں میں شور کرنے والے تھے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے تھے، بلکہ آپ معاف کر دیتے تھے اور درگزر فرمایا کرتے تھے۔ (ترمذی: 2016)

﴿فَسْتَبْصِرْ وَيُبْصِرُونَ﴾

”چنانچہ جلد ہی آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے“ (5)

سوال: ﴿فَسْتَبْصِرْ وَيُبْصِرُونَ﴾ ”چنانچہ جلد ہی آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسْتَبْصِرْ﴾ ”چنانچہ جلد ہی آپ بھی دیکھیں گے“ یعنی اے محمد ﷺ عنقریب آپ بھی دیکھ لیں گے۔

(2) ﴿وَيُبْصِرُونَ﴾ ”اور وہ بھی دیکھیں گے“ اور وہ کافر بھی دیکھ لیں گے کہ کون دیوانہ ہے۔ جب حق واضح ہو جائے گا اور پردہ اٹھ جائے گا اور وہ قیامت کا دن ہوگا۔ (خ: اللہ ر: 327/5) (3) رب العزت نے فرمایا: ﴿سَيَعْلَمُونَ عَذَابَ الْكَذَّابِ الْأَوَّامِرِ﴾ ”جلد ہی کل وہ جان لیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے؟“ (قر: 26)

﴿بِآيَاتِكُمُ الْمَفْتُونُونَ﴾

”کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا ہوا ہے؟“ (6)

سوال: ﴿بِآيَاتِكُمُ الْمَفْتُونُونَ﴾ ”کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا ہوا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بِآيَاتِكُمُ الْمَفْتُونُونَ﴾ ”کہ تم میں سے کون فتنے میں ڈالا ہوا ہے؟“ یعنی قیامت کے دن یہ معلوم ہو جائے گا کہ کون دیوانہ اور گمراہ تھا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ مَنْ يَزُرُّكُمْ مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ أَيْنَاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”آپ کہہ دیں کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ اور بیشک ہم یا تم میں سے ایک ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں ہیں۔“ (سہا: 24)

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾

”بلاشبہ تمہارا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اس کو جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو

بھی زیادہ جاننے والا ہے“ (7)

سوال: ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ”بلاشبہ تمہارا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اس کو جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی زیادہ جاننے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”بلاشبہ تمہارا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اس کو جو اُس کے راستے سے بھٹک گیا“ ضلال سے مراد دین اور عقیدے کے بارے میں گمراہ۔ (تیسرے: 51/15)

(2) یعنی تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون حق کے راستے سے ہٹا ہوا ہے جس کا تیرے رب نے حکم دیا ہے۔ (تیسرے: 254/16)

(3) ﴿وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ ”اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی زیادہ جاننے والا ہے“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ کون حق کی پیروی کرتا ہے اور اس کے راستے پر چلتا ہے۔ عنقریب وہ دونوں فریقوں کو جزا دے گا۔ (تیسرے: 254/16)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَى﴾ ”یہ اُن کے علم کی حد ہے، بلاشبہ آپ کا رب ہی خوب جانتا ہے کہ اُس کے راستے سے کون بھٹک گیا ہے اور وہی خوب جانتا ہے کہ راہِ راست پر کون ہے؟“ (انجم: 30)

(5) ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأَىٰ أَعْيُنُنَا وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فِرْقَانًا لَّيُضِلِّ اللَّهُ فِرْقَانًا لَّا يَهْدِي اللَّهُ فِرْقَانًا﴾ ”یقیناً جس نے آپ پر قرآن کو فرض کیا ہے وہ آپ کو ایک اچھے انجام تک ضرور واپس لانے والا ہے آپ کہہ دیں کہ میرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے کہ کون ہدایت لے کر آیا ہے اور کون واضح گمراہی میں ہے؟“ (انعام: 85)

(6) اس میں ہدایت پانے والے لوگوں کے لیے وعدہ اور گمراہوں کے لیے وعید ہے۔

(7) اللہ تعالیٰ ہدایت اسی کو دیتا ہے جو ہدایت کے قابل ہو اور باقیوں کو گمراہ کر دیتا ہے۔

﴿فَلَا تُطِيعُ الْمُكذِّبِينَ﴾

”چنانچہ آپ جھٹلانے والوں کا کہانہ مانیں“ (8)

سوال: ﴿فَلَا تُطِيعُ الْمُكذِّبِينَ﴾ ”چنانچہ آپ جھٹلانے والوں کا کہانہ مانیں“ رب العزت نے جھوٹوں کی پیروی سے روکا ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا تُطِيعُ الْمُكذِّبِينَ﴾ ”چنانچہ آپ جھٹلانے والوں کا کہانہ مانیں“ ﴿الْمُكذِّبِينَ﴾ جھوٹے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی آیات کو جھٹلاتے ہیں۔ (جامع البیان: 23/29)

(2) ”مکذبین“ سے مراد قریش ہیں جنہوں نے کسی وقت نبی ﷺ سے کہا تھا اگر آپ ﷺ ہمارے معبودوں کی عبادت کرو گے اور ان کی تعظیم کرو گے تو ہم آپ ﷺ کے معبود کی عبادت کریں گے اور اس کی تعظیم کریں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ان جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔ (3) ان جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا کیونکہ وہ اس چیز کا حکم دیتے ہیں جو ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے۔ (4) کفار نے آپ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ اگر آپ ﷺ ان کے دین کے بارے میں خاموش ہو جائیں تو وہ بھی آپ ﷺ کے دین کے بارے میں خاموش رہیں گے۔ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ سے فرمایا: ان جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرنا۔

﴿وَكُفُّوا أَلْوَتُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾

”وہ چاہتے ہیں کاش آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں“ (9)

سوال: ﴿وَكُفُّوا أَلْوَتُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ ”وہ چاہتے ہیں کاش آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں“ مشرک موقع پرست ہیں چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی گل کھلائیں۔ رب العزت نے کیسے ان کی ذہنیت کی عکاسی کی ہے؟
جواب: (1) ﴿وَكُفُّوا﴾ ”وہ چاہتے ہیں“ یعنی اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلانے والے مشرکین یہ کہتے ہیں۔ ﴿لَوْ تَدْرِي﴾ ”کاش آپ نرمی اختیار کریں“ یعنی آپ ﷺ اپنے قول یا فعل سے ان کے موقف کی حمایت کریں۔

(2) ﴿فَيُدْهِنُونَ﴾ ”تو وہ بھی نرم پڑ جائیں“ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا انکار کر دو تو وہ بھی کفر کریں۔ (جامع البیان: 23/29)

(3) مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اگر آپ ﷺ ان کے معبودوں کی طرف جھک جائیں تو وہ بھی حق کے بارے میں آپ ﷺ کو چھوڑ دیں گے۔ جس کے بارے میں ابھی وہ آپ ﷺ سے سوال کرتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا أَنْ تَبْتَئِنَّا لَقَدْ كِدْنَا تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ (4) اِذَا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ ”اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ یقیناً قریب تھا کہ آپ بھی ان کی جانب تھوڑا سا جھک ہی جاتے۔ تب ہم آپ کو زندگی اور موت کے دو گئے عذاب کا مزہ چکھاتے، پھر آپ ہمارے خلاف اپنا کوئی مددگار بھی نہ پاتے۔“ (نبی اسرائیل: 74، 75) (4) نبی ﷺ نے کھلم کھلا حق کو بیان کیا۔

﴿وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلْفٍ مَّهِينٍ﴾

”اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل ہے“ (10)

سوال: ﴿وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلْفٍ مَّهِينٍ﴾ ”اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا تُطْعُ كُلَّ حَلْفٍ مَّهِينٍ﴾ ”اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا، ذلیل ہے“ رب العزت

نے کافروں کی اطاعت سے روکنے کے بعد ان افراد کی اطاعت سے بھی روکا ہے جو شریر ہیں، جن میں کوئی خیر نہیں جیسے ولید بن مغیرہ۔
(ابیرالتھیر: 1663)

(2) ﴿وَلَا تُطْعَمُ كُلُّ خَلَافٍ﴾ ”اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت ماننا جو بہت قسمیں کھانے والا“ ﴿خَلَافٍ﴾ جو باطل پر بہت قسمیں کھانے والا ہو۔ (3) ﴿مَهِينٍ﴾ ”ذلیل ہے“ یعنی حقیر۔

(4) کیونکہ اتنی زیادہ قسمیں کھانے والا جھوٹا ہی ہو سکتا ہے، اور آدمی جھوٹا نہیں ہو سکتا جب تک وہ، خمیس انفس اور نادانی سے تہی دست نہ ہو اور اسے بھلائی میں کوئی رغبت نہ ہو بلکہ اس کا ارادہ اس کے خمیس نفس کی شہوات پر مرکب ہو۔ (تیسرہ صدی: 2819/3)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاِيْمَانِكُمْ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔“ (البقرہ: 224)

(6) جو انسان بات بات پر قسم کھاتا ہے۔ یا اسے قسمیں اٹھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی کسی بات پر نہ خود اعتماد ہوتا ہے اور نہ دوسروں کو اعتماد ہوتا ہے۔ (تیسرا قرآن: 501/4)

﴿هَمَّازٌ مَّشَاءٌ بِنَيْبٍ﴾

”بہت طعنے دینے والا، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے“ (11)

سوال: ﴿هَمَّازٌ مَّشَاءٌ بِنَيْبٍ﴾ ”بہت طعنے دینے والا، چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَمَّازٌ﴾ ”بہت طعنے دینے والا“ یعنی غیبت کرنے والا، عیب لگانے والا، طعنہ دینے والا۔

(2) جو لوگوں کا نفرت سے ذکر کرتا ہے۔

(3) ایسا شخص کہ جب لوگوں کا اچھا تذکرہ کیا جا رہا ہو تو وہ ان کی عزتوں پر ہاتھ ڈالتا ہے۔

(4) ﴿هَمَّازٌ مَّشَاءٌ بِنَيْبٍ﴾ ”چغلی میں بہت دوڑ دھوپ کرنے والا ہے“ ادھر کی ادھر لگانے والا یعنی لوگوں کے درمیان چغلی خوری کرتا پھرتا ہے۔ چغلی خوری یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان فساد ڈالنے اور عداوت اور بغض پیدا کرنے کی غرض سے ایک کی بات دوسرے تک پہنچائی جائے۔ (تیسرہ صدی: 2819/3)

(5) سیدنا حدیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”چغلی خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔“ (بخاری: 6056)

(6) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے کسی باغ کے پاس سے گزرے تو دو آدمیوں کی آواز سنی جنہیں ان کی قبروں میں عذاب کیا جا رہا تھا۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: ”ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے اور (بظاہر) کسی بڑی بات پر عذاب نہیں کیا جا رہا۔“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں (بات یہ ہے کہ) ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب (کے چھینٹوں) سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھایا کرتا تھا۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کی قبر پر ایک ایک ٹکڑا

رکھ دیا، تو آپ ﷺ سے عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ نے کیوں کیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”امید ہے کہ جب تک یہ خشک نہ ہو جائیں، ان دونوں پر عذاب کم رہے گا۔“ (بخاری: 216)

(7) سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا میں تمہیں تمہارے بہترین افراد کی نشان دہی نہ کروں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں دیکھا جائے تو اللہ یاد آجائے۔ کیا میں تمہیں تمہارے بدترین افراد کے بارے میں خبر نہ دوں؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی، کیوں نہیں! (ضرور دیں) آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے بدترین افراد وہ ہیں جو دوستوں میں فساد ڈالوانے والے ہوں، چغتل خور ہوں اور پاک دامن لوگوں پر تہمت لگانے والے ہوں۔“ (مسند احمد: 27670)

﴿مَنْعًا لِلْغَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمًا﴾

”بھلائی سے بہت روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گناہ گار ہے“ (12)

سوال: ﴿مَنْعًا لِلْغَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمًا﴾ ”بھلائی سے بہت روکنے والا، حد سے بڑھنے والا، سخت گناہ گار ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَنْعًا لِلْغَيْرِ﴾ ”بھلائی سے بہت روکنے والا“ یعنی جو شدید بخل کی وجہ سے مال روکتا ہے۔ (ایسر القامیر: 1663)

(2) بھلائی، یعنی نفقات واجبہ، کفارہ اور زکوٰۃ وغیرہ، جس کا قیام اس پر لازم تھا، سے منع کرنے والا ہے۔ (تفسیر سہی: 2819/3)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی سونے اور چاندی کا مالک اس میں سے اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرے گا، تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے تختے بنائے جائیں گے، پھر دوزخ کی آگ سے انہیں خوب گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو دوبارہ گرم کر لیے جائیں گے (اور پھر داغ دیا جائے گا) اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، مسلسل یہ کام ہوتا رہے گا، بالآخر جب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا تو اسے یا تو جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا دوزخ کا۔“ (مسلم: 2290)

(4) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے گزرے: ”خوشخبری دے دو مال جمع کرنے والوں کو ایسے داغوں کی جوان کی پشت پر لگائے جائیں گے تو ان کی پیشانیوں سے نکل آئیں گے۔“ (مسلم: 2307)

(5) ﴿مُعْتَدٍ﴾ ”حد سے بڑھنے والا“ معتدوہ ہے جو اشیاء کی حدود سے تجاوز کرتا ہے۔ (المحرر الراوی: 347/5)

(6) مخلوق پر زیادتی کرنے والا، لوگوں کی جان و مال اور ان کی ناموس پر ظلم کرنے والا۔ (تفسیر سہی: 2819/3)

(7) ﴿أَثِيمًا﴾ ”سخت گناہ گار ہے“ جو جرائم اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہو۔

(8) جو لوگوں کو ان کی جانوں اور مالوں کے معاملے میں اذیت پہنچانے والا ہو۔

(9) جو اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق بہت زیادہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا ہو۔ (تفسیر سہی: 2819/3)

(10) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقَيْنَهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ﴾ (۱۱) قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطَّغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مَبْعُودٍ (۱۲) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدُنِّي وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيدِ (۱۳) مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدُنِّي وَمَا أَتَا بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ (۱۴) يَوْمَ نَقُولُ لِحَثَمَةٍ هَلْ أَمْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَّزِيدٍ (۱۵) وَأَزْلَفْتِ الْجَنَّةَ لِلْمُتَّقِينَ غَيْرَ بَعِيدٍ (۱۶) هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيظٍ (۱۷) مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ الْعَلِيمَ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيبٍ ﴿جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود بنایا، سو تم دونوں اُسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اُس کا ساتھی کہے گا: ”اے ہمارے رب! میں نے اُسے سرکش نہیں بنایا بلکہ خود ہی یہ دُرور کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔“ ارشاد ہوگا: ”میرے پاس جھگڑانہ کرو اور میں نے تمہاری جانب ڈرانے کا پیغام پہلے بھیجا تھا۔ نہ میرے پاس بات بدلی جاتی ہے اور میں اپنے بندوں پر ہرگز ظلم ڈھانے والا نہیں ہوں۔“ جس دن ہم جہنم سے کہیں گے: ”کیا تو بھر گئی؟“ اور وہ کہے گی: ”کیا کچھ مزید ہے؟“ اور جنت پر ہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی، کچھ دُور نہیں رہے گی۔ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، ہر اُس شخص کے لیے جو بہت رجوع کرنے والا، بڑی حفاظت کرنے والا ہو۔ جو بن دیکھے رحمان سے ڈر گیا اور رجوع کر نیوالا دل لایا۔“ (ن: 26، 33)

﴿عُتِّلَ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْجٌ﴾

”سخت مزاج، اکھڑے، پھر اس کے بعد بے نسب بھی ہے“ (13)

سوال: ﴿عُتِّلَ بَعْدَ ذَلِكَ زَيْجٌ﴾ ”سخت مزاج، اکھڑے، پھر اس کے بعد بے نسب بھی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عُتِّلَ﴾ ”سخت مزاج“ جو شر میں شدید ہو۔ (جامع البیان: 281/29)

(2) یعنی ورثتِ نحو، بدخلق اور سخت طبیعت رکھنے والا جو حق کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔ (تفسیر سہی: 2819/3)

(3) سیدنا حارثہ بن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ میں تمہیں بہشتی آدمی کے متعلق نہ بتا دوں؟ وہ دیکھنے میں کمزور نا تو اں ہوتا ہے۔ (لیکن اللہ کے یہاں اس کا مرتبہ یہ ہے کہ) اگر کسی بات پر اللہ کی قسم کھالے تو اللہ سے ضرور پوری کر دیتا ہے اور کیا میں تمہیں دوزخ والوں کے متعلق نہ بتا دوں؟ ہر بدخو، بھاری جسم والا اور تکبر کرنے والا۔ (بخاری: 4918)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مرتبہ کے لحاظ سے سب سے بدتر شخص وہ ہوگا، جس کی برائی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔“ (بخاری: 6032)

(5) ﴿بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمًا﴾ ”اُکھڑے، پھر اس کے بعد بے نسب بھی ہے“ یعنی مجہوم النسب جس کی کوئی اصل ہے نہ ایسا مادہ کہ جس سے کوئی بھلائی مَنج ہوتی ہے بلکہ اس کے اخلاق بدترین اخلاق ہیں۔ اس سے فلاح کی امید نہیں اور اس میں شرکی علامت ہے جس سے وہ پہچانا جاتا ہے۔ (تفسیر سہمی: 2819/3)

(6) اس پر آسمان روتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسودگی اور دینی عزت دی اور وہ لوگوں پر مظالم ڈھاتا ہو، یہی وہ سرکش بدنام ہے۔
(7) رب العزت نے ہر اس شخص کی اطاعت سے روکا ہے جو بہت زیادہ قسمیں کھائے، جھوٹا، بدخلق، خود پسند، تکبر، غیبتیں اور چغلیاں کرنے والا اور طعنے دے کر لوگوں سے حقارت کے ساتھ پیش آنے والا ہو۔

﴿أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ﴾

”یہ کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے“ (14)

سوال: ﴿أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ﴾ ”یہ کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ﴾ ”یہ کہ وہ مال والا اور بیٹوں والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اسے مال اور اولاد سے نوازا اور بیٹے دیے۔ اس نے نعمتوں کا حق ایسے ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا اور حق کے مقابلے میں تکبر کا رویہ اور حق کو پہلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیتے ہوئے ٹھکرا دیا۔

(2) سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی کھیتی ہیں اور نیک اعمال آخرت کی کھیتی ہیں۔ (تفسیر الماوردی: 66/6)
(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿كَذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا (۱۱) وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا لَمَمًّوْدًا (۱۲) وَبَنِينَ شُهُودًا (۱۳) وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا (۱۴) ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ (۱۵) كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (۱۶) سَأَرْهُقُهُ صُعُودًا (۱۷) إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ (۱۸) فَقَتِيلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۱۹) ثُمَّ قَتِيلَ كَيْفَ قَدَّرَ (۲۰) ثُمَّ نَظَرَ (۲۱) ثُمَّ عَبَسَ وَكَسَرَ (۲۲) ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ (۲۳) فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ (۲۴) إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (۲۵)﴾ ”چھوڑ دو مجھے اور اُس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ اور میں نے اُسے لمبا چوڑا مال دیا ہے۔ اور حاضر رہنے والے بیٹے دیے۔ اور میں نے اس کے لیے سامان تیار کیا، ہر طرح سامان تیار کرنا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں! یقیناً وہ ہماری آیات سے سخت دشمنی رکھنے والا ہے۔ جلد ہی میں اُسے دشوار گزار گھائی پر چڑھاؤں گا۔ اُس نے غور و فکر کیا اور بات بنائی۔ پس ہلاک ہو! اُس نے کیسی بات بنائی؟ وہ پھر ہلاک ہو! اُس نے کیسی بات بنائی؟ پھر اُس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور برامنے بنایا۔ پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر کہا: ”یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو پہلے نقل کیا جاتا ہے۔ یہ تو بس ایک انسان کا کلام ہے۔“ (المدثر: 11، 25)

﴿إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾

”جب ہماری آیات اُس پر پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں“ (15)

سوال: ﴿إِنَّا نَحْنُ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالِ اسَاطِيرُ الْأُولِينَ﴾ ”جب ہماری آیات اُس پر پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿إِنَّا نَحْنُ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالِ اسَاطِيرُ الْأُولِينَ﴾ ”جب ہماری آیات اُس پر پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے پہلوں کی کہانیاں ہیں“ یعنی سرکش اور تکبر انسان پر آیات کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ وہ یہی کہتا ہے کہ یہ تو اگلے لوگوں کے قصے اور مکاری کی باتیں ہیں۔

﴿سَنَسِئُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ﴾

”جلد ہی ہم اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے“ (16)

سوال: ﴿سَنَسِئُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ﴾ ”جلد ہی ہم اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے“ بد نصیب شخص کو دنیا اور آخرت کی ذلت ملے گی اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَنَسِئُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ﴾ ”جلد ہی ہم اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے“ یعنی اسے انتہائی ذلیل کریں گے، کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اس کی برائی کو نہ جانتا ہو۔ (2) رب العزت عذاب میں اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔

(3) ہر شخص بدنامی کی وجہ سے اسے پہچان لے گا جس طرح ناک پر داغ لگانے والے شخص کو لاکھوں میں سے بھی پہچان لیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن ان پر دوزخ کی مہر لگ جائے گی اور اس کا منہ کالا ہو جائے گا یعنی دنیا میں بھی ذلیل ہوگا، اس کی ناک کٹی ہوگی، اور آخرت میں بھی نشان زدہ مجرم ہوگا۔

﴿إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ﴾

”یقیناً ہم نے انہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب انہوں نے قسم کھائی

کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے“ (17)

سوال: ﴿إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ﴾ ”یقیناً ہم نے انہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی، جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ﴾ ”یقیناً ہم نے انہیں بھی ویسے ہی آزمائش میں ڈالا ہے جیسے ہم نے باغ والوں کی آزمائش کی تھی“ رب العزت نے فرمایا کہ ہم نے جھٹلانے والوں کو یعنی کفار قریش کو بھلائی کے ساتھ آزما یا یعنی انہیں نعمتیں دیں تاکہ وہ

شکرا داکریں لیکن انہوں نے شکرا داکریں کیا۔

(2) یعنی اے اہل قریش تمہاری مثال باغ والوں کی سی ہے۔ ہم نے انہیں ان کی خواہشات نفس کے مطابق مال و دولت اور لمبی عمر عطا کی۔ یہ سب کچھ استدرج کے طور پر عطا کیا اور وہ نعمتوں کی وجہ سے دھوکے میں مبتلا ہوئے۔ ان کی خود فریبی باغ والوں کی طرح تھی جو باغ کی ملکیت میں شریک تھے۔ جب درختوں کے پھل لگ گئے اور انہیں یقین تھا کہ باغ کی فصل ان کے ہاتھ میں ہے تو ان کے شرکاء نے قسمیں کھائیں کہ وہ فصل کاٹیں گے۔ انہیں یہ علم نہ تھا کہ عذاب ان سے آگے نکل کر باغ کو لے جائے گا۔ تمہاری مثال بھی باغ والوں کی طرح ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر مہربانی کی اور نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ یہ عظیم نعمت تھی جس کو تم خوشی سے قبول کر لیتے مگر تم نے ٹھکرایا اور جھٹلایا اور ناشکری کر کے عذاب کے مستحق بن گئے۔

(3) ﴿إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرُنَّهَا مُّصْبِحِينَ﴾ ”جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ صبح سویرے ہی اُس کا پھل ضرور توڑ لیں گے“ جب باغ والوں نے قسمیں کھائیں کہ راتوں رات اس کے پھل اتار لیں گے تاکہ کسی فقیر کو خبر نہ ہو اور اسے پھل دینے نہ پڑ جائیں اور صبح سالم پورے پھل قبضے میں آجائیں۔ باغ والے اپنے گناہوں کی وجہ سے پھلوں سے محروم ہو گئے۔

﴿وَلَا يَسْتَفْتُونَ﴾

”وہ استفتاء نہیں کر رہے تھے“ (18)

سوال: ﴿وَلَا يَسْتَفْتُونَ﴾ ”وہ استفتاء نہیں کر رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَسْتَفْتُونَ﴾ ”وہ استفتاء نہیں کر رہے تھے“ یعنی انہوں نے قسمیں کھائیں اور ان شاء اللہ نہ کہا تو ان کی قسمیں لوٹیں۔

(2) ان شاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہیں ہوتی، برکت اٹھ جاتی ہے اور انسان محروم ہونے والوں میں ہو جاتا ہے۔

﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَكَامُونَ﴾

”چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا حالانکہ وہ سو رہے تھے“ (19)

سوال: ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَكَامُونَ﴾ ”چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا

حالانکہ وہ سو رہے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ﴾ ”چنانچہ تیرے رب کی طرف سے ایک اچانک عذاب پھر گیا“ یعنی ایک آگ جو

رات کے وقت باغ پر نازل ہوئی اور اسے جلا دیا۔

(2) ﴿وَهُمْ نَكَامُونَ﴾ ”حالانکہ وہ سو رہے تھے“ یعنی وہ محو خواب تھے اور عذاب نے باغ کو برباد کر دیا۔

(3) حدیث میں ہے کہ گناہ سے بچو۔ بعض گناہ ایسے ہیں جن کی بدولت انسان اس رزق سے محروم ہو جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کیا گیا ہے پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا: یہ لوگ اپنے گناہ کی بدولت اپنے باغ کی پیداوار سے محروم ہو گئے۔ (شوکانی) (شرح المصابی: 1/674)

﴿فَأَصْبَحَتْ كَالضَّرِيحِ﴾

”تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا“ (20)

سوال: ﴿فَأَصْبَحَتْ كَالضَّرِيحِ﴾ ”تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَأَصْبَحَتْ كَالضَّرِيحِ﴾ ”تو وہ باغ صبح کو کٹی ہوئی فصل کی مانند ہو گیا“ یعنی باغ پر آسمانی عذاب اترتا تو وہ سیاہ رات کی طرح یا سیاہ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح خشک ہو کر رہ گیا۔ (2) انہیں اس مصیبت کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔

﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ﴾

”پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا“ (21)

سوال: ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ﴾ ”پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ﴾ ”پھر صبح ہوتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا“ جب صبح ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا کہ اگر پھل اتارنے کا ارادہ ہے تو منہ اندھیرے اتار لاؤ۔

﴿إِنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَزْرِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَارِمِينَ﴾

”یہ کہ صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو“ (22)

سوال: ﴿إِنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَزْرِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَارِمِينَ﴾ ”یہ کہ صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿إِنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَزْرِكُمْ إِن كُنْتُمْ صَارِمِينَ﴾ ”یہ کہ صبح اپنی کھیتی پر پہنچو، اگر تم پھل توڑنے والے ہو“ یعنی اگر تمہیں پھل چاہئیں تو صبح سویرے باغ کا ارادہ کر کے وہاں جا پہنچو۔

﴿فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ﴾

”چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے“ (23)

سوال: ﴿فَانطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ﴾ ”چنانچہ وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِنَّا نَطْلُقُوهَا﴾ ”چنانچہ وہ چل پڑے“ یعنی وہ باغ کا ارادہ کر کے چل پڑے۔

(2) ﴿وَهُمْ يَتَعَفَّوْنَ﴾ ”اور آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے تھے“ وہ چپکے چپکے باتیں کر رہے تھے کہ ان کی باتیں سنائی بھی نہیں دے رہی تھیں۔

(3) اور ان کی حالت یہ تھی کہ وہ آپس میں چپکے چپکے اللہ تعالیٰ کے حق سے ایک دوسرے کو روکتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾ ”کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے۔ (تفسیر سہی: 3/2821)

﴿أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾

”کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے“ (24)

سوال: ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾ ”کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿أَنْ لَا يَدْخُلَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَسْكِينٌ﴾ ”کہ آج کوئی مسکین تمہارے پاس (باغ میں) ہرگز داخل نہ ہونے پائے“ یعنی لوگوں کے نکلنے سے پہلے گھروں سے نکلوا اور ایک دوسرے کو فقراء اور مساکین کو محروم کرنے کے لیے تلقین کرتے جا رہے تھے۔

﴿وَعَدُوا عَلَىٰ حَرٍِّ قَادِرِينَ﴾

”اور صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے“ (25)

سوال: ﴿وَعَدُوا عَلَىٰ حَرٍِّ قَادِرِينَ﴾ ”اور صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَعَدُوا عَلَىٰ حَرٍِّ قَادِرِينَ﴾ ”اور صبح وہ نکلے (اس خیال میں) کہ وہ مسکین کو روکنے پر قادر تھے“ یعنی جس بات پر ان کا اتفاق تھا اور جس کو انہوں نے دل میں چھپایا اور جس کو سرگوشیوں میں ایک دوسرے تک پہنچایا وہ یہ گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حق کو روکنے پر قدرت رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ باغ پر بھی پوری طرح قادر ہیں۔

(2) وہ پوری قوت سے دوڑ کر باغ کی طرف گئے۔ وہ فقراء پر ناراض تھے اور انہیں یقین تھا کہ وہ پھل توڑ کر گھر لے آئیں گے۔

﴿فَلَمَّارًا وَهَاقَالُوا إِنَّا لَصَالُونَ﴾

”مگر جب انہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ”یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں“ (26)

سوال: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ﴾ ”مگر جب انہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ”یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوا إِنَّا لَضَالُّونَ﴾ ”مگر جب انہوں نے اس باغ کو دیکھا تو کہا: ”یقیناً ہم ضرور راستہ بھولے ہوئے ہیں“ جب انہوں نے باغ دیکھا تو سناٹے میں آگئے کہنے لگے کہیں اندھیرے میں راستہ تو نہیں بھول گئے، ہم کسی اور کے باغ میں تو نہیں آگئے؟ (2) انہوں نے کہا: یہ تو جلا ہوا باغ ہے اور ہمارا باغ تو ہرا بھرا تھا۔ جب انہوں نے غور کیا تو انہیں یقین آ گیا کہ انہیں کا باغ ہے۔

﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ﴾

”بلکہ ہم محروم ہیں“ (27)

سوال: ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ﴾ ”بلکہ ہم محروم ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ﴾ ”بلکہ ہم محروم ہیں“ باغ والے کہنے لگے کہ ہماری قسمت خراب ہے۔ ہم تو محروم رہ گئے، ہماری ساری محنت رائیگاں گئی، باغ تو ہمارا تھا مگر پھلوں میں ہمارا حصہ نہ تھا۔ (2) اس وقت وہ پہچان گئے کہ ہم باغ سے محروم ہو گئے ہیں۔

﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ﴾

”اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ”کیا میں تمہیں کہتا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ (28)

سوال: ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ﴾ ”اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ”کیا میں تمہیں کہتا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ﴾ ”اُن میں سے بہتر آدمی نے کہا: ”کیا میں تمہیں کہتا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟“ اُن میں سے بھلے آدمی نے کہا جو انصاف پسند تھا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتے؟ تم تمہیں کھا رہے تھے اور تم ان شاء اللہ نہیں کہہ رہے تھے۔

(2) اگر تم ان شاء اللہ کہتے تو تمہارے ساتھ وہ سلوک نہ ہوتا جو اب ہوا ہے۔

﴿قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾

”انہوں نے کہا: ”پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے“ (29)

سوال: ﴿قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا سُبْحٰنَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ”پاک ہے ہمارا رب! بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے“ اب وہ کہنے لگے ﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَا﴾ ہمارا رب پاک ہے، ہم ہی ظالم ہیں۔ اب انہیں فرماں برداری کی سوجھی، انہوں نے اپنی کوتاہی کو سمجھ لیا۔ مگر ان سے عذاب نہیں ہٹایا جاسکتا۔ (2) یہ ممکن ہے کہ ان کی تسبیح، اپنے اوپر ظلم کرنے کا اقرار، گناہوں کو ہلکا کر دے۔ اس لیے وہ نادام ہوئے۔

﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَتَلٰوْا وَمُوْنَ﴾

”پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے“ (30)

سوال: ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَتَلٰوْا وَمُوْنَ﴾ ”پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ يَّتَتَلٰوْا وَمُوْنَ﴾ ”پھر وہ ایک دوسرے پر متوجہ ہو کر آپس میں ملامت کرنے لگے“ وہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے کہ ذرا سے لالچ سے محتاجوں کا حق مارنا چاہا۔ اس وقت سب نے اقرار کیا کہ ہم سے بڑی غلطی ہو گئی۔

﴿قَالُوْا اَيُّوَيْلٰنَا اِنَّا كُنَّا ظٰغِيْنَ﴾

”انہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے“ (31)

سوال: ﴿قَالُوْا اَيُّوَيْلٰنَا اِنَّا كُنَّا ظٰغِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿قَالُوْا اَيُّوَيْلٰنَا اِنَّا كُنَّا ظٰغِيْنَ﴾ ”انہوں نے کہا: ہائے ہماری بربادی یقیناً ہم حد سے بڑھے ہوئے تھے“ وہ کہنے لگے کہ ہم نے بڑا ظلم کیا ہم مسکینوں کا حق مارنا چاہتے تھے۔ ہمیں ہماری بدنیتی کی سزا مل گئی۔ ہم نے فقیروں کے منہ کا نوا ابھی چھین لیا۔ ہم تو اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حق میں حد سے بڑھنے والے تھے۔

﴿عَسٰی رَبُّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّمَّهَا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ﴾

”امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر باغ دے گا، یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف

راغب ہونے والے ہیں“ (32)

سوال: ﴿عَسٰی رَبُّنَا اَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّمَّهَا اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ﴾ ”امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے میں اس سے

بہتر باغ دے گا، یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف راغب ہونے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَسَىٰ رَبُّنَا أَنْ يُبَدِّلَنَا خَيْرًا مِّمَّا آتَانَا إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ﴾ ”امید ہے ہمارا رب ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر باغ دے گا، یقیناً ہم اپنے رب ہی کی طرف راغب ہونے والے ہیں“ انہوں نے کہا شاید ہمارا رب ہمیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے یعنی دنیا میں بھی یا ہماری آخرت بہتر بنا دے۔

(2) انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بہتر عطا کرے گا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راغب ہوں گے اور اس دنیا میں اس کے سامنے اصرار کے ساتھ التجائیں کرتے رہیں گے۔ پس اگر وہ ایسے ہی تھے جیسے وہ کہتے تھے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کے حال کو بدل دیا ہوگا کیونکہ جو کوئی صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اس کی طرف راغب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ امید و اہستہ کرتا ہے تو وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے وہ اسے عطا کرتا ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2822)

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۗ وَلِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

”اسی طرح عذاب آتا ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جانتے ہوتے“ (33)

سوال: ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۗ وَلِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ”اسی طرح عذاب آتا ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جانتے ہوتے“ ناشکری کا وبال بہت بڑا ہے، اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ﴾ ”اسی طرح عذاب آتا ہے“ یعنی جو لوگ رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں، حق کا انکار کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔

(2) ان نافرمانوں، ناشکرے لوگوں اور بخیلوں پر جو ضرورت مندوں کا حق مارتے ہیں اسی قسم کی تکلیفیں آتی رہیں گی اور آخرت کا عذاب بڑا تکلیف دہ ہے۔

(3) اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کچھ وقوع پذیر ہوا، اسے بیان کرتے ہوئے فرمایا: یعنی اس شخص کے لیے اسی طرح دنیاوی عذاب ہے جو عذاب کے اسباب کو اختیار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے وہ چیز سلب کر لے جس کی بنیاد پر اس نے سرکشی اور بغاوت کا رویہ اپنایا اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، نیز یہ کہ وہ اس سے وہ چیز زائل کر دے جس کا وہ سب سے زیادہ ضرورت مند ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2822)

(4) ﴿وَلِعَذَابِ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۗ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے کاش وہ جانتے ہوتے۔“ یعنی جو اس حقیقت کو جانتا ہے کہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے تو اس کا علم ایسے سبب سے روکتا ہے جو اجر و ثواب سے محروم کر دے اور عذاب کو واجب کر دے۔

رکوع نمبر 4

﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں“ (34)

سوال: ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں“ تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے ثواب کی امید رکھنے اور عذاب کے خوف سے نافرمانی سے رکنے پر سدا بہار باغوں کی بشارت دی ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ النَّعِيمِ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں“ رب العزت نے دنیا کے باغ کا تذکرہ کیا اور یہ بتایا کہ ان کی ناشکری اور بخیلی انہیں کہاں تک پہنچا گئی۔ ساتھ ہی یہاں پر حق پر چلنے والوں کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ انہیں آخرت میں سدا بہار باغ ملیں گے۔

(2) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومن پر کسی ایک نیکی کے معاملہ میں بھی ظلم نہیں کرے گا دنیا میں بھی اسے اس کا اجر دے گا اور آخرت میں بھی اس کا اجر دے گا اور رہا کا فرق جو نیک عمل اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کیے ہوں گے ان کا پورا صلہ اسے دنیا ہی میں مل جائے گا۔ پھر جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوگی کہ جس کا اسے بدلہ دیا جائے۔“ (اسلم: 7089)

(3) ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾ (۱۵) اِحذین مآ ائہم ربہم ربہم کائوا قبل ذلک محسین (۱۶) ”یقیناً پرہیزگار باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ لینے والے ہیں جو کچھ اُن کا رب اُنہیں دے گا، یقیناً وہ اس سے پہلے ہی نیکی کرنے والے تھے۔“ (الذریات: 15,16)

(4) ﴿إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَاظًا﴾ (۲۱) حَدَ آتِيقٍ وَأَعْنَابًا﴾ (۲۲) وَكَوَاكِبًا أَثْرَابًا﴾ (۲۳) وَكَأْسًا دِهَاقًا﴾ (۲۴) لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذِّبًا﴾ (۲۵) ”یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈرجانے والوں کے لیے کامیابی کا ایک مقام ہے۔ باغات اور انگور ہیں۔ اور نوخیز ہم عمر لڑکیاں ہیں۔ اور پھلکتے ہوئے جام اُس میں نہ وہ کوئی لغو سنیں گے اور نہ کوئی جھوٹ۔“ (النبا: 31,35)

﴿أَفَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾

”تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟“ (35)

سوال: ﴿أَفَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ﴾ ”تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَفَتَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمَجْرُمِينَ﴾ ”تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں گے؟“ اللہ رب العزت نے فرمایا: اے لوگو! کیا میں آخرت کے اعزاز اور ان نعمتوں میں ان لوگوں نے جنہوں نے دل کے پورے جھکاؤ کے ساتھ اطاعت کی اور میرے اوامر و نواہی کے سامنے جھک گئے اور وہ لوگ جنہوں نے گناہ کمائے اور نافرمانیوں پر تلے رہے اور میرے اوامر و نواہی کی مخالفت کی ان کو ایک برابر کر دوں؟ ہرگز نہیں۔

(2) اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا نہیں کرتی کہ فرماں بردار اور مجرم جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کے ساتھ جنگ کی، ان کو برابر کر دیں۔

(3) انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ اطاعت کرنے والوں کو سدا بہار جنتیں دی جائیں جن کی بہاریں کبھی فنا نہیں ہوں گی اور نافرمانوں کو جہنم رسید کر دیا جائے۔

﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾

”تمہیں کیا ہے تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ (36)

سوال: ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ ”تمہیں کیا ہے تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ ”تمہیں کیا ہے تم کیسے فیصلہ کرتے ہو؟“ یعنی تم کیسے یہ حکم صادر کرتے ہو؟ تمہاری کیا حجت اور کیا دلیل ہے؟ (2) فرماں برداروں اور مجرموں کو برابر قرار نہ دو، اللہ کے نزدیک وہ برابر نہیں ہیں۔

(3) فرماں بردار کے لیے ہمیشہ کا اعزاز ہے اور نافرمان کے لیے ہمیشہ کی رسوائی ہے۔ (جامع الیمان: 39/29)

(4) جو کوئی یہ رائے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اجر میں برابر کر دے گا اس نے برا فیصلہ کیا ہے، اس کی رائے باطل ہے۔

﴿أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ﴾

”یا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟“ (37)

سوال: ﴿أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ﴾ ”یا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ﴾ ”یا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو؟“ یعنی کیا تمہارے پاس کسی الہامی کتاب کی سند ہے جسے تم پڑھتے ہو اور اس کی تلاوت کرتے ہو۔

(2) یعنی کیا تم ایسی کتاب پاتے ہو جس میں نافرمان اور فرمان بردار برابر ہو جائیں۔ (قرطبی: 184/9)

﴿إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ﴾

”کہ بلاشبہ تمہارے لیے اُس میں وہی ہوگا جو تم پسند کرتے ہو“ (38)

سوال: ﴿إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ﴾ ”کہ بلاشبہ تمہارے لیے اُس میں وہی ہوگا جو تم پسند کرتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ لَكُمْ فِيهِ لَمَا تَخَيَّرُونَ﴾ ”کہ بلاشبہ تمہارے لیے اُس میں وہی ہوگا جو تم پسند کرتے ہو“ یعنی کیا تم اس کتاب میں وہ پاتے ہو جو تم چاہتے ہو تو اس کا جواب نفی میں ہے۔

(2) تمہیں جو کتاب ملی ہے وہ بزرگوں سے ملی ہے جس میں تمہارے خیالات کے مطابق من مانی باتیں ہیں۔

﴿أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّغَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ﴾

”یا تمہارے لیے ہمارے ذمے کوئی عہد ہیں، جو قیامت کے دن تک پہنچنے والے ہیں کہ تمہارے لیے یقیناً وہی ہوگا

جس کا تم فیصلہ کرو گے“ (39)

سوال: ﴿أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّغَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ﴾ ”یا تمہارے لیے ہمارے ذمے کوئی

عہد ہیں، جو قیامت کے دن تک پہنچنے والے ہیں کہ تمہارے لیے یقیناً وہی ہوگا جس کا تم فیصلہ کرو گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِاللَّغَةِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”یا تمہارے لیے ہمارے ذمے کوئی عہد ہیں، جو قیامت کے دن

تک پہنچنے والے ہیں“ یعنی کیا ہم نے تم سے پختہ عہد لے رکھا ہے کہ معاملات تمہارے گمان کے مطابق ہی پیش آئیں گے؟

(2) اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت تک ان کے لیے اس بات کا کوئی عہد ہے نہ حلف کہ ان کے لیے وہ سب کچھ ہو جس کا وہ فیصلہ کریں اور جو کچھ

وہ طلب کرتے ہیں، اس کے حصول میں ان کے کوئی شریک اور معاون بھی نہیں ہیں۔ اگر ان کے شرکاء اور معاون و مددگار ہیں تو ان کو لائیں

اگر وہ سچے ہیں۔ یہ بات معلوم ہے کہ یہ سب کچھ بہت بعید ہے، ان کے پاس کوئی کتاب ہے نہ نجات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان

کے لیے کوئی عہد ہے اور نہ ان کے شریک ہیں جو ان کی مدد کریں، پس معلوم ہوا کہ ان کا دعویٰ باطل اور فاسد ہے۔ (تفسیر صدی: 3/2823)

(3) ﴿إِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُونَ﴾ ”کہ تمہارے لیے یقیناً وہی ہوگا جس کا تم فیصلہ کرو گے“ یعنی جو تمہارے نفس تمہارے لئے چاہیں گے

ہم تمہیں وہ عطا کر دیں گے۔

﴿سَلُّهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ﴾

”ان سے پوچھیے کہ اُن میں سے کون اس کا ضامن ہے؟“ (40)

سوال: ﴿سَلُّهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ﴾ ”ان سے پوچھیے کہ اُن میں سے کون اس کا ضامن ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿سَلُّهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ﴾ ”ان سے پوچھیے کہ اُن میں سے کون اس کا ضامن ہے؟“ آپ ﷺ ان سے پوچھیں کون

اس بات کا ذمہ دار ہے جس کا باطل ہونا واضح ہے کہ ان کے لیے جنت ہے جبکہ رب العزت نے ان کے لیے جہنم مقرر کر رکھی ہے۔

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۖ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾

”یا ان کے کچھ شریک ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر سچے ہیں“ (41)

سوال: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۖ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ ”یا ان کے کچھ شریک ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر سچے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ ۖ فَلْيَأْتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ ”یا ان کے کچھ شریک ہیں تو وہ اپنے شریکوں کو لے آئیں اگر سچے ہیں“ یعنی کیا ان کے لئے شرکاء ہیں جو ان کی موافقت کریں کہ وہ ان کی کفالت کریں گے تو وہ انہیں لے آئیں گے اگر اس بارے میں سچے ہیں۔ (2) یعنی جھوٹے شریکوں سے ہی کہلوادیں کہ ہم جنت دلوادیں گے اور اگر وہ کہیں تو ان کا دعویٰ بھی باطل ہے۔

﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾

”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور وہ سجدوں کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ استطاعت نہیں رکھیں گے“ (42)

سوال: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ ”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی اور وہ سجدوں کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ استطاعت نہیں رکھیں گے“ کشف ساق کی تفسیر اس آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ ”جس دن پنڈلی کھول دی جائے گی“ یعنی جب قیامت کا دن ہوگا اور ایسے ایسے زلزلے اور ہولناکیاں ظاہر ہوں گی جو ہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں، باری تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرنے اور ان کو جزا و سزا دینے کے لیے تشریف لائے گا۔ پس وہ اپنی نکرم پنڈلی کو ظاہر کرے گا جس سے کوئی چیز مشابہت نہیں رکھتی، لوگ اللہ تعالیٰ کا جلال و عظمت دیکھیں گے جس کی تعبیر ممکن نہیں۔ (تفسیر سہمی: 3/2824)

(2) اللہ تعالیٰ کی پنڈلی ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس لیے ہم بلا کیف اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ (تفسیر ترجمان القرآن: 3/515)

(3) یعنی نیک لوگوں کو سدا بہار جنتیں اس دن دی جائیں گی جب پنڈلی کھول دی جائے گی۔

(4) ﴿وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ ”اور وہ سجدوں کے لیے بلائے جائیں گے تو وہ استطاعت نہیں رکھیں گے“ اس دن ان کے امتحان کے طور پر انہیں سجدے کے لئے بلایا جائے گا کہ ان میں سے کون ایمان اور اخلاص کے ساتھ سجدے کرتا ہے اور وہ کون ہے جو نفاق اور ریاکاری کے لئے سجدے کرتا ہے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے ان کی پیٹھ تختے کی طرح ہو جائے گی۔

(5) سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ ہمارا رب قیامت کے دن اپنی پنڈلی

کھولے گا اس وقت ہر مومن اور ہر مومنہ عورت اس کے لئے سجدہ میں گر پڑیں گے، صرف وہ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھاوے اور ناموری کے لئے سجدہ کرتے تھے۔ جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ کے لئے نہڑ سکیں گے۔ (صحیح بخاری: 4919)

﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ﴾

”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت اُن پر چھا رہی ہوگی، حالانکہ بلاشبہ انہیں سجدوں کے لئے بلایا جاتا تھا

جب کہ وہ صحیح سالم تھے“ (43)

سوال: ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ﴾ ”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت اُن پر چھا رہی ہوگی، حالانکہ بلاشبہ انہیں سجدوں کے لئے بلایا جاتا تھا جب کہ وہ صحیح سالم تھے“ نماز نہ پڑھنے پر رب العزت نے وعید دی ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ﴾ ”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی“ دنیا میں نماز نہ پڑھنے والے مغرور لوگوں کی نگاہیں خوف کی شدت کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔

(2) ﴿تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ﴾ ”ذلت اُن پر چھا رہی ہوگی“ ذلت ان کو ڈھانپ لے گی اور وہ شدید حسرت و ندامت میں ہوں گے۔

(3) ﴿وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ﴾ ”حالانکہ بلاشبہ انہیں سجدوں کے لئے بلایا جاتا تھا جب کہ وہ صحیح سالم تھے“ یعنی دنیا میں انہیں نماز کے لئے بلایا جاتا تھا جب کہ وہ صحیح سالم تھے۔ وہ تکبر کی وجہ سے سجدہ نہیں کرتے تھے۔ وہ نمازوں سے جی چراتے تھے۔ قیامت کے دن انہیں سجدہ نصیب نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوگا اور ان کے سارے اسباب کٹ جائیں گے اس دن ندامت اور عذر کام نہیں آئیں گے۔

﴿فَدَرِنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾

”چنانچہ مجھے اور اس کو چھوڑ دو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے وہ نہیں جانتے گے“ (44)

سوال: ﴿فَدَرِنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ ۖ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”چنانچہ مجھے اور اس کو چھوڑ دو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے وہ نہیں جانتے گے“ قرآن وحدیث کی مخالفت کرنے والوں کے لیے استدراج ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَدَرِنِي وَمَنْ يُكْذِبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ﴾ ”چنانچہ مجھے اور اس کو چھوڑ دو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے“ اس آیت میں قرآن وحدیث کی مخالفت کرنے والوں کے لیے بڑی وعید ہے کہ آپ انہیں مجھ پر چھوڑ دیں میں خود ان سے نمٹ لوں گا۔

(2) ﴿سَنَسْتَدِرُّ جُنُوهَهُمْ مِنِّي حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے وہ نہیں جانتے گے“ آپ تو دیکھتے ہیں کہ میں کس طرح آہستہ آہستہ انہیں پکڑتا ہوں ان کی روز بروز سرکشی اور فرعون سامانی بڑھتی رہے گی اور میری مہلت کی مصلحت سے قطعی غافل رہیں گے۔ آخر ایک دن پاپ کا یہ گھڑا ٹوٹے گا اور ان کا بھانڈا پھوٹے گا۔ میں دفعتاً انہیں پکڑ لوں گا۔ جب گناہ پر گناہ کرنے کے باوجود انہیں ڈھیل ملے گی اور عیش و آرام اور مال و دولت میں برکتیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ ہمارے عقیدے اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہماری عزت ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿اِحْتَسِبُونَ اَنْمَّا نُحَدِّثُهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَدْنٍ ۗ وَهُمْ لَمَّا لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”کیا وہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں؟ ہم انہیں بھلائیوں دینے میں سرگرم عمل ہیں؟ بلکہ وہ سمجھتے نہیں۔“ (المونون: 55,56)

(4) ﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا كُتِبُوا بِهِ ففتحنا عليهم ابواب كل صنعي اذا فرحوا بما اوتوا اخذناهم بغتة فاذا هم مضبون﴾ ”سو جب انہوں نے اُس نصیحت کو بھلا دیا جو انہیں کی گئی تھی تو ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے حتیٰ کہ جب وہ خود ان پر اترنے لگے جو وہ دیے گئے تو ہم نے اچانک اُن کو پکڑ لیا تو اچانک وہ مایوس تھے۔“ (الانعام: 44)

(5) اپنے دشمنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کی چال بڑی مضبوط ہے۔

﴿وَأَمْلِي لَهُمْ ۗ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾

”اور میں اُن کو مہلت دوں گا، یقیناً میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے“ (45)

سوال: ﴿وَأَمْلِي لَهُمْ ۗ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ ”اور میں اُن کو مہلت دوں گا، یقیناً میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَمْلِي لَهُمْ﴾ ”اور میں اُن کو مہلت دوں گا“، یعنی ہم نے انہیں مہلت دے رکھی ہے۔ انہیں مال اور اولاد میں برکتیں دی ہیں۔ انہیں عیش و آرام میں وسعت دی ہے جس سے ان کے دماغ خراب ہو گئے ہیں، اور وہ اکر گئے ہیں۔

(2) ﴿إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ ”یقیناً میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے“ یہ ایک تدبیر ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو چند روز دنیا میں مہلت دیتا رہتا ہے لیکن جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ راوی نے بیان کیا پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ”اور تیرے پروردگار کی پکڑ اسی طرح ہے جب وہ بستی والوں کو پکڑتا ہے جو (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہتے ہیں بیشک اس کی پکڑ بڑی تکلیف دینے والی اور بڑی ہی سخت ہے۔“ (بخاری: 4686)

(3) کید کا معنی کسی کام کو سرانجام دینے کے لیے خفیہ تدبیر کرنا۔ داؤ یا چال چلانا اور کید ساحر کے معنی جادوگر کے ہتھکنڈے۔ ایسی

تدبیر کا مقصد اگر درست اور نیک ہو تو یہ جائز ہے اور اگر برا ہو تو یہ مذموم ہے۔ (تیسرا قرآن: 506/4)

(4) یعنی اللہ تعالیٰ کی چال بڑی مضبوط ہے جو ان کو نقصان پہنچانے کے لئے کارگر ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخَذَهُ إِلَيْهِمْ شَدِيدٌ﴾ ”اور آپ کے

رب کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے جب وہ کسی ظلم کرنے والی بستی کو پکڑتا ہے، بلاشبہ اس کی پکڑ بہت دردناک، بڑی سخت ہوتی ہے۔“ (ہور: 102)

(6) زمخشری نے کہا: صحت، رزق اور لمبی عمر اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کا فضل ہے جو شکر اور اطاعت کو واجب کرتا ہے۔ لیکن یہی ان کے

اپنے اختیارات کی وجہ سے ان کے لئے کفر کا سبب بن جاتا ہے، جو انہیں آہستہ آہستہ ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ (تیسرا قرآن: 167/16)

﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّن مَّعْرُومٍ مُّثْقَلُونَ﴾

”یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان سے بوجھل ہیں؟“ (46)

سوال: ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِّن مَّعْرُومٍ مُّثْقَلُونَ﴾ ”یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان سے بوجھل

ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا﴾ ”یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں“ یعنی کیا آپ ﷺ کوئی دعوت و تبلیغ کے کام پر ان سے کوئی

اجرت مانگتے ہیں۔ (2) ﴿فَهُمْ مِّن مَّعْرُومٍ مُّثْقَلُونَ﴾ ”کہ وہ تاوان سے بوجھل ہیں؟“ یعنی کیا وہ تاوان دیتے ہیں جو ان پر بوجھ ہے۔

(3) آپ ﷺ تو ان کے نفع کے لیے انہیں تعلیم دیتے، آپ ﷺ انہیں اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ ﷺ سے دور بھاگنے اور

آپ ﷺ کی تصدیق نہ کرنے کا کوئی سبب ان کے پاس موجود نہیں ہے۔

﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ﴾

”یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھتے ہیں؟“ (47)

سوال: ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُمُونَ﴾ ”یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھتے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ﴾ ”یا ان کے پاس غیب ہے“ یعنی کیا ان کے پاس لوح محفوظ ہے؟

(2) ﴿فَهُمْ يَكْتُمُونَ﴾ ”تو وہ لکھتے ہیں؟“ یعنی جو وہ کہتے ہیں اس میں لکھا جاتا ہے۔

(3) ان کے پاس غیب کا علم نہیں کہ وہ اس بات کو پاپچکے ہوں کہ وہ حق پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ثواب سے بہرہ ور ہوں گے۔ یہ معاملہ

جیسا بھی ہے، ان کا حال تو ایک معاند اور ظالم کا سا ہے، پس اس کے سوا کچھ باقی نہیں کہ ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کیا جائے اور جو کچھ ان

سے صادر ہو رہا ہے اس پر تحمل کا مظاہرہ کیا جائے اور ان کو بار بار دعوت دی جائے۔ (تیسرا قرآن: 2825/3)

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾

”چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم تک صبر کرو اور مچھلی والے کی مانند نہ ہو جاؤ، جب اُس نے دُعا کی حالانکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“ (48)

سوال: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ ”چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم تک صبر کرو اور مچھلی والے کی مانند نہ ہو جاؤ، جب اُس نے دُعا کی حالانکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ”چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم تک صبر کرو“ اے رحمت عالم ﷺ! آپ اپنی قوم کی اذیتوں پر، ان کے جھٹلانے پر صبر سے کام لیں۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے جب آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا انجام بخیر ہوگا۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو غلبہ دیں گے اور آخرت میں بھی، سدا بہار جنتیں اور نہ ختم ہونے والی نعمتیں ہوں گی۔

(2) یعنی اللہ تعالیٰ نے شرعاً اور قدراً جو فیصلہ کیا ہے اس پر صبر کیجئے۔ حکم قدری یہ ہے کہ ایذا پر صبر کیا جائے، ناراضی اور بے صبری کے ساتھ ان کا سامنا نہ کیا جائے، حکم شرعی کو قبول کیا جائے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور اس کے امر کی اطاعت کی جائے۔ (تفسیر سعدی: 2826/3)

(3) ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ ”اور مچھلی والے کی مانند نہ ہو جاؤ“ مچھلی والے نبی سے مراد سیدنا یونس علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکلے تو کشتی پر سوار ہوئے۔ کشتی جب بھنور میں پھنس گئی تو لوگوں نے کہا: کوئی شخص ہے جو مالک کا نافرمان ہے انہوں نے کہا: میں ہی ہوں۔ قمر ڈالنے پر ان ہی کا نام نکلا، کشتی والوں نے انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ ایک مچھلی نے انہیں نگلا اور سمندر کی تہ میں جا کر بیٹھ گئی۔

رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔“ (الصف: 132) سیدنا یونس علیہ السلام نے وہاں سمندر اور سمندر کی مچھلیوں کو اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہوئے پایا تو پکار اٹھے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور انہیں مچھلی کے پیٹ سے نجات عطا فرمائی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأَسْتَجِبْ لَهُ وَنَجِّنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۗ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْوَعْدَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”چنانچہ ہم نے اُس کی دُعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیتے ہیں۔“ (الانعام: 88)

(4) ﴿وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ﴾ ”اور مچھلی والے کی مانند نہ ہو جاؤ“ یعنی ان کی طرح عجلت اور غضب میں نہ آنا۔ (جامع البیان: 471/29)

(5) ﴿إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ﴾ ”جب اُس نے دُعا کی حالانکہ وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔“ مَکْظُومٌ۔ کظم سانس کی نالی کو کہتے ہیں اور کظیم السقا یعنی مشک کو پانی سے لبالب بھر کر اس کا منہ بند کر دینا۔ اور کظیم اور مَکْظُوم اس شخص کو کہتے ہیں جو غم یا غصہ سے سانس کی نالی تک بھرا ہوا ہو مگر اس کا اظہار نہ کرے اور اسے دبا جائے۔ (تفسیر تیسرا قرآن: 506/4)

(6) یعنی غم اور غصے نے سیدنا یونس علیہ السلام کو بو جھل کر دیا تھا۔ (جامع البیان: 471/29)

(7) یعنی انہوں نے پکارا جبکہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے اور ان پر دروازہ بند کر دیا گیا تھا یا یہ کہ انہوں نے پکارا اور وہ ہم و غم سے لبریز تھے، چنانچہ کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، چنانچہ مچھلی نے انہیں، جب کہ وہ بیمار تھے، چھیل میدان میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر کدو کی تیل اگادی۔ (تفسیر سہی: 2826/3)

﴿لَوْلَا أَنْ تَدْرِكُهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾

”اگر اس کے رب کی نعمت نے اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ مذمت کیا ہوا چھیل زمین میں پھینک دیا جاتا“ (49)

سوال: ﴿لَوْلَا أَنْ تَدْرِكُهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾ ”اگر اس کے رب کی نعمت نے اسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ مذمت کیا ہوا چھیل زمین میں پھینک دیا جاتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَوْلَا أَنْ تَدْرِكُهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ﴾ ”اگر اس کے رب کی نعمت نے اسے سنبھال نہ لیا ہوتا“، یعنی اگر رب کی رحمت نے انہیں ڈھانپ نہ دیا ہوتا۔

(2) ﴿لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ﴾ ”تو وہ مذمت کیا ہوا چھیل زمین میں پھینک دیا جاتا“، یعنی انہیں چھیل میدان میں پھینک دیا جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ان کا حصار کر لیا اور انہیں اس حال میں پھینکا گیا کہ وہ محمود تھے اور ان کی حالت بہتر ہو گئی۔

﴿فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾

”پھر اُس کے رب نے اُسے منتخب کیا، پس اسے نیک لوگوں میں شامل کر دیا“ (50)

سوال: ﴿فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”پھر اُس کے رب نے اُسے منتخب کیا، پس اسے نیک لوگوں میں شامل کر دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ﴾ ”پھر اُس کے رب نے اُسے منتخب کیا“، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انہیں منتخب کر لیا اور انہیں کدورت سے پاک کر دیا۔

(2) کاشانی نے کہا: انہیں فطری سلامتی اور ان کے نور کی استعداد کو باقی رکھا اور غضب کے برے اثرات سے بچایا اور نفس کی زیادتی سے توبہ کی توفیق دی پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قریب کر لیا۔ (تفسیر سہی: 268/16)

(3) ﴿فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”پس اسے نیک لوگوں میں شامل کر دیا“، یعنی انہیں نبوت اور رسالت عطا فرمائی۔

(4) یعنی انہیں نیکی میں کامل کر دیا، انہیں گناہ سے بچا لیا اور انہیں نبوت لوٹا دی اور ان کی شفاعت ان کے اپنے حق میں اور ان کی قوم کے حق میں قبول کی اور انہیں ایک لاکھ یا اس سے زائد لوگوں کی طرف بھیجا۔ (فتح القدر: 339/5)

(5) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کسی شخص کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ مجھے یونس بن متی سے بہتر قرار دے۔“ (بخاری: 3413، 3416)

﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾

”اور قریب ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آپ کو اپنی نگاہوں سے ضرور ہی پھسلا دیں، جب وہ ذکر سنتے ہیں اور کہتے ہیں:

”یقیناً یہ تو بالکل دیوانہ ہے“ (51)

سوال: ﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ ”اور قریب ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آپ کو اپنی نگاہوں سے ضرور ہی پھسلا دیں، جب وہ ذکر سنتے ہیں اور کہتے ہیں: ”یقیناً یہ تو بالکل دیوانہ ہے“ نظر کی تاثیر کی وضاحت اس آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْيَزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ﴾ ”اور قریب ہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا آپ کو اپنی نگاہوں سے ضرور ہی پھسلا دیں، جب وہ ذکر سنتے ہیں“ یعنی کافر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے ہیں اسی وجہ سے گھور گھور کر نظر لگانا چاہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اس کی پناہ نہ ہو تو یہ آپ کو پھسلا دیں۔ معلوم ہوا کہ نظر کی تاثیر اور اس کا لگ جانا برحق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتا ہے۔

(2) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”نظر حق ہے، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت کرنے والی ہوتی تو نظر کر جاتی، بہر حال جب تم سے (نظر بد کی وجہ سے) غسل کروایا جائے تو غسل کر لیا کرو۔“ (مسلم: 5702)

(3) سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سہل بن حنیف (ان کے باپ) نہا رہے تھے کہ سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے۔ انہوں نے کہا: میں نے تو ایسا آدمی نہیں دیکھا۔ پردہ والی عورت کا بھی تو بدن ایسا نہیں دیکھا۔ تھوڑی دیر گزری کہ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ گر پڑے (عامر کی نظر سے)۔ لوگ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور عرض کیا: سہل کی خبر لیجئے۔ وہ گر پڑا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہارا گمان کس پر ہے (یعنی کس کی نظر لگی ہے اس کو)؟“ انہوں نے کہا: عامر پر۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بھلا یہ کیا بات ہے کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے (بد نظر سے)۔ جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی میں وہ بات دیکھے جو اس کو پسند آئے تو برکت کی دعا کرے۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے پانی منگوایا اور عامر کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اپنا منہ دھویا اور دونوں ہاتھ کہنیوں تک اور دونوں گھٹنے اور اپنے تہہ بند کے اندر کا بدن۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی سہل پر ڈالنے کا حکم دیا۔ سفیان نے کہا: معمر نے زہری سے یوں روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ برتن سہل کے پیچھے سے ان پر اوندھا دیا جائے۔ (ابن ماجہ: 3509)

(4) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے محمد ﷺ آپ ﷺ بیمار ہو گئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جی ہاں۔ انہوں نے کہا: ﴿بِسْمِ اللَّهِ أَزْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللَّهُ يَشْفِيكَ بِسْمِ اللَّهِ أَزْقِيكَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کے نام سے ہر اس چیز کے شر سے جو آپ ﷺ کو تکلیف دینے والی ہو اور ہر نفس یا حسد کرنے والی آنکھ کے شر سے میں آپ ﷺ کو دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو شفا دے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے آپ ﷺ کو دم کرتا ہوں۔“ (مسلم: 5700)

(5) سیدنا عبید بن رفاعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! جعفر کے بچوں کو نظر لگتی ہے۔ کیا میں ان کے لیے دم کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں اگر کوئی چیز تقدیر سے آگے ہو سکتی تو وہ نظر ہوتی۔“ (ابن ماجہ: 3510، ترمذی: 2059)

(6) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ نظر لگ جانے کی وجہ سے دم کروالیا کریں۔ (بخاری: 5738)

(7) نبی ﷺ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتے تھے۔ ﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ﴾ میں تمہیں اللہ کے کامل کلمات کے ساتھ ہر شیطان اور زہریلے جانور سے اور ہر لگ جانے والی نظر سے (اللہ کی) پناہ میں دیتا ہوں۔ (بخاری: 3371)

(8) ابن عساکر میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ اس وقت غمزدہ تھے جب پوچھا تو فرمایا حسن حسین رضی اللہ عنہما کو نظر لگ گئی ہے، فرمایا یہ سچائی کے قابل چیز ہے نظر واقعی لگتی ہے، آپ نے یہ کلمات پڑھ کر انہیں پناہ میں کیوں نہ دیا؟ نبی ﷺ نے پوچھا: وہ کون سے کلمات ہیں؟ فرمایا یوں کہو: ﴿اللَّهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيمِ ذَا الْوَجْهِ الْكَرِيمِ وَإِيَّكَ الْكَلِمَاتِ التَّامَّاتِ وَاللِّدْعَوَاتِ الْمُسْتَجَابَاتِ عَافِ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ وَمِنْ أَنْفُسِ الْحَيِّ وَأَعْيُنِ الْإِنْسِ﴾ یعنی اے اللہ اے بڑی بادشاہی والے اے زبردست قدیم احسانوں والے، اے بزرگ تر چہرے والے پورے کلموں والے اور اے دعاؤں کی قبولیت کا درجہ دینے والے تو حسن اور حسین کو تمام جنات کی ہواؤں اور انسانوں کی آنکھ سے پناہ دے، نبی ﷺ نے یہ دعا پڑھی وہیں دونوں بچے اٹھ کر کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے، نبی ﷺ نے فرمایا لوگوں کو اپنی جانوں کو اپنی بیویوں کو اور اپنی اولاد کو اسی دعا کے ساتھ پناہ دیا کرو اس جیسی اور کوئی پناہ کی دعا نہیں۔ (ابن کثیر: 412، 413)

(9) نبی ﷺ انسانوں اور جنوں سے پناہ مانگتے تھے۔ جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور باقی چیزیں چھوڑ دیں۔ (صحیح ترمذی، الاہلبانی: 2150)

(10) ﴿وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ﴾ ”اور کہتے ہیں: ”یقیناً یہ تو بالکل دیوانہ ہے“ آپ ﷺ سے حسد کرتے ہوئے نہ صرف آپ ﷺ کو گھورتے ہیں بلکہ زبان درازی بھی کرتے ہیں، ذاتیات پر حملے کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن پیش کرنے والے آپ دیوانے ہو۔

﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾

”حالانکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت کے علاوہ کچھ نہیں“ (52)

سوال: ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ﴾ حالانکہ وہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت کے علاوہ کچھ نہیں، قرآن مجید تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ﴾ حالانکہ وہ نصیحت کے علاوہ کچھ نہیں، قرآن حکیم سارے جہان والوں کے لیے نصیحت کے سوا کچھ نہیں۔ اسی کے ذریعے ایمان لانے والے دینی اور دنیاوی معاملات میں نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(2) ﴿لِلْعَالَمِينَ﴾ ”تمام جہانوں کے لیے“ یعنی جنوں اور انسانوں کے لیے نصیحت ہے۔

(3) قرآن مجید انسانی زندگی کی راہ نمائی کی کتاب ہے۔ اس میں انسان کو شعوری غلطیوں اور غلط فہمیوں سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے یعنی شرک، کفر، نفاق اور فسق سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے دلائل دیئے، طرح طرح سے سمجھا کر نصیحت کا حق ادا کیا ہے تاکہ انسان کا شعور پاک ہو جائے اور عقل درست کام کرنے کے قابل ہو جائے۔

(4) قرآن مجید نے دنیا کی زندگی کی حقیقت کو مثالوں سے ایسے سمجھایا ہے کہ انسان اپنی زندگی کا سچا مقصد پا کر اسے پورا کرنے کی کوشش کر سکتا ہے۔ (5) قرآن مجید انسان کو جنت کی منزل کے لیے محنت کرنے کے لیے تیار کرتا ہے، خیر خواہی سے ترغیبات دلاتا ہے۔

(6) قرآن مجید میں انسان کو برائیوں سے بچنے کے لیے جہنم کی آگ سے بچنے کے لیے طرح طرح سے سمجھایا ہے۔

(7) قرآن مجید میں انسانی زندگی کی راہ نمائی کے لیے واضح پروگرام دیا گیا۔ زمین پر رہنے والوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح کے لیے دل لگتے دلائل، گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور آخرت کے انجام سے اللہ تعالیٰ نے قبول کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ یوں ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید جہان والوں کے لیے نصیحت اور خیر خواہی ہے۔

﴿اٰیٰتِهَا ۵۲﴾ ﴿سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ ۸﴾ ﴿رُكُوْعَاتِهَا ۲﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکی ہے۔ اس میں دو رکوع اور 52 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 69 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 78 ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فجر کی نماز میں سورہ الحاقہ اور اس جیسی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (شکائی) (شرف الموحی: 676/1)

رکوع نمبر 5



﴿الْحَاقَّةُ﴾

”حق ثابت ہونے والی“ (1)

سوال: ﴿الْحَاقَّةُ﴾ ”حق ثابت ہونے والی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الْحَاقَّةُ﴾ ”حق ثابت ہونے والی“ قیامت کا نام ہے وہ ایسا دن ہوگا جو ثابت ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعیدیں پوری ہوں گی۔ (2) اس دن تمام چیزوں کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور سینوں کے بھید کھولے جائیں گے۔

(3) رب العزت نے اس دن کے بارے میں فرمایا: ﴿إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۗ لَنُيَسِّرَنَّ لَوْ فَعَّيْهَا كَاجِبَةً ۗ﴾ ”جب واقع ہونے والی واقع ہو جائے گی۔ اُس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔“ (الواقعة: 1، 2)

﴿مَا الْحَاقَّةُ﴾

”کیا ہے حق ثابت ہونے والی“ (2)

سوال: ﴿مَا الْحَاقَّةُ﴾ ”کیا ہے حق ثابت ہونے والی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿مَا الْحَاقَّةُ﴾ ”کیا ہے حق ثابت ہونے والی“ اس سوال کو دوبارہ اس مقصد کے لیے کیا گیا تاکہ قیامت کی عظمت کو ثابت کیا جائے۔

﴿وَمَا آذْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ﴾

”اور کس چیز نے آپ کو خبر دی کہ کیا ہے حق ثابت ہونے والی“ (3)

سوال: ﴿وَمَا آذْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ﴾ ”اور کس چیز نے آپ کو خبر دی کہ کیا ہے حق ثابت ہونے والی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَمَا آذْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ﴾ ”اور کس چیز نے آپ کو خبر دی کہ کیا ہے حق ثابت ہونے والی“، یعنی تمہیں کیا معلوم کہ وہ کتنی عظیم ہے۔ اس کی پوری کیفیت تمہیں معلوم نہیں۔

(5) جب شہودی روحیں پرواز کر گئیں تو ہر طرف ان کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

﴿وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾

”اور جو عادتھے تو وہ سخت ٹھنڈی، تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیے گئے جو قابو سے باہر ہونے والی تھی“ (6)

سوال: ﴿وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾ اور جو عادتھے تو وہ سخت ٹھنڈی، تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیے گئے جو قابو سے باہر ہونے والی تھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَمَّا عَادُ فَاهْلِكُوا بِرِيحِ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾ اور جو عادتھے تو وہ سخت ٹھنڈی، تند و تیز آندھی سے ہلاک کر دیے گئے جو قابو سے باہر ہونے والی تھی“ یعنی عاد کو تیز آندھی سے ہلاک کر دیا گیا۔ سخت ٹھنڈی اور تند و تیز ہوانے قوم عاد کو کھجور کے کھوکھلے تنوں کی طرح زمین پر گرا دیا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے متواتر 8 دن اور 7 راتیں ان پر بے خیر طوفانی ہوا کو مسلط رکھا۔

(3) نبی ﷺ نے فرمایا: میری مدد پر ہوا سے کی گئی اور عادی بچھو ہوا سے تباہ ہوئے۔ (بخاری، مسلم)

﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ

كَأَنَّهُمْ أَحْجَازٌ مَّخْلٍ خَاوِيَةٌ﴾

”اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا، سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح

پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں“ (7)

سوال: ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَحْجَازٌ مَّخْلٍ خَاوِيَةٌ﴾ ”اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا، سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَثَمَنِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا﴾ ”اس نے اسے سات راتیں اور آٹھ دن ان پر جڑ کاٹ دینے کے لیے مسلسل چلائے رکھا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن ہوا کو مسلط رکھا۔ وہ ہوا رحمت اور برکت سے خالی تھی۔

(2) قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے وہ ہوا ایسی تھی جس میں کوئی وقفہ نہیں آیا، لگا تار چلتی رہی۔ (جامع البیان: 51/29)

(3) حسوما کے معنی ”برابر“ یعنی لگا تار اور ”منحوس“ دونوں ہی ہو سکتے ہیں۔ (اشرف المصنفات: 676/1)

(4) ﴿فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَىٰ كَأَنَّهُمْ أَحْجَازٌ مَّخْلٍ خَاوِيَةٌ﴾ ”سو آپ دیکھیں گے وہ اس طرح پچھاڑے گئے گویا گری ہوئی

کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں، یعنی آپ دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ ہلاک ہو کر مردہ پڑے ہیں۔ یعنی گویا کہ وہ کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہیں جن کے سروں کو کاٹ دیا گیا ہے اور وہ ایک دوسرے پر گرے پڑے ہیں۔ (تفسیر سہمی: 2828/3)

(5) خاویہ خراب سزا ہوا، گلا ہوا، گرا ہوا یعنی ہواؤں نے عادیوں کو زمین سے اٹھا اٹھا کر زمین پر دے پٹنا جس سے ان کے سر دھڑ سے الگ ہو کر دور جا پڑے اور دھڑ کھجوروں کے پرانے تنوں کی طرح پڑے ہی رہ گئے۔ (السراج البہر: 2115/2)

﴿فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾

”کیا آپ اُن میں کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتے ہو؟“ (8)

سوال: ﴿فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ ”کیا آپ اُن میں کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتے ہو؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ﴾ ”کیا آپ اُن میں کوئی بھی باقی رہنے والا دیکھتے ہو؟“ یعنی کیا ان میں سے کوئی زندہ دکھائی دیتا ہے؟ ان کی نسلوں میں کچھ بھی باقی نہ بچا وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ (2) اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی بھی بچ نہ سکا، سب فنا ہو گئے اور ان کی نسل کٹ گئی۔

﴿وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُتْ بِالْخَاطِئَةِ﴾

”اور فرعون نے اور جو اُس سے پہلے تھے اور اُلٹائی گئی بستیوں نے بھی گناہوں کا ارتکاب کیا تھا“ (9)

سوال: ﴿وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ وَالْمُؤْتَفِكُتْ بِالْخَاطِئَةِ﴾ ”اور فرعون نے اور جو اُس سے پہلے تھے اور اُلٹائی گئی بستیوں نے بھی گناہوں کا ارتکاب کیا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ﴾ ”اور فرعون نے اور جو اُس سے پہلے تھے“ یعنی قوم نوح، قوم عاد، اور قوم ثمود۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَعَادًا وَثَمُودًا وَأَصْحَابَ الرَّسِّ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا﴾ (۳۸) ﴿وَكُلًّا ضَلَّ بِمَا آلَهُ الْاِمْتِئَالُ وَكُلًّا تَبَرَّأْنَا تَتَابِعًا﴾ (۳۹) ”اور عاد اور ثمود کو اور کنوئیں والے اور اس کے درمیان بہت سے زمانے کے لوگوں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اور ہر ایک کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور ہر ایک کو ہم نے برباد کر دیا بری طرح تباہ و برباد کرنا۔“ (الفرقان: 38,39)

(2) دوسرے قوموں کے علاوہ اور بھی نافرمان لوگ آئے۔ مثلاً فرعون جس نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تکبر کیا اور انہیں جھٹلادیا۔

(3) ﴿وَالْمُؤْتَفِكُتْ﴾ ”اور اُلٹائی گئی بستیوں نے بھی“ یعنی سیدنا لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں جو ایسے گناہ کے کام کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کیے۔ (4) ﴿بِالْخَاطِئَةِ﴾ ”گناہوں کا ارتکاب کیا تھا“ یعنی جو کفر، ظلم، عناد، سرکشی، فسق اور نافرمانی کے کام کرتے تھے۔

﴿فَعَصَوْا رَسُوْلًا رَّبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذًا رَّابِيَةً﴾

”پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی سخت گرفت میں پکڑا“ (10)

سوال: ﴿فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى﴾ ”پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی سخت گرفت میں پکڑا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ﴾ ”پس انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی“ یعنی ان سب قوموں نے اپنے رسول کو جھٹلایا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ كُلَّ إِلَّا كَذَّبَ الرَّسُولَ فَحَسَّ عِقَابُ﴾ ”اُن سب لوگوں نے ہی رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب واقع ہو گیا۔“ (س: 14)

(2) انہوں نے رسول کے راستے میں روڑے اٹکائے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاصْطَبِ الْآيَةَ وَقَوْمَ تُبَّعٍ طُحُلٌ كَذَّبَ الرَّسُولَ فَحَسَّ وَعَيْدٌ﴾ ”اور اہل ایکہ اور قوم تُبَّع نے، ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میری وعید سچ ثابت ہوئی۔“ (ق: 14)

(3) ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”نوح کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔“ (اشعراء: 105)

(4) ﴿كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔“ (اشعراء: 123)

(5) ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ ثَمُودَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔“ (اشعراء: 141)

(6) ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلایا۔“ (اشعراء: 160)

(7) ﴿فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى﴾ ”تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑی سخت گرفت میں پکڑا“ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے پکڑا کہ اس کی گرفت سے وہ تباہ و برباد ہو گئے۔

﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾

”بے شک جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم ہی نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا“ (11)

سوال: ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ ”بے شک جب پانی حد سے گزر گیا تو ہم ہی نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَاءُ﴾ ”بے شک جب پانی حد سے گزر گیا“ یعنی سیدنا نوح ﷺ کی بددعا سے ایسا ہمہ گیر طوفان آیا اور پانی اپنی حد سے گزر گیا۔ (2) یعنی دنیا کے اونچے اونچے پہاڑوں سے وہ پانی پندرہ گزا اونچا تھا۔ (الدر المنثور)

(3) آسمان نے لگا تار بارش برسائی اور زمین نے اپنا پانی اگل دیا۔ اس وقت رب العزت نے عظیم سیلاب میں کشتی پر سوار کر کے نجات عطا فرمائی۔

(4) ﴿حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ﴾ ”تو ہم ہی نے تمہیں کشتی میں سوار کر دیا“ سیدنا نوح علیہ السلام کی سرکش قوم کے غرق ہونے کے بعد جو مخلوق موجود تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا کہ ان کو سوار کیا۔ ﴿فِي الْجَارِيَةِ﴾ جب کہ یہ اپنے باپوں اور ماؤں کی صلب میں تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے طوفان سے نجات دی تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرو، اس کا شکر کرو جس نے تمہیں اس وقت نجات دی جب اس نے سرکش لوگوں کو ہلاک کر ڈالا اور اس کی آیات سے عبرت حاصل کرو جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ (تیسری: 2828, 2829/3)

﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ﴾

”تاکہ ہم اُس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اُس کو یاد رکھیں“ (12)

سوال: ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ﴾ ”تاکہ ہم اُس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اُس کو یاد رکھیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً﴾ ”تاکہ ہم اُس کو تمہارے لیے نصیحت بنا دیں“ یعنی سیدنا نوح علیہ السلام کی کشتی کو تمہارے لیے عبرت اور نصیحت بنا دیں۔

(2) پہلی کشتی کا بنانا اور ان پر ایمان والوں کو اور ہر طرح کے جانوروں کو سوار کرنا یہ یاد دلاتا ہے کہ کیسے رب العزت نے ایمان والوں کو نجات دی اور باقی تمام لوگوں کو ہلاک کر ڈالا۔ (تیسری: 2829/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِيتَلَّهُمْ أَكَا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلِّ الْمَشْحُونِ﴾ (۴۱) ﴿وَحَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ مِثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ﴾ (۴۲) ﴿وَإِنْ نَشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيحَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقذُونَ﴾ (۴۳) ﴿الْأَرْحَمَ مِمَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ﴾ (۴۴) ”اور اُن کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے اُن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ہم نے اُن کے لیے اس جیسی اور چیزیں پیدا کی ہیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر نہ ہی ان کا کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ ہی وہ بچائے جائیں گے۔ مگر یہ ہماری طرف سے رحمت ہے اور ایک خاص وقت تک فائدہ دینا ہے۔“ (س: 41, 44)

(4) ﴿وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَأَعْيَةٌ﴾ ”اور یاد رکھنے والے کان اُس کو یاد رکھیں“ یعنی عقل مند لوگ اس کو یاد رکھتے ہیں اور نشانی اور معجزے کی وجہ سے معلوم کرتے ہیں۔ غافل لوگوں کا معاملہ بالکل برعکس ہے کیونکہ وہ آیات میں غور و فکر نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی آیات سے کوئی نفع اٹھانے کے قابل نہیں۔ (5) یعنی اللہ تعالیٰ کے احسانات پر شکر ادا کرو۔ صحیح سمجھ رکھنے والوں کے لیے یہ نعمت نصیحت بن گئی۔

﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾

”چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنا“ (13)

سوال: ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ ”چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ ”چنانچہ جب صور میں پھونکا جائے گا، ایک بار پھونکنا“ قیامت سے پہلے کے ہولناک واقعے کا تذکرہ ہے۔

(2) جب اسرافیل پہلی بار صور پھونکیں گے تو سب لوگ گھبراہٹ میں مبتلا ہوں گے۔ جب دوسرا صور پھونکیں گے تو سب زمین و آسمان والے بے ہوش ہو جائیں گے۔ پھر تیسرا صور اللہ تعالیٰ کے آگے کھڑا ہونے کے لیے پھونکا جائے گا جس سے مردے اپنی قبروں سے نکل کر کھڑے ہو جائیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ط وَكُلٌّ اَتَوْهَا ذٰخِرِيْنَ﴾ ”اور جس دن صور میں پھونک مار دی جائے گی تو سب گھبرا اٹھیں گے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں مگر وہ جسے اللہ تعالیٰ چاہے گا، اور سب اُس کے پاس ذلیل ہو کر چلے آئیں گے۔“ (اہل: 87)

(3) ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاوٰنَ﴾ ”پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت واریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“ (المؤمنون: 101)

(4) ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَبَقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اٰخِرٰى فَاِذَا هُمْ قِيٰاَمٌ يَنْظُرُوْنَ﴾ ”اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو کر گر جائے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس میں دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔“ (الامر: 68)

(5) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک گنوار نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا صور کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایک نرسنگا ہے جس میں قیامت کے دن پھونکا جائے گا۔“ (ترمذی: 2430)

(6) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کیونکر آرام کروں جب کہ صور والے اسرافیل علیہ السلام منہ میں صور لئے ہوئے اس حکم پر کان لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم صادر ہو اور اس میں پھونک ماری جائے۔ یہ امر اصحاب رسول پر سخت گزرا، پس آپ ﷺ نے فرمایا، تم کہو: ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلٰى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ”یعنی اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، کیا ہی اچھا کارساز ہے وہ، اللہ تعالیٰ ہی پر ہم نے توکل کیا۔“ (ترمذی: 2431)

﴿وَمَحَلَّتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فِدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً﴾

”اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھایا جائے گا اور دونوں ٹکرا دیے جائیں گے، ایک ہی بار ٹکرا دینا“ (14)

سوال: ﴿وَمَحَلَّتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فِدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً﴾ ”اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھایا جائے گا اور دونوں ٹکرا دیے

جائیں گے، ایک ہی بار نکلنا دینا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمُحَمَّدٌ مِنَ الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ﴾ ”اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھایا جائے گا“ یعنی زمین اور پہاڑ اپنی جگہ سے اٹھالیے جائیں گے۔
 (2) ﴿فَدُنُوتًا ذَاتَ كَتَّةٍ وَاحِدَةٍ﴾ ”اور دونوں نکلادیے جائیں گے، ایک ہی بار نکلنا دینا“ یعنی وہ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے۔ انہیں ڈھا کر زمین کو برابر کر دیا جائے گا۔ زمین اس طرح ہموار میدان بنا دی جائے گی کہ اس میں کوئی نشیب و فراز نظر نہیں آئے گا۔ زمین اور اس کے رہنے والوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا (۱) وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا (۲) فَكَانَتْ هَبَاءً مُتَّبَعًا (۳)﴾ ”اور پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، خوب ریزہ ریزہ کیا جانا۔ چنانچہ وہ اڑتا ہوا غبار بن کر رہ جائیں گے۔“ (الواقعة: 4، 6)

(4) ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا (۵) فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا (۶) لَا تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا (۷)﴾ ”اور وہ تم سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں، چنانچہ آپ کہہ دیں میرا رب انہیں اڑا کر بکھیر دے گا۔ پھر انہیں چٹیل میدان بنا کر چھوڑ دے گا۔ آپ اس میں نہ کوئی ٹیڑھ دیکھیں گے اور نہ کوئی ٹیلہ۔“ (ط: 105، 107)

﴿فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾

”تو اُس دن واقع ہونے والی واقعہ ہو جائے گی“ (15)

سوال: ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ ”تو اُس دن واقع ہونے والی واقعہ ہو جائے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ﴾ ”تو اُس دن واقع ہونے والی واقعہ ہو جائے گی“ یعنی اس طرح قیامت قائم ہو جائے گی اور زمین نئی ہو جائے گی۔

﴿وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ﴾

”اور آسمان پھٹ جائے گا تو اُس دن وہ کمزور، بھر بھرا ہوگا“ (16)

سوال: ﴿وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ﴾ ”اور آسمان پھٹ جائے گا تو اُس دن وہ کمزور، بھر بھرا ہوگا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ﴾ ”اور آسمان پھٹ جائے گا تو اُس دن وہ کمزور، بھر بھرا ہوگا“ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آسمان کہکشاں سے پھٹ جائے گا۔ (ابن ابی ماسم)

(2) آسمان کا رنگ بدل جائے گا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾ ”تو وہ سُرخ چڑے جیسا سُرخ ہو جائے گا۔“ (الرحمن: 37)

”اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تم سے کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہ رہ جائے گی“ (18)

سوال: ﴿يَوْمَ مَعِيذُ تَعْرُضُونَ لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ ”اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے، تم سے کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہ رہ جائے گی“ انسان جب رب العزت کے سامنے پیش ہوں گے تو ان کی کیا کیفیت ہوگی؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ مَعِيذُ تَعْرُضُونَ﴾ ”اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے“ یہ پیشی اس مقصد کے لیے ہوگی کہ انسانوں پر حجت قائم ہو جائے۔

(2) ﴿لَا تَخْفَى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ﴾ ”تم سے کوئی چھپی ہوئی چیز چھپی نہ رہ جائے گی“ تمہارے جسم اور اعمال چھپ نہیں سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ غیب اور حاضر کا علم رکھتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا تَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ﴾ ”اللہ تعالیٰ سے اُن کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہوگی۔“ (المومن: 16)

(3) تمام انسان ننگے بدن، ننگے پاؤں، غیر مختون حالت میں ایک ہموار میدان میں جمع کیے جائیں گے۔ پکارنے والے کی آواز ان تک پہنچے گی اور ان سب تک نگاہ پہنچے گی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اعمال کی جزا دے گا۔

(4) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”لوگو! حساب لیے جانے سے پہلے اپنا حساب لے لو۔ وزن اعمال سے پہلے اپنے نفس تول لو اور بڑی پیشی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ آج کے حساب سے تمہارے لیے کل قیامت کے دن والے حساب میں آسانی ہو جائے گی۔“ (ابن ابی الدنیا)

(5) ایک حدیث میں ہے قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی: پہلی دو پیشیوں پر تو لوگ حیلے بہانے اور جھگڑے کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی پر اعمال نامے اڑائے جائیں گے اور کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں آئیں گے۔ (ابن ماجہ) (ترمذی: 2425)

﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَآؤُمْ أَقْرَبُوا كِتَابِيَةَ﴾

”سو جس کو اُس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا: ”لو! میرا نامہ اعمال پڑھو“ (19)

سوال: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ۖ فَيَقُولُ هَآؤُمْ أَقْرَبُوا كِتَابِيَةَ﴾ ”سو جس کو اُس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا: ”لو! میرا نامہ اعمال پڑھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ﴾ ”سو جس کو اُس کا نامہ اعمال اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا“ ان خوش نصیب لوگوں کا تذکرہ ہے جن کے اعمال نامے ان کی شان بلند کرنے کے لیے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ اس سے انہیں بہت خوشی ہوگی۔

(2) ﴿فَيَقُولُ﴾ ”تو وہ کہے گا:“ یعنی وہ خوشی سے جس سے ملیں گے مسکرا کر کہیں گے۔

(3) ﴿هَآؤُمْ أَقْرَبُوا كِتَابِيَةَ﴾ ”لو! میرا نامہ اعمال پڑھو“ میرا اعمال نامہ تو پڑھیے۔ یہ جنت کی بشارت ہے، یہ مغفرت اور عیبوں کو ڈھانپنے کی خبر ہے۔ اس میں برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں اور جس چیز نے مجھے یہاں تک پہنچایا وہ قیامت اور حساب کتاب پر ایمان

سے راضی ہوں گے اور اس کے بدلے کسی اور چیز کو منتخب نہیں کریں گے۔ (تفسیر سعید: 3/2831)

﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾

”عالی مقام جنت میں“ (22)

سوال: ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ ”عالی مقام جنت میں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ﴾ ”عالی مقام جنت میں“ یعنی بلند و بالا اسد بہار جنتوں میں ہوں گے۔ ان کے محل اونچے ہوں گے۔

(2) کسی نے نبی ﷺ سے پوچھا: کیا جنتی آپس میں ملاقات بھی کریں گے؟ فرمایا: کیوں نہیں بلند درجوں والے، نیچے درجے والوں کے پاس ملاقات کے لیے اتریں گے، انہیں سلام کریں گے اور مبارکباد دیں گے۔ ہاں نیچے درجے والے ایمان کی کمی کی وجہ سے اوپر نہیں چڑھ سکیں گے۔ (ابن ابی حاتم)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔“ (بخاری: 2790)

﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾

”جس کے پھل قریب ہوں گے“ (23)

سوال: ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ ”جس کے پھل قریب ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ﴾ ”جس کے پھل قریب ہوں گے“ یعنی جنت کے درختوں کی شاخیں پھلوں سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ اور اہل جنت کے اتنے قریب ہوں گی کہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ہر حالت میں ان کو حاصل کر سکیں گے۔

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَتَيْتُمَا مَا آسَلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾

”مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے“ (24)

سوال: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَتَيْتُمَا مَا آسَلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ ”مزے سے کھاؤ پیو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا﴾ ”مزے سے کھاؤ پیو“ عزت اور احترام سے اہل جنت سے کہا جائے گا جو جی چاہے لذیذ کھانے کھاؤ اور مزے دار مشروب پیو۔ (2) ﴿هَتَيْتُمَا﴾ ”مزے سے“ یعنی ناگواری کے بغیر مزے سے کھاؤ پیو۔

(3) ﴿يَمَّا أَسْأَلْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ ”اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے“ جو اعمال تم نے دنیا میں کیے یعنی نماز، روزہ، صدقات، ذکر الہی، رجوع الی اللہ، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک، یہ اعمال تمہارے جنت میں داخلے کا سبب بنے ہیں۔ ان نعمتوں کو تمہارے اعمال کی وجہ سے تمہارے لیے مقدر کیا گیا ہے۔

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میانہ روی اختیار کرو اور قریب قریب رہو اور خوش رہو، جان رکھو کہ کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ بھی نہیں؟ فرمایا: ”(ہاں!) میں بھی نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت میں ڈھانپ لے۔“ (بخاری: 6467)

﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَةَ﴾

”لیکن جس کو اُس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: ”اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا!“ (25)

سوال: ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ ۖ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَةَ﴾ ”لیکن جس کو اُس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ کہے گا: ”اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا!“ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ پانے والوں کی ندامت کیسی ہوگی؟
جواب: (1) ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ﴾ ”لیکن جس کو اُس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا“ جب بد بخت لوگوں کے بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دیئے جائیں گے۔

(2) بائیں ہاتھ میں اعمال نامے دینے کا مقصد ان کی رسوائی ہوگا۔

(3) ﴿فَيَقُولُ﴾ ”تو وہ کہے گا“ وہ غم اور حزن سے کہے گا۔

(4) ﴿يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَةَ﴾ ”اے کاش! میرا نامہ اعمال مجھے نہ دیا جاتا!“ وہ اپنے اعمال نامے کو نہایت افسوس کے ساتھ دیکھ کر کہیں گے کاش! ہمیں اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا۔ یہ کتاب تو ابدی خسارے کی خبر دیتی ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ وَرَأَىٰ ظَهْرَهُ ۖ فَسَوْفَ يَدْعُوا ثُبُورًا ۗ وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ۗ﴾ ”مگر جس کو اُس کا نامہ اعمال اُس کے پیٹھ پیچھے سے دیا گیا۔ تو عنقریب وہ بڑی ہلاکت کو پکارے گا۔ اور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا۔“ (الانشاق: 10، 12)

﴿وَلَمْ آدْرِمَا حِسَابِيَةَ﴾

”اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟“ (26)

سوال: ﴿وَلَمْ آدْرِمَا حِسَابِيَةَ﴾ ”اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمْ آدْرِمَا حِسَابِيَةَ﴾ ”اور میں نہ جان پاتا کہ میرا حساب کیا ہے؟“ کاش میں بھولی ب سری داستان بن جاتا۔

(2) کاش مجھے دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا، نہ مجھ سے حساب کتاب لیا جاتا۔

﴿يَلِيَّتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾

”اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی!“ (27)

سوال: ﴿يَلِيَّتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ ”اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَلِيَّتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ ”اے کاش! وہی موت فیصلہ کن ہوتی!“ کاش میری موت کے بعد زندہ نہ کیا جاتا۔

(2) وہ موت کی تمنا کرے گا حالانکہ دنیا میں موت سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی چیز نہیں تھی۔ (جامع البیان: 66/29)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاؤُهُ وَيَقُولُ الْكُفْرُ يَلَيْتَنِي كُنْتُ

تُؤْتِيًا﴾ ”یقیناً ہم نے تمہیں اُس عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو قریب ہی ہے، جس دن انسان وہ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا،

اور کافر کہے گا: ”اے کاش میں مٹی ہوتا!“ (التہا: 40)

﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةُ﴾

”میرا مال میرے کام نہ آیا“ (28)

سوال: ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةُ﴾ ”میرا مال میرے کام نہ آیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيَّةُ﴾ ”میرا مال میرے کام نہ آیا“ آج میرا مال مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

(2) اس مال سے دنیا میں مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں اس کو اپنی نجات کے لیے آگے نہیں بھیج سکا اور اب اس کے نفع مند ہونے کا وقت گزر

گیا ہے۔

﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةُ﴾

”میری حکومت مجھ سے برباد ہو گئی“ (29)

سوال: ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةُ﴾ ”میری حکومت مجھ سے برباد ہو گئی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةُ﴾ ”میری حکومت مجھ سے برباد ہو گئی“ یعنی میری قوت اور حجت جاتی رہی۔ (البر الوفاہ: 1673)

(2) سلطان سے مراد دلیل و حجت اور دولت و حکومت ہو سکتی ہے۔ مقاتلؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ اقتدار ہے جو ہر شخص کو اپنے ہاتھ

پاؤں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز جب کافر کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ کہے گا ”هَلَكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةُ“

آج میرا اقتدار مجھ سے جاتا رہا۔ (اشرف الموحی: 678/1)

(3) ﴿سُلْطَانِيَةً﴾ سلطان کا لفظ بادشاہی اور اقتدار کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد وہ علاقہ ہے جو کسی شخص یا ادارہ یا سلطان کے زیر نگیں ہو اور اس پر اس کا تسلط ہو۔ سلطان کا دوسرا معنی حجت، دلیل اور برہان ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جتنی دلیلیں آخرت کے انکار پر دیا کرتا تھا۔ آج ان میں سے کوئی دلیل بھی مجھے یاد نہیں رہی۔ (تیسرا قرآن: 512/4)

﴿خُذُوا فُجُورًا﴾

”پکڑو اسے، اُسے طوق ڈال دو“ (30)

سوال: ﴿خُذُوا فُجُورًا﴾ ”پکڑو اسے، اُسے طوق ڈال دو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿خُذُوا فُجُورًا﴾ ”پکڑو اسے، اُسے طوق ڈال دو“ اللہ تعالیٰ داروغہ جہنم کو حکم دیں گے کہ انہیں سختی سے پکڑو اور ان کے گلے میں طوق ڈال دو۔ (2) یہ طوق اس کا گلا گھونٹ دے گا۔

﴿ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوَةً﴾

”پھر اُسے جہنم میں جھونک دو“ (31)

سوال: ﴿ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوَةً﴾ ”پھر اُسے جہنم میں جھونک دو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلْوَةً﴾ ”پھر اُسے جہنم میں جھونک دو“ یعنی اسے جہنم کی طرف گھسیٹ لاؤ۔ اس کے انگاروں اور شعلوں پر اسے دھکا دے دو۔

﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعًا فَاَسْلُكُوهُ﴾

”ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے اس کو جکڑ دو“ (32)

سوال: ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعًا فَاَسْلُكُوهُ﴾ ”ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے اس کو جکڑ دو“ اہل جہنم کے لیے لمبی اور بھاری زنجیریں ہوں گی، اس عذاب کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعًا فَاَسْلُكُوهُ﴾ ”ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے“ یعنی اہل جہنم کو ایسی لمبی لمبی زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا جس کے ہر حلقے میں دنیا کا تمام لوہا آجائے گا۔ (کب احبار) یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے ستر ہاتھ لمبی ہوں گی۔ (ابن عباس) زنجیروں کو منہ اور در (پیٹھ) سے نکال کر ان میں اس طرح پرودے جاکیں گے جیسے گوشت سلاخ میں بھوننے کے لیے پرو دیا جاتا ہے۔ (ابن عباس) ایک روایت میں ہے کہ مقعد میں ڈال کر تنوں سے نکال لی جائیں گی تاکہ پیروں پر کھڑا نہ ہو جائے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّا آَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا﴾ ”یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق

اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔“ (الرحمہ: 4)

(3) ﴿إِذِ الْأَغْلُلُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْعَبُونَ﴾ (٤١) فِي الْحَبِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٤٢﴾ ”جب طوق اور زنجیریں اُن کی گردنوں میں ہوں گے، وہ گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔“ (المومن: 72، 71)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی بڑا سا پتھر آسمان سے زمین پر پھینکا جائے اور یہ فاصلہ پانچ سو سال کا ہے تو زمین پر وہ رات سے پہلے پہلے آجائے گا، لیکن اگر اسی کو (جہنمیوں کے باندھنے کی) زنجیر کے ایک سرے سے چھوڑا جائے تو دوسرے سرے سے پہلے آجائے گا۔ (ترمذی: 2588)

﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾

”وہ عظیم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا“ (33)

سوال: ﴿إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ ”وہ عظیم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ كَانَ﴾ ”یقیناً وہ“ یعنی دنیا میں۔

(2) ﴿لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ﴾ ”عظیم اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا تھا“، یعنی دنیا میں وہ اپنے رب پر، اس کے رسولوں پر اور جو وہ لے کر آئے اس پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

﴿وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ﴾

”اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا“ (34)

سوال: ﴿وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ﴾ ”اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَحْضُ عَلَى طَعَامِ الْمَسْكِينِ﴾ ”اور نہ ہی مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا“، مسکین کو کھانا کھلانا وہ اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اس کے حقوق ادا کرتا ہے اور حقوق العباد کے بارے میں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہے۔

(2) یعنی اس کے دل میں رحم نہیں تھا کہ اس بنا پر فقر اور مسکین پر رحم کرتا۔ وہ اپنے مال میں سے ان کو کھانا کھلاتا نہ دوسروں کو ترغیب دیتا تھا کہ وہ ان کو کھانا کھلائیں کیونکہ اس کا دل ملامت کرنے والے ضمیر سے خالی تھا۔ سعادت اور اس کے مادے کا دار و مدار دو امور پر ہے:

(i) اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص جس کی بنیاد ایمان باللہ ہے۔ (ii) احسان کی تمام اقسام کے ذریعے سے مخلوق پر احسان کرنا جن میں سے سب سے بڑا احسان محتاجوں کو کھانا کھلانا کی ضرورت پوری کرنا ہے۔ مگر ان لوگوں کے پاس اخلاص ہے نہ احسان، اس لیے وہ اسی چیز کے مستحق ہیں جس کا استحقاق انھوں نے ثابت کیا ہے۔ (تفسیر صدی: 3/2832، 2833)

﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ﴾

”سو آج یہاں اُس کا کوئی غم خوار دوست نہیں“ (35)

سوال: ﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ﴾ ”سو آج یہاں اُس کا کوئی غم خوار دوست نہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنًا حَمِيمٌ﴾ ”سو آج یہاں اُس کا کوئی غم خوار دوست نہیں“ یعنی قیامت کے دن کوئی دوست اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں چھڑا سکے گا نہ دوست، نہ رشتے دار، نہ وہ جن کی خاطر ساری زندگی لگا دی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْأَرْفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كَآظِمِينَ مِمَّا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَسِيمٍ وَلَا شَافِعِينَ يُطَاعُ﴾ ”اور آپ انہیں قریب آنے والی قیامت کے دن سے ڈرائیں جب دل حلق کے پاس غم سے بھرے ہوں گے اور ظالموں کا نہ کوئی جگری دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارشی، جس کی بات مانی جائے۔“ (المومن: 18)

﴿وَلَا طَعَامًا إِلَّا مِنْ غَسَلِينَ﴾

”اور نہ پیپ کے سوا اُس کے لیے کوئی کھانا ہے“ (36)

سوال: ﴿وَلَا طَعَامًا إِلَّا مِنْ غَسَلِينَ﴾ ”اور نہ پیپ کے سوا اُس کے لیے کوئی کھانا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَلَا طَعَامًا إِلَّا مِنْ غَسَلِينَ﴾ ”اور نہ پیپ کے سوا اُس کے لیے کوئی کھانا ہے“ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غسلین وہ خون اور پانی ہے جو جنہیوں کے گوشت سے بہے گا۔ (السرہ الحدیث: 20/2119)

(2) سیدنا سخاک رضی اللہ عنہ اور سیدنا ربیع بن اللہؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک درخت ہے جسے دوزخی کھائیں گے۔ سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ ایک بدترین قسم کا کھانا ہے۔ سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی اور زقوم کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ (شرف الموحش: 1/6781)

(3) اہل جہنم کی پیپ اپنی بدبو، ذائقے اور کراہٹ میں اپنی انتہا پر ہوگی۔

﴿لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾

”جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا“ (37)

سوال: ﴿لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾ ”جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾ ”جسے خطا کاروں کے سوا کوئی نہیں کھاتا“ جہنم کا کھانا خطا کاروں کے لیے ہوگا جنہوں نے سیدھا راستہ چھوڑا اور جہنم کے راستے پر چلے۔

رکوع نمبر 6

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾

”پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی بھی جنہیں تم دیکھتے ہو!“ (38)

سوال: ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾ ”پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی بھی جنہیں تم دیکھتے ہو!“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ﴾ ”پس نہیں میں قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی بھی جنہیں تم دیکھتے ہو!“ نزول وحی کے اثبات اور قرآن کی تعظیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی قسم کھائی ہے جنہیں مخلوق دیکھ سکتی ہے۔

(2) انسان مادی چیزوں کو دیکھتا ہے جنہیں حواس سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔

(3) اسماء و صفات پر دلالت کرنے والی کائنات کی نظر آنے والی اور نہ نظر آنے والی نشانیوں کی قسم کھا کر قرآن مجید کا یقین دلایا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

﴿وَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾

”اور اُن کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے!“ (39)

سوال: ﴿وَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ ”اور اُن کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے!“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَمَا لَا تُبْصِرُونَ﴾ ”اور اُن کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے!“ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی بھی قسم کھائی ہے جو مخلوق نہیں دیکھ سکتی۔ اس میں اس کا نفس مقدس بھی شامل ہے۔ (2) یعنی اس کی قدرت کے آثار تو تم دیکھ سکتے ہو لیکن اسرار نہیں دیکھ سکتے۔ (تفسیر مراثی: 10/192)

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾

”یقیناً وہ ایک معزز پیغام لانے والے کا قول ہے“ (40)

سوال: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ ”یقیناً وہ ایک معزز پیغام لانے والے کا قول ہے“ قرآن کو بزرگ رسول کا قول کہنے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ﴾ ”یقیناً وہ ایک معزز پیغام لانے والے کا قول ہے“ بزرگ رسول یعنی محمد ﷺ۔

(2) قرآن کو بزرگ رسول کا کلام مجازی طور پر کہا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ اس کے مبلغ ہیں۔

(3) رسول کسی کا کلام پہنچاتا ہے اور جو پہنچاتا ہے وہ رسول کا نہیں ہوتا۔ گو رسول کی زبان سے ادا ہوتا ہے۔ لیکن ہوتا بھیجنے والے کا

ہے۔ رسول تو نقل کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تکویر میں اس کی نسبت ملکی رسول کی طرف کی گئی فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (۱۹) ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ (۲۰) مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ (۲۱)﴾ ”بلاشبہ یقیناً یہ ایک معزز پیغام پہنچانے والے کا قول ہے۔ جو قوت والا ہے، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے۔ وہاں اُس کی بات مانی جاتی ہے، امانت دار ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 2/2120)

(4) یہ قسم رسول اللہ ﷺ اور اس قرآن کی صداقت پر رکھائی ہے جسے آپ لے کر آئے ہیں، نیز اس بات پر کہ رسول کریم ﷺ نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچا دیا ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2834)

﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ﴾

”اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو“ (41)

سوال: ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ﴾ ”اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے، تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ ”اور وہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تمام بہتان طراز یوں سے پاک رکھا ہے۔ (جامع البیان: 70/29) (2) آپ ﷺ شاعر نہیں ہیں آپ لوگ جو الزام لگاتے ہو وہ جھوٹ ہے۔ (ابن القاسم: 1675)

(3) ﴿قَلِيلًا مَّا تُوْمِنُونَ﴾ ”تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو“ تمہارا ایمان کم اور اس کا دائرہ تنگ ہے۔ اگر تمہارا ایمان وسعت والا ہوتا تو تم قرآن کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی تسلیم کر لیتے۔ اور وہ شعر کی جنس نہیں ہے۔ (ابن القاسم: 1675)

﴿وَلَا يَقُولِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ﴾

”اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو“ (42)

سوال: ﴿وَلَا يَقُولِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ﴾ ”اور نہ کسی کاہن کا قول ہے، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَقُولِ كَاهِنٍ﴾ ”اور نہ کسی کاہن کا قول ہے“ یعنی قرآن کسی کاہن کا قول نہیں ہے۔ نہ یہ کاہنوں کے کلام کی طرح سمع و تصنع ہے۔ (ابن القاسم: 1674)

(2) ﴿قَلِيلًا مَّا تَدَّكُرُونَ﴾ ”تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو“ یعنی تم کم نصیحت قبول کرتے ہو۔ اگر زیادہ نصیحت قبول کرتے تو تم جان لیتے کہ قرآن کاہن کا کلام نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں سچائی ہے، حق اور ہدایت ہے۔ جس نے آپ ﷺ کو کاہن کہا اس نے گناہ کیا اور جھوٹی بات کہی۔ کیونکہ کاہنوں کا گوشت پوست جھوٹ کا ہوتا ہے اور جو وہ کہتا ہے، جھوٹ کہتا ہے۔ قرآن میں کاہنوں کا قول کہاں

ہے؟ اور محمد رسول اللہ ﷺ کہاں سے کاہن ہیں؟

﴿تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾

”یہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے“ (43)

سوال: ﴿تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”یہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”یہ جہانوں کے رب کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے“ جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئیں ہیں وہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور وہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ایسا کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے جلال اور اس کے کمال اور اس کے عظیم اور اپنی مخلوق سے بلند ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَنذِرِينَ عَذَابَ عَالَمِينَ﴾ ﴿تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ ﴿عَلَى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ﴾ ”اور بلاشبہ یہ یقیناً جہانوں کے رب کا نازل کیا ہوا کلام ہے۔ اسے روح الامین لے کر اترتا ہے۔ آپ کے دل پر تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔ واضح عربی زبان میں۔“ (اشراء: 192, 195)

(3) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا دیکھا کہ آپ ﷺ مسجد حرم میں پہنچ گئے ہیں، میں بھی گیا اور آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور آپ ﷺ نے سورہ الحاقہ شروع کی جسے سن کر مجھے اس کی پیاری نشست الفاظ اور بندش مضامین میں اور فصاحت و بلاغت پر تعجب آنے لگا آخر میں میرے دل میں خیال آیا کہ قریش ٹھیک کہتے ہیں یہ شخص شاعر ہے ابھی میں اسی خیال میں تھا کہ آپ ﷺ نے یہ آیتیں تلاوت کیں کہ یہ قول رسول کریم کا ہے شاعر کا نہیں تم میں ایمان ہی کم ہے تو میں نے کہا اچھا شاعر نہ سہی کاہن تو ضرور ہے، ادھر آپ ﷺ کی تلاوت میں یہ آیت آئی کہ یہ کاہن کا قول بھی نہیں ہے تم نے نصیحت کم ہی لی ہے۔ اب آپ ﷺ پڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے سورہ ختم کی، فرماتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ میرے دل میں اسلام پوری طرح گھر کر گیا اور روئیں روئیں میں اسلام کی سچائی گھس گئی۔ (ابن کثیر: 421) (مجمع الزوائد: 272/7)

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ﴾

”اور اگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لاتا“ (44)

سوال: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ﴾ ”اور اگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لاتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ﴾ ”اور اگر وہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لاتا“ بات گھڑ لانے سے مراد قرآن میں کمی بیشی کرنا ہے۔

(2) یعنی اگر رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹی باتیں بنائی ہوتیں، رسالت میں کمی بیشی کی ہوتی تو ہم عبرت ناک سزا دیتے۔

﴿لَا خَدَا مِئْهُ بِالْيَمِينِ﴾

”تو یقیناً ہم اُس کو اس کے دائیں ہاتھ سے پکڑتے“ (45)

سوال: ﴿لَا خَدَا مِئْهُ بِالْيَمِينِ﴾ ”تو یقیناً ہم اُس کو اس کے دائیں ہاتھ سے پکڑتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا خَدَا مِئْهُ بِالْيَمِينِ﴾ ”تو یقیناً ہم اُس کو اس کے دائیں ہاتھ سے پکڑتے“ یعنی ہم قوت کے ساتھ اسے دائیں ہاتھ سے پکڑتے تاکہ اسے قتل کر دیں۔

(2) یہ دستور ہے گردن مارنے کا کہ جلاد اس کا ہاتھ پکڑ رکھتا ہے اپنے بائیں ہاتھ میں تاکہ سرک نہ جائے۔ (مشروح) (اشرف المصنفین: 678/1)

﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾

”پھر یقیناً ہم اُس کی رگِ جان کاٹ دیتے“ (46)

سوال: ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾ ”پھر یقیناً ہم اُس کی رگِ جان کاٹ دیتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾ ”پھر یقیناً ہم اُس کی رگِ جان کاٹ دیتے“ ﴿وَتِينَ﴾ وہ رگ ہے جو دل کے قریب ہوتی ہے اگر وہ کٹ جائے تو انسان ہلاک ہو جاتا ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2834)

(2) یعنی ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کی شاہ رگ کاٹ ڈالتے جس سے دل کا سارا خون نکل جاتا۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2121)

(3) یہ بات رسول اللہ ﷺ کی سچائی کو بیان کرنے کے لیے کہی گئی۔

﴿فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنَّا حَجْرِينَ﴾

”پھر تم میں سے کوئی بھی اُس سے روکنے والا نہ ہوتا“ (47)

سوال: ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنَّا حَجْرِينَ﴾ ”پھر تم میں سے کوئی بھی اُس سے روکنے والا نہ ہوتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ عَنَّا حَجْرِينَ﴾ ”پھر تم میں سے کوئی بھی اُس سے روکنے والا نہ ہوتا“ یعنی کوئی ہماری مزاحمت نہیں کر سکتا تھا اور نہ کوئی ہم سے چھڑا سکتا تھا۔ (سراج البصیر: 2/2121)

(2) یعنی کوئی اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکتا۔

(3) پس جب اللہ تعالیٰ نے معجزات کے ذریعے سے اپنے رسول ﷺ کی مدد فرمائی اور جو کچھ لے کر وہ مبعوث ہوا اس کی صداقت پر واضح

نشانیوں کے ساتھ دلائل و براہین دیے، اس کے دشمنوں کے خلاف اسے فتح و نصرت سے نوازا اور ان کی پیشانیاں اس کے قبضے میں دے دیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی رسالت پر سب سے بڑی گواہی ہے۔ یہاں سزا دینے کی بات ہی صداقت کی دلیل کے لیے کی گئی ہے۔ ﴿فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ﴾ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ہلاک کرنا چاہے تو آپ خود اس کی ہلاکت سے بچ سکتے ہیں نہ کوئی اس پر قدرت رکھتا ہے کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے۔ (تیسری صدی: 2834, 2835/3)

﴿وَإِنَّهُ لَتَدْعُو كَرَّةً لِلْمُتَّقِينَ﴾

”اور یقیناً وہ اُن کے لئے بلاشبہ ایک نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے ہیں“ (48)

سوال: ﴿وَإِنَّهُ لَتَدْعُو كَرَّةً لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”اور یقیناً وہ اُن کے لئے بلاشبہ ایک نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّهُ﴾ ”اور یقیناً وہ“ یعنی یہ قرآن مجید۔

(2) ﴿لَتَدْعُو كَرَّةً لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”اُن کے لئے بلاشبہ ایک نصیحت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے ہیں“ یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے روکے سے رک جاتے ہیں۔ یہ قرآن ان متقیوں کے لیے بڑی بھاری نصیحت ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَجَبًا لَقَالُوا آلَؤَلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ أَءِتَجَمَّيْتُ وَعَرَ بِي ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً ۗ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۗ أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ ۖ بَعِيدٍ﴾ ”اور اگر ہم اس کو عجیب قرآن بناتے تو وہ کہتے کہ کیوں نہ اس کی آیات کھول کر بیان کی گئیں؟ کیا عجیب (کلام) اور عربی (رسول)؟ آپ کہہ دیں کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لئے ہدایت اور شفا ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے یہ اُن کے کانوں میں بوجھ ہے اور وہ اُن کے حق میں اندھا پن ہے، یہی لوگ ہیں جنہیں دُور کی جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔“ (نصرت: 44)

(4) وہ اپنے دین و دنیا کے مصالِح کے بارے میں اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ پس وہ اس کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، چنانچہ وہ ان کو عقائد دینیہ، اخلاق حسنہ اور احکام شرعیہ کی یاد دہانی کراتا ہے۔ پس وہ علمائے ربانی، عباد عارفین اور ائمہ مہدیین بن جاتے ہیں۔ (تیسری صدی: 2835/3)

﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ﴾

”اور یقیناً ہم ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں“ (49)

سوال: ﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ﴾ ”اور یقیناً ہم ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُكَذِّبِينَ﴾ ”اور یقیناً ہم ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ تم میں سے کچھ لوگ جھٹلانے والے بھی ہیں“ قرآن تو ایسی کتاب ہے جو کمال درجے کی وضاحت کرنے والی ہے۔ اس کے باوجود بعض لوگ نہیں مانیں گے۔ (2) اس میں نبی ﷺ کو جھٹلانے والوں کے لیے وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں عبرت ناک سزا دے گا۔

﴿وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

”اور بلاشبہ یقیناً وہ کافروں کے لیے پچھتاوا ہے“ (50)

سوال: ﴿وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً وہ کافروں کے لیے پچھتاوا ہے“ قرآن کی تکذیب قیامت کے دن باعث ندامت ہوگی اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً وہ کافروں کے لیے پچھتاوا ہے“ ابن جریر کہتے ہیں کہ قیامت کے دن تکذیب کافروں کے لیے حسرت بن جائے گی۔ (الاساس: 11/1617)

(2) نسفی نے کہا کہ کافروں پر قرآن اس وقت حسرت بن جائے گا جب جھٹلانے والے تصدیق کرنے والوں کا اجر و ثواب دیکھیں گے۔ (الاساس: 11/1618)

(3) ﴿رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا بسا اوقات وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے!“ (الحجر: 02)

(4) جن لوگوں نے قرآن سے راہنمائی حاصل نہ کی اس کے احکامات کو نہ مانا وہ ثواب کھو بیٹھیں گے اور شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر جہنمی جنت میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے کاش اللہ مجھے ہدایت دیتا اور وہ اس کے لئے باعث حسرت بنے گا اور ہر جنتی جہنم میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں اس جگہ ہوتا اور وہ دیکھتا اس کے لئے باعث شکر بنتا ہے پھر رسول اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِن تَقُولْ نَفْسٌ لِّحَسْرَتِي﴾ قیامت کے روز کوئی آدمی یہ نہ کہے گا ”افسوس میری اس تفسیر پر جو میں اللہ کی جناب میں کرتا رہا۔“ (سورہ الزمر: 56) اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ (مستدرک حاکم)

﴿وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾

”اور یقیناً وہ بالکل یقینی حق ہے“ (51)

سوال: ﴿وَأِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ﴾ ”اور یقیناً وہ بالکل یقینی حق ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ﴾ ”اور یقیناً وہ بالکل یقینی حق ہے“ یعنی یہ یقینی حق ہے جو ثابت شدہ ہے۔

(2) یعنی علم کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے کیونکہ علم کا بلند ترین مرتبہ یقین ہے اور یقین، علم ثابت کو کہا جاتا ہے جو کبھی متزلزل ہوتا ہے نہ زائل ہوتا ہے۔ یقین کے تین مراتب ہیں ان میں سے ہر مرتبہ ماقبل مرتبے سے بلند تر ہے: اول: علم الیقین وہ علم ہے جو خبر سے مستفاد ہوتا ہے۔ ثانی: عین الیقین وہ علم ہے جس کا ادراک حاسہ بصر سے ہوتا ہے۔ ثالث: حق الیقین وہ علم جس کا ادراک حاسہ ذوق و بس سے ہوتا ہے۔ اس قرآن میں حق الیقین کا وصف پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں جو علوم مذکور ہیں قطعی دلائل و براہین سے ان کی تائید ہوتی ہے اور اس میں جو حقائق اور معارف ایمانی ہیں وہ اسے حاصل ہوتے ہیں جس نے حق الیقین کا ذائقہ چکھا ہے۔ (تیسری صدی: 2835/3)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنی آنکھوں سے معاملہ دیکھنے والا اور صرف خبر سننے والا (البحاظ اطمینان) برابر نہیں ہوتے۔“ (ابن حبان: 6214، مستدرک حاکم: 3250)

﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾

”چنانچہ آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کریں“ (52)

سوال: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ”چنانچہ آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ ”چنانچہ آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کریں“ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے پاک جانیں جو اس کے جلال کے لائق نہیں اور اس کے اوصاف کا ذکر کر کے اس کی پاکی بیان کریں۔

(2) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ: ﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رکوع میں پڑھا کرو اور جس وقت یہ آیت کریمہ: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو بحالت سجدہ پڑھا کرو۔ (ابوداؤد: 869)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کو بہت پسند ہیں جو زبان پر بلکہ ہیں اور قیامت کے دن اعمال کے ترازو میں بوجھل باوزن ہونگے۔ وہ کلمات مبارک یہ ہیں ﴿سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ﴾ سبحان اللہ العظیم۔ (صحیح بخاری: 7563)

(4) ”سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ نے سورہ البقرہ شروع فرمادی تو میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ﷺ سو آیات پر رکوع فرمائیں گے۔ پھر آپ آگے چلے، میں نے (دل میں) کہا کہ آپ ﷺ اس سورہ

کو دور کعتوں میں پوری فرمائیں گے۔ پھر آگے چلے میں نے (دل) میں کہا کہ آپ اس ایک پوری سورت پر رکوع فرمائیں گے۔ (اس بعد) پھر آپ ﷺ نے سورہ نساء شروع فرمادی پوری سورہ پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے سورہ آل عمران شروع فرمادی۔ اس کو آپ ﷺ نے ترتیل اور خوبی کے ساتھ پڑھا۔ جب آپ ﷺ اس آیت سے گزرتے کہ جس میں تسبیح ہوتی تو آپ ﷺ سبحان اللہ کہتے اور جب آپ ﷺ کسی ایسے سوال سے گزرتے تو آپ ﷺ سوال فرماتے اور جب آپ ﷺ تعوذ والی آیت پر سے گزرتے تو آپ ﷺ پناہ مانگتے۔“ (مسلم: 1814) (5) آپ قرآن مجید نازل کرنے والے کے نام مبارک کی پاکیزگی بیان کرتے رہیں۔ سبحان ربی العظیم۔

﴿اب آھا ۴۳﴾ ﴿سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۷۹﴾ ﴿رُكُوْعَاتُهَا ۲﴾

سوال 1: سورہ معارج کہاں نازل ہوئی اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورہ معارج مکی سورت ہے اس میں 2 رکوع اور 44 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 70 ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 89 ہے۔

رکوع نمبر 7

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

﴿سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾

”سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا ہے“ (1)

سوال: ﴿سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ ”سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کا سوال کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَأَلْ سَائِلٌ﴾ ”سوال کرنے والے نے سوال کیا ہے“ یعنی طلب کرنے والے نے طلب کیا۔

(2) ﴿بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ ”واقع ہونے والے عذاب کا“ جلد نازل ہونے والے عذاب کی خواہش کی ہے۔

(3) عذاب الہی کا مطالبہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ عذاب الہی کو مشکل سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو عذاب نازل کرنے سے عاجز سمجھتے تھے۔

(4) نسائی اور ابن ابی حاتم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سأل سائل سے مراد نضر بن حارث ہے اس نے کہا تھا:

﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ اثْبِتْنَا بِعَذَابٍ إِلَيْهِمْ﴾ اور جب انہوں نے کہا: ”اے اللہ! اگر یہ واقعی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آ۔“ (الافعال: 32) ابن منذر نے حسن سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿سَأَلْنَا سَائِلًا بِعَذَابٍ وَاقِعٍ﴾ اس پر یہ لوگ کہنے لگے کہ کس پر عذاب واقع ہوگا تب اللہ تعالیٰ نے یہ جملہ نازل فرمایا ﴿لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ﴾ اور وہ عذاب کافروں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا کہ آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے جس سے فرشتے اور جبریل امین اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں، ایسے دن میں کہ جس میں فرشتوں کے علاوہ اوروں کے چڑھنے کے لیے اس کی مقدار دنیا کے پچاس ہزار سال کے برابر ہے یا یہ کہ کافروں پر عذاب ایسے دن میں واقع ہوگا جس کی تعداد پچاس ہزار سال کے برابر ہے یا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کا کوئی اور حساب لینے لگے تو وہ پچاس ہزار سال میں بھی فارغ نہیں ہوگا۔ (تفسیر ابن عباس: 411/3)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ﴾ ”اور یہ لوگ آپ سے عذاب کو جلدی مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔“ (الحج: 47)

(5) کوئی عذاب نازل ہونے سے پہلے روک سکتا ہے نہ نازل ہونے کے بعد اس کو الٹا سکتا ہے۔

﴿لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ﴾

”کافروں کے لیے، اُس کو ہٹانے والا کوئی نہیں“ (2)

سوال: ﴿لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ﴾ ”کافروں کے لیے، اُس کو ہٹانے والا کوئی نہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِلْكَافِرِينَ لَيْسَ لَهُ دَافِعٌ﴾ ”کافروں کے لیے، اُس کو ہٹانے والا کوئی نہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب کافروں کے لیے تیار رہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ عذاب آ کر رہے گا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْ لَأَجَلَ مُسْتَسْتَجِبٌ لِحُجَّتِهِمْ الْعَذَابُ ط وَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ط وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ط يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ط﴾ ”اور وہ آپ سے جلد عذاب مانگتے ہیں اور اگر ایک مدت مقررہ نہ ہوتی تو اُن پر عذاب ضرور آجاتا اور یقیناً وہ اُن پر اچانک آئے گا حالانکہ وہ شعور بھی نہ رکھتے ہوں گے۔ وہ آپ سے جلد عذاب مانگتے ہیں اور یقیناً جہنم کافروں کو گھیرنے والی ہے۔ جس دن عذاب انہیں ان کے اوپر سے ڈھانک لے گا اور اُن کے قدموں کے نیچے سے بھی اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ چکھو (اس کا مزہ) جو کچھ تم کرتے تھے۔“ (الحکوت: 53، 55)

(3) اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی ہوتی، اس کی عظمت، اس کی وسعت سلطنت اور اس کے اسماء اور صفات کو پہچانا ہوتا تو وہ کبھی جلدی نہ مچاتے بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور ادب اختیار کرتے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کا ذکر فرمایا جو ان کے اقوال قیجہ کی ضد ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2836)

﴿مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾

”اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں والا ہے“ (3)

سوال: ﴿مِنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) معارج (مِعْرَاجٌ اور معراج کی جمع) عَرَجٌ میں دو باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں۔ جھکاؤ اور بلندی اور عروج فی السلسلہ بمعنی سیرھی یا زینہ پر چڑھنا۔ سیرھی پر چڑھنے کے لیے آگے کی طرف جھکنا بھی پڑتا ہے اور بلندی کی طرف چڑھنا عام چلنے کی نسبت دشوار بھی ہوتا ہے۔ نیز عروج کے معنی لنگڑا کر چلنا عَرَجٌ بمعنی لنگڑا۔ کیونکہ لنگڑا کر چلنے میں بھی یہ دو باتیں پائی جاتی ہیں آگے کو جھکاؤ بھی اور بلندی پر چڑھنے جیسی دشوار بھی۔ اور معراج کے معنی بلندی پر چڑھنے کا ذریعہ بھی یعنی سیرھی یا زینہ وغیرہ اور وہ بلند جگہ بھی جہاں پہنچنا مقصود ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوا تھا تو معراج سے مراد بلند مقام ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ آپ کو لے جانا چاہتا تھا۔ اور ﴿ذِي الْمَعَارِجِ﴾ کا معنی وہ بلند بلاذات جس کے سامنے سب بلندیایں ہیج ہوں، بلند سے بلند مقامات کا مالک ہے۔ گویا کافروں پر یہ ٹلنے والا عذاب ایسی بلند ذات کی طرف سے آئے گا۔ (تیسرا قرآن: 4/516)

(2) ذُو الْمَعَارِجِ درجوں یا بلندیوں یا بزرگوں یا سیرھیوں یا فضل و کرم والا یعنی یہ عذاب اس کا ہوگا جو ان صفتوں والا ہے۔ (سراج المیر: 2/2122)

(3) یہ عذاب اس ہستی کی جانب سے ہوگا جو بلندی، جلال اور عزت کا مالک ہے۔ مخلوقات کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔

﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُ أَلْفِ سَنَةٍ﴾

”فرشتے اور روح اُس کی طرف چڑھیں گے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے“ (4)

سوال: ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُ أَلْفِ سَنَةٍ﴾ ”فرشتے اور روح اُس کی طرف چڑھیں گے ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ﴾ ”فرشتے اور روح اُس کی طرف چڑھیں گے“ اللہ تعالیٰ بلندی، جلال اور عزت کا مالک ہے۔ مخلوقات کی تدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کرتے ہیں جس کی تدبیر پر انہیں مقرر کیا گیا ہے۔

(2) روح اسی کی طرف بلند ہوتی ہے۔

(3) یہ اسم جنس ہے جو تمام ارواح کو شامل ہے، خواہ نیک ہوں یا بد، اللہ تعالیٰ کی طرف ارواح کا بلند ہونا، وفات کے وقت ہے۔ نیک لوگوں کی ارواح اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کرتی ہیں انہیں ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف بلند ہونے کی اجازت دے دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ارواح اس آسمان پر پہنچ جاتی ہیں جس میں اللہ تعالیٰ ان کا رب تشریف فرما ہے، یہ ارواح اللہ تعالیٰ کے حضور توجیہ و سلام پیش کرتی ہیں، اس کے قرب سے سرفراز ہوتی ہیں اور اس کے قرب سے خوشی اور سرور حاصل کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ثناء، اکرام، بھلائی اور بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ رہیں فساق و فجار کی ارواح تو وہ عروج کرتی ہیں جب وہ آسمان پر پہنچتی ہیں تو آنے کی اجازت طلب کرتی ہیں مگر ان کو اجازت نہیں دی جاتی اور ان کو زمین کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مسافت کا ذکر فرمایا جس کو طے کر کے فرشتے اور روح اللہ تعالیٰ کی طرف عروج کرتے ہیں، نیز یہ کہ وہ ان اسباب کے ذریعے سے ایک دن میں عروج کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسان کیے ہیں اور اوپر چڑھنے میں ان کی لطافت، خفیت اور سرعت رفتار ان کی اعانت کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، عام عادی رفتار کے مطابق، یہ مسافت ابتدائے عروج سے لے کر اس حد تک جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے اور ملاء اعلیٰ تک، پچاس ہزار برس کے برابر ہے۔

(تفسیر سہی، 2836، 2837/3)

(4) ﴿فِي يَوْمِهِ كَانَ وَمُقَدَّرًا كَأَحْمَسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ﴾ ”ایک ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔“ یہ مقدار عروج کی ابتدا سے لے کر اس حد تک ہے جو ان کے لیے مقرر کی گئی ہے اور ملاء اعلیٰ تک 50 ہزار برس مقرر کی گئی ہے۔

(5) 50 ہزار سال والے دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قیامت کا دن کافروں کے لیے پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

(6) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی سونے اور چاندی کا مالک اس میں سے اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کے تختے بنائے جائیں گے، پھر دوزخ کی آگ سے انہیں خوب گرم کر کے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔ جب وہ ٹھنڈے ہو جائیں گے تو دوبارہ گرم کر لیے جائیں گے (اور پھر داغ دیا جائے گا) اس روز جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، مسلسل یہ کام ہوتا رہے گا، بالآخر جب بندوں کا فیصلہ ہو جائے گا تو اسے یا تو جنت کا راستہ بتا دیا جائے گا یا دوزخ کا۔“ (مسلم: 2290)

﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا﴾

”چنانچہ آپ صبر کریں، بہت اچھا صبر“ (5)

سوال: ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا﴾ ”چنانچہ آپ صبر کریں، بہت اچھا صبر“ نبی ﷺ کو صبر کی تلقین کی گئی اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا﴾ ”چنانچہ آپ صبر کریں، بہت اچھا صبر“ اللہ رب العزت نے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

اے نبی ﷺ آپ نے اپنی قوم کو دعوت دی اور وہ جھٹلا کر آپ ﷺ کا دل دکھا رہی ہے اور قیامت اور عذاب کے لئے جلدی مچا رہی ہے کیونکہ انہیں یقین نہیں کہ وہ آنے والے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ ۗ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارِؤْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ ”اُسے وہی لوگ جلدی مانگتے ہیں جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو لوگ ایمان لائے وہ اُس سے ڈرنے والے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یقیناً وہ حق ہے۔ سن لو! یقیناً جو لوگ قیامت کے بارے میں آپس میں جھگڑتے ہیں یقیناً وہ دُور کی گمراہی میں ہیں۔“ (اشوری: 18)

(2) آپ ﷺ اس پر صبر جمیل سے کام لیں اور دل پر ملال نہ آنے دیں۔ اپنے رب کے حکم پر قائم رہیں ان کا رویہ آپ ﷺ کو دعوت دینے سے نہ روکے۔ صبر کرنے میں خیر کثیر ہے۔

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے کہ اسے ہمیشہ ہوا جھکاتی رہتی ہے اور مومن کو بھی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی طرح ہے جو حرکت نہیں کرتا یہاں تک کہ جڑ سے اکھڑ دیا جاتا ہے۔“ (مسلم: 7092)

﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾

”یقیناً وہ اُسے دُور سمجھتے ہیں“ (6)

سوال: ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ ”یقیناً وہ اُسے دُور سمجھتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا﴾ ”یقیناً وہ اُسے دُور سمجھتے ہیں“ وہ قیامت کو یا عذاب کو دُور دیکھتے ہیں۔

(2) جس پر بدبختی غالب آجائے وہ اس چیز کو بھی دُور دیکھتا ہے جو اس سے قریب ہو۔

﴿وَوَزَّرْنَا الْقَرِيبًا﴾

”اور ہم اُسے قریب دیکھتے ہیں“ (7)

سوال: ﴿وَوَزَّرْنَا الْقَرِيبًا﴾ ”اور ہم اُسے قریب دیکھتے ہیں“ آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَزَّرْنَا الْقَرِيبًا﴾ ”اور ہم اُسے قریب دیکھتے ہیں“ اللہ تعالیٰ کو یہ دن قریب نظر آتا ہے جسے آنا ہے وہ آکر رہے گا اور آنے والا قریب ہی ہے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿اقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ﴾ ”لوگوں کے لیے اُن کا حساب قریب آگیا اور وہ غفلت میں منہ موڑنے والے ہیں۔“ (الانعام: 1)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جس طرح یہ دو انگلیاں (شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی)۔“ (بخاری: 6505)

﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ﴾

”اس دن آسمان گھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا“ (8)

سوال: ﴿يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ﴾ ”اس دن آسمان گھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا“ آیت کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿يَوْمَ﴾ ”اس دن“ یعنی قیامت کے دن جس میں یہ واقعات پیش آئیں گے۔

(2) ﴿تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ﴾ ”آسمان گھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا“ مہل کے معنی پگھلا ہوا تانبا بھی اور تیل کی تپھٹ بھی۔ اور ان دونوں چیزوں کی رنگت سرخی مائل ہوتی ہے۔ یعنی آج تو ہمیں آسمان نیلگوں نظر آتا ہے اس دن یہ اپنا رنگ بدلنا شروع کر دے گا حتیٰ کہ نیلگوں ہونے کی بجائے سرخی مائل ہو جائے گا۔ (تیسرا قرآن: 517/4)

(3) آسمان پھٹ جانے کی وجہ سے گھلے ہوئی تانبے کی طرح ہو جائے گا۔

﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾

”اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے“ (9)

سوال: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ ”اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ﴾ ”اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے“ اور پہاڑ دھنکی ہوئی اون کی طرح ہوں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ﴾ ”اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہو جائیں گے۔“ (القارنہ: 05)

(2) اس کے بعد اڑتا ہوا غبار بن جائیں گے اور ختم ہو جائیں گے۔ جب ان بڑے بڑے اجرام پر یہ گھبراہٹ اور بے قراری طاری ہوگی تو اس کمزور بندے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کی کمر کو گناہوں کے بوجھ نے بوجھل کر رکھا ہوگا؟ کیا وہ اس لائق نہ ہوگا کہ اس کا دل اکھڑ جائے اس کی عقل و خرد زائل ہو جائے اور وہ ہر ایک سے غافل ہو جائے؟ (تیسری سہی: 2839/3)

﴿وَلَا يَسْتَلُّ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾

”اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا“ (10)

سوال: ﴿وَلَا يَسْتَلُّ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ ”اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَسْتَلْ حَمِيمٌ حَمِيمًا﴾ ”اور کوئی دلی دوست کسی دلی دوست کو نہ پوچھے گا“ قیامت کے دن ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی۔

(2) ﴿حَمِيمٌ﴾ سے مراد قریبی ہے، یعنی قریبی دوست، وہ اپنے دوست کو دیکھے گا مگر اس کے دل میں اتنی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ اس کا حال پوچھ سکے، نہ وہ ان امور کے بارے میں پوچھ سکے گا جو ان کی آپس کی معاشرت اور محبت کے متعلق ہوں گے، بس اسے اپنے آپ کا غم ہوگا۔
(تفسیر سہمی: 2839/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِزْلِهَا لَا يَجْعَلُ مِنْهَا شَيْئًا ۗ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ ”اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ سے لدی ہوئی جان اپنے بوجھ کے لیے پکارے گی تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو“ (طہ: 18)

(4) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ وَاحْشَوْا يَوْمَ مَا لَا يُحْزَنُ ۚ وَالِدٌ عَنِ ۖ وَالِدٍ ۖ وَلَا مَوْلُوهُ دُوهُ ۖ حَازٍ عَنِ ۖ وَالِدٍ ۖ شَيْئًا ۖ وَإِن ۖ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ۖ فَلَا تَغْفِرْ لَكُمْ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغْفِرْ لَكُمْ بِاللَّهِ الْعُزُورُ﴾ ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈر جاؤ اور اُس دن سے چنانچہ دنیا کی زندگی تمہیں بالکل دھوکے میں نہ ڈالے اور وہ بڑا دھوکے باز ہرگز تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ دے جائے۔“ (القصص: 33)

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جان پہچان والے ایک دوسرے سے کتر جائیں گے۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿لِكُلِّ أَمْرٍ ۖ مِنْهُمْ ۖ يَوْمَ مَعِدَتِنَا ۖ سَأَن ۖ يُعَذِّبُهُ﴾ ”اُس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی۔“ (ص: 37)

﴿يُبْصِرُ ۖ وَهُمْ ۖ يَوْمَ ۖ الْمَجْرِمُ ۖ لَوْ يَفْتَدِي ۖ مِنْ ۖ عَذَابِ ۖ يَوْمِ ۖ بِبَيْنِيهِ﴾

” (حالانکہ) وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) کاش

وہ فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو“ (11)

سوال: ﴿يُبْصِرُ ۖ وَهُمْ ۖ يَوْمَ ۖ الْمَجْرِمُ ۖ لَوْ يَفْتَدِي ۖ مِنْ ۖ عَذَابِ ۖ يَوْمِ ۖ بِبَيْنِيهِ﴾ ” (حالانکہ) وہ انہیں دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اُس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) کاش وہ فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو“ آخرت میں فدیہ بھی منظور نہیں ہوگا آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يُبْصِرُ ۖ وَهُمْ ۖ﴾ ” (حالانکہ) وہ انہیں دکھائے جائیں گے“ یعنی دوست دوستوں کو دیکھیں گے، ایک دوسرے کو پہچان لیں گے مگر بات نہیں کریں گے۔

(2) ﴿يَوْمَ الْمُجْرِمِ﴾ ”مجرم چاہے گا“ یعنی جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ثابت ہو جائے گا وہ چاہے گا۔

(3) ﴿لَوْ يَفْقَدُ بِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِ مَعِيذٍ بِبَيْتِي﴾ ”کہ اُس دن کے عذاب سے (بچنے کے لیے) کاش وہ فدیے میں دے دے اپنے بیٹوں کو“ یعنی اپنی اس اولاد کو فدیے میں دے دے جسے بیٹوں کے مقابلے میں وہ افضل سمجھتا تھا۔ مجرم چاہے گا اپنے جگر گوشے، اپنے بیٹے کو فدیہ میں دے کر اپنی جان بچالے، مگر اس دن فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

﴿وَصَاحِبَيْتِهِ وَأَخِيهِ﴾

”اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو“ (12)

سوال: ﴿وَصَاحِبَيْتِهِ وَأَخِيهِ﴾ ”اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَصَاحِبَيْتِهِ﴾ ”اور اپنی بیوی کو“ یعنی مجرم چاہے گا اپنی اس بیوی کو جس سے وہ محبت کرتا تھا اسے فدیہ میں دے کر اپنی جان بچالے۔ (2) ﴿وَأَخِيهِ﴾ ”اور اپنے بھائی کو“ یعنی اس بھائی کو فدیہ میں دے دے جو اس کا مددگار تھا، مگر اس دن فدیہ قبول نہیں ہوگا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ هَمَّ بِثَمَانٍ يُغْنِيهِ﴾ (۳۶) ”اُس دن آدمی اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے دور بھاگے گا۔ اُس دن اُن میں سے ہر شخص کی ایسی حالت ہوگی جو اُسے (دوسروں سے) بے نیاز کر دے گی۔“ (ص: 34، 37)

﴿وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُتَوِّئُهُ﴾

”اور اپنے قریبی خاندان کو جو اُسے جگہ دیتا تھا“ (13)

سوال: ﴿وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُتَوِّئُهُ﴾ ”اور اپنے قریبی خاندان کو جو اُسے جگہ دیتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَفَصِيلَتِهِ﴾ ”اور اپنے قریبی خاندان کو“ یعنی مجرم چاہے گا کہ اپنے اہل خاندان کو یعنی اپنے رشتے داروں کو اپنے بدلے میں دے کر خود جہنم کی آگ سے بچ جائے مگر اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

(2) ﴿الَّتِي تُتَوِّئُهُ﴾ ”جو اُسے جگہ دیتا تھا“ یعنی یہ اس قبیلے کا معاملہ ہوگا جو ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے۔

﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَّمَّا يُنْجِيهِ﴾

”اور اُن سب کو جو زمین میں ہیں۔ پھر وہ (فدیہ) اس کو نجات دلا دے“ (14)

سوال: ﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا لَّمَّا يُنْجِيهِ﴾ ”اور اُن سب کو جو زمین میں ہیں۔ پھر وہ (فدیہ) اس کو نجات دلا دے“

کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَنْ فِي الْأَرْضِ يُحْيِيهَا﴾ ”اور اُن سب کو جو زمین میں ہیں“ قیامت کے دن فدیہ قبول نہیں ہوگا اگرچہ مجرم زمین کے سارے باشندے لے کر آئے۔ یعنی مجرم اپنی جڑیں اور شاخیں اور دنیا کی ہر چیز کے لئے چاہے گا کہ اسے فدیے میں دے کر خود کو بچالے۔
(2) ﴿ثُمَّ يُحْيِيهِ﴾ ”پھر وہ (فدیہ) اس کو نجات دلا دے“ یعنی روئے زمین کے سارے باشندے لے کر بھی حاضر ہوگا تو فدیہ منظور نہیں ہوگا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ وَأَحْشُوا أَيَّامًا لَا يَحْزِي وَالِدَ عَنْ وَالِدِهِ ۖ وَلَا مَوْلُو دُهُو جَا زٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ﴾ ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرجاؤ اور اُس دن سے ڈرو جب کوئی باپ اپنے بیٹے کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ہی کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ بھی کام آنے والا ہوگا، یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، چنانچہ دنیا کی زندگی تمہیں بالکل دھوکے میں نہ ڈالے اور وہ بڑا دھوکے باز ہرگز تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں دھوکہ نہ دے جائے۔“ (القلم: 33)

(4) ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَإِن تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ جِلْهَا لَا يَحْمِلُ مِنْهُ شَيْءٌ ۖ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ﴾ ”اور کوئی بوجھ اٹھانے والی (جان) کسی دوسری (جان) کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ سے لدی ہوئی جان اپنے بوجھ کے لیے پکارے گی تو اس کے بوجھ میں سے کچھ بھی اٹھایا نہ جائے گا اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہو“ (فاطر: 18)

(5) ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ ”پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت داریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔“ (الزمر: 101)

﴿كَلَّا ۚ إِنَّهَا لَظَىٰ﴾

”ہرگز نہیں! یقیناً وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے“ (15)

سوال: ﴿كَلَّا ۚ إِنَّهَا لَظَىٰ﴾ ”ہرگز نہیں! یقیناً وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے“ آیت کی روشنی میں جہنم کی آگ کی خصوصیات بیان کریں؟
جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ”ہرگز نہیں!“ یعنی اب ان کے لیے کوئی حیلہ ہے نہ مدد کا موقع، ان پر تیرے رب کا فیصلہ واجب ہو چکا رشتے داروں اور دوستوں کا فائدہ بھی جاچکا۔ (تیسرہ حصہ: 2839/3)

(2) ﴿إِنَّهَا لَظَىٰ﴾ ”یقیناً وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے“ اب وہ آگ ہوگی جس کے شعلے خوفناک اور بلند ہونگے۔ جو کھال کو جھلسا دے گی یعنی ظاہری اور باطنی اعضاء کو اپنے سخت عذاب کی وجہ سے جھلسا دے گی۔

﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوْمَى﴾

”جو منہ اور سر کی کھال کو اتار کھینچنے والی ہے“ (16)

سوال: ﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوْمَى﴾ ”جو منہ اور سر کی کھال کو اتار کھینچنے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿نَزَّاعَةً لِّلشَّوْمَى﴾ ”جو منہ اور سر کی کھال کو اتار کھینچنے والی ہے“ وہ آگ کھوپڑی کو پلپلا کر دے گی۔

(2) شویٰ بمعنی جسم کے اطراف۔ ہاتھ پاؤں اور وہ اعضاء جن پر زخم لگنے سے موت واقع نہ ہو۔ یعنی جہنم کی آگ ان کی کھالوں کو کھینچ لے گی۔ کھالیں گل جائیں گی جسم ننگے بے کھال ہو جائیں گے مگر یہ آگ مجرموں کی جان ختم نہیں کر سکے گی۔ (تیسرا قرآن: 4/518)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ حَقَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ لَٰخِلْدُونَ﴾ (۱۰۴) تَلْفَحُ وُجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ (۱۰۴) ”اور وہ شخص جس کے پڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جڑے نکالنے والے ہوں گے۔“ (المومن: 104/103)

﴿تَدْعُوا مِّنْ أَدْبُرٍ وَتَوَلَّى﴾

”وہ ہر اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا“ (17)

سوال: ﴿تَدْعُوا مِّنْ أَدْبُرٍ وَتَوَلَّى﴾ ”وہ ہر اس شخص کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿تَدْعُوا﴾ ”وہ ہر اس شخص کو بلائے گی“، جہنم کی آگ خطیبانہ طریقے سے بلائے گی۔

(2) ﴿مِّنْ أَدْبُرٍ وَتَوَلَّى﴾ ”جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا“ دوزخ کی آگ ہر اس شخص کو اپنی طرف بلائے گی جس نے حق سے منہ موڑا اور اس سے کوئی غرض نہ رکھا۔

(3) جہنم کی خوفناک آگ اپنے ان بیٹوں کو بلائے گی جن کو جہنم کے لیے پیدا کیا گیا۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں دل سے حق کو جھٹلایا اور نیکیوں سے دل چرایا تھا۔

(4) ایک روایت کے مطابق جہنم سے ایک گردن نکلے گی جو جہنم کے مستحق لوگوں کو یوں چین چین کر اٹھالے گی جیسے کوئی پرندہ زمین سے پڑا ہو ادا نہ اٹھالیتا ہے۔ (تیسرا قرآن: 4/518)

﴿وَجَمَعَ فَأَوْعَى﴾

”اور مال جمع کیا پھر اسے بند رکھا“ (18)

سوال: ﴿وَيَجْمَعُ فَأَوْعَى﴾ ”اور مال جمع کیا پھر اسے بند رکھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَجْمَعُ فَأَوْعَى﴾ ”اور مال جمع کیا پھر اسے بند رکھا“ یعنی جس نے مال جمع کیا اور اسے سینت سینت کر رکھا نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی پرواہ کی نہ انسانوں کے حقوق کی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيُلِّ لِكُلِّ هُمْزَةً لِّمَرْقَةٍ﴾ (الذی یجمع مآلاً وَعَدَدَهُ (۱) يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ (۲) كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (۳) وَمَا أَذْرَكَ مَا الْخَطْمَةُ (۴) تَارَ اللَّهُ الْمُوقَدَةَ (۵) الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ (۶) إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوْصَدَةٌ (۷) فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ (۸)﴾ ”بڑی ہلاکت ہے ہر بہت طعنہ دینے والے، بہت عیب لگانے والے کے لئے۔ وہ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے یقیناً اس کا مال ہمیشہ اُس کو زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ توڑ پھوڑ کر رکھ دینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔ اور کس چیز نے تمہیں خبر دی کہ حطمہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ وہ جو دلوں تک جھانکتی ہے۔ یقیناً وہ اُن پر بند کر دی جائے گی۔ اونچے اونچے ستونوں میں۔“ (المزہ: 19)

(2) ﴿أَلَمْ يَكْفُرُوا بِاللَّحْمِ الْكَاثِرِ (۱) حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۲) كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (۳) ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ (۴) كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ (۵) لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ (۶) ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ (۷) ثُمَّ لَتَسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (۸)﴾ ”ایک دوسرے سے زیادہ حاصل کرنے کی حرص نے تمہیں غافل کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم نے قبرستان جا دیکھے۔ ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے۔ ہرگز نہیں! کاش تم یقینی علم جان لیتے۔ یقیناً تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے۔ یقیناً پھر تم ضرور اُس کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر یقیناً اُس دن تم لازماً نعمتوں کے بارے میں پوچھے جاؤ گے۔“ (الحکاثر: 18)

(3) سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”خرچ کرو اور گن گن نہ رکھو، ورنہ اللہ بھی تمہیں گن کر دے گا اور روک کر نہ رکھو، ورنہ اللہ بھی تم سے روک لے گا۔“ (بخاری: 1434)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”درہم و دینار اور چادر کا بندہ ہلاک ہو گیا، اگر اسے یہ چیزیں دی جائیں تو راضی رہتا ہے اور اگر نہ دی جائیں تو ناراض ہو جاتا ہے۔“ (بخاری: 6435)

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾

”بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے“ (19)

سوال: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾ ”بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے“ انسان کمزور دل پیدا کیا گیا ہے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا﴾ ”بلاشبہ انسان کم ہمت پیدا کیا گیا ہے“ یہ انسان کا وصف ہے جسے رب کریم نے پیدا کیا

ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت بیان کی ہے کہ وہ بہت بے صبر ہے۔

(3) یعنی انسان قلیل الصبر ہے تھوڑی سی تکلیف سے صبر کھو بیٹھتا ہے۔

(4) یعنی معمولی سی تکلیف کے وقت انسان کی بے چینی، چرچاہٹ اور گھبراہٹ اس بات پر ہوتی ہے کہ اب یہ مصیبت یاد دکھ جانے والا نہیں۔

﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا﴾

”جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے“ (20)

سوال: ﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا﴾ ”جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا﴾ ”جب اُس کو تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا جانے والا ہوتا ہے“ پس اگر کبھی اس پر فقیر یا کسی مرض کا حملہ ہوتا ہے یا مال و متاع، گھر والوں اور اولاد میں سے کوئی محبوب چلا جاتا ہے تو وہ انتہائی بے صبری کا مظاہرہ کرتا ہے، اس بارے میں صبر کو استعمال نہیں کرتا اور نہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہی ہوتا ہے۔ (2) یعنی بیماری میں صبر نہیں کرتا اور مصیبت میں کبھی راضی نہیں ہوتا۔

(3) اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر راضی نہیں ہوتا۔

﴿وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾

”اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے“ (21)

سوال: ﴿وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ ”اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا﴾ ”اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے تو بہت روکنے والا ہوتا ہے“ یعنی جب مال ہاتھ میں آجائے اور اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے نوازتا ہے تو بخیل بن جاتا ہے اور حقوق ادا کرنے کی بجائے مال جمع کرنے لگ جاتا ہے۔

(2) پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اسے عطا کیا ہے اس میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان پر اس کا شکر ادا نہیں کرتا۔ پس وہ مصیبت اور سختی کے وقت بے صبری کرتا ہے اور فراخی اور خوشحالی کے وقت مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2840)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے: ”انسان میں دو وصف بہت برے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ حریر سے بخیل ہونے کے ساتھ دل کا کچا ہو، دوسرا یہ کہ اتنا بزدل ہو کہ گویا دل ہی نکل جائے گا۔“ (ابوداؤد: 2511)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ جب بندے صبح کو اٹھتے ہیں دو فرشتے آسمان سے نہ اترتے ہوں ایک کہتا ہے کہ اے اللہ خرچ کرنے والوں کو اور زیادہ دے اور دوسرا کہتا ہے کہ اے اللہ مسک اور بخیل کے مال کو تلف کر

دے۔ (بخاری: 1442)

﴿أَلَا الْمُصَلِّينَ﴾

”مگروہ نمازی“ (22)

سوال: ﴿أَلَا الْمُصَلِّينَ﴾ ”مگروہ نمازی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَلَا الْمُصَلِّينَ﴾ ”مگروہ نمازی“ یعنی برے اوصاف اور بری عادات سے بچنے والے نمازی ہیں۔

(2) نمازیوں کو اللہ تعالیٰ برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور بھلائیوں کی توفیق دیتا ہے یعنی جب ان پر مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتے ہیں اور انہیں جب کوئی بھلائی ملتی ہے تو شکر ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرتے ہیں اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں۔

﴿الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأْمُونَ﴾

”جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں“ (23)

سوال: ﴿الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأْمُونَ﴾ ”جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ دَأْمُونَ﴾ ”جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرنے والے ہیں“ یعنی جو پابندی سے ہر حال میں اور ہمیشہ نماز ادا کرتے ہیں۔ (2) وہ نماز کے اوقات اور اس کے واجبات و فرائض کا خیال رکھتے ہیں۔

(3) وہ اس کی تمام شرائط اور اس کو مکمل کرنے والے امور کا خیال رکھتے ہیں۔ (4) وہ بے وقت نماز نہیں پڑھتے۔

(5) وہ ناقص طریقے سے نماز نہیں پڑھتے۔ وہ ذوق و شوق اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔

(6) دوام کا ایک معنی تو بیٹھگی ہے اور دَأْمٌ الشَّيْبِ بمعنی کسی چیز کا عرصہ دارزنگ بلا تغیر ایک ہی حالت میں رہنا، ترجمہ میں یہی معنی اختیار کیا گیا ہے اس کا دوسرا معنی سکون اور ٹھہراؤ اور مَاءٌ الدَّائِمُ بمعنی کھڑا پانی جس میں کچھ حرکت نہ ہو۔ اس لحاظ سے معنی یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنی نماز کو نہایت سکون، ٹھہراؤ، اطمینان قلب اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ (تفسیر القرآن ج 4 ص 519)

(7) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتی ہیں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی اور آپ ﷺ رات کو اس کا حجرہ بنا لیتے تھے۔ پھر اس میں نماز پڑھنے لگے اور دن کو اس چٹائی کو بچھا لیتے، ایک رات صحابہ کا ہجوم ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو تم پر اتنا عمل کرنا لازم ہے جس کی تم طاقت رکھتے ہو کیونکہ اللہ ثواب دینے سے نہیں تھکتا جبکہ تم عمل کرنے سے تھک جاتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعمال میں سب سے پسندیدہ عمل یہ ہے جس پر دوام بیٹھگی ہو اور اگرچہ وہ تھوڑا عمل ہو اور آل محمد کا بھی یہی معمول تھا کہ جب کوئی

عمل کرتے تو اسے مستقل مزاجی سے کرتے۔ (صحیح مسلم: 1827)

(8) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میرے پاس بنو اسد کی ایک عورت بیٹھی تھی، نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو ان کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ یہ فلاں خاتون ہیں جو رات بھر نہیں سوتیں ان کی نماز کا ذکر آپ کے سامنے کیا گیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس تمہیں صرف اتنا عمل کرنا چاہئے جتنے کی تم میں طاقت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو (ثواب دینے سے) جھکتا ہی نہیں تم ہی عمل کرتے کرتے تھکتے جاؤ۔ (صحیح بخاری: 1151)

(9) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے، گو کم ہو۔“ (بخاری: 43)

(10) دوام میں سکون کے معنی بھی ہیں جیسے ماء دائم ٹھہرے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ نماز میں سکون اور جمعیت قلب واجب ہے۔ کیونکہ جس کے رکوع اور سجدہ میں اطمینان اور اعتدال نہیں اس کی نماز میں پختگی نہیں۔ (مضمر بن سحر: 2/2126)

﴿وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾

”اور جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے“ (24)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ ”اور جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ فِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ﴾ ”اور جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے“ یعنی زکوٰۃ اور صدقات کو اپنے مال میں مقرر حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ایک دفعہ ایک آدمی صحرا میں چلا جا رہا تھا کہ اس نے ایک بدلی سے ایک آواز سنی، فلاں کے باغ کو سیراب کرو۔ پس بادل کا یہ ٹکرا لگ گیا، اور اس نے اپنا پانی ایک سیاہ سنگلاخ زمین میں برسا دیا، پس ان نالوں میں سے ایک نالے نے سارا پانی اپنے اندر جمع کر لیا (اور پانی چلنے لگا)، یہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلا (آگے جا کر ایک مقام پر دیکھا) کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا، اپنے کسی اوزار سے اپنے باغ کو پانی لگا رہا ہے۔ اس نے اس سے پوچھا: اے اللہ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟ اس نے وہی نام بتایا جو اس نے بدلی سے سنا تھا۔ پس باغبان نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اس نے کہا: میں نے اس بادل میں جس سے یہ پانی (یہاں بہتا ہوا آیا) ہے، ایک آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کرو اور یہ وہی نام ہے جو تو نے اپنا بتلایا ہے، تو اس باغ میں ایسا کون سا عمل کرتا ہے؟ (کہ تیرے باغ کی سیرابی کے لیے اللہ تعالیٰ نے بادل کو حکم دیا) اس باغ والے نے کہا: جب تو یہ کہہ رہا ہے تو (میں بتا دیتا ہوں کہ) میں اس باغ کی پیداوار کا اندازہ لگاتا ہوں اور اس میں سے تیسرا حصہ صدقہ کرتا

ہوں، تیسرا حصہ میری اور میرے اہل و عیال کی خوراک ہو جاتا ہے اور اس کا تیسرا حصہ اس باغ پر دوبارہ لگا دیتا ہوں۔“ (مسلم: 7473)

﴿لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾

”سائل کا اور محروم کا“ (25)

سوال: ﴿لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ﴾ ”سائل کا اور محروم کا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِلسَّائِلِ﴾ ”سائل کا“ یعنی جو اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے دوسرے سے سوال کرتا ہے۔

(2) ﴿وَالْمَحْرُومِ﴾ ”اور محروم کا“ محروم سے مراد وہ مسکین ہے جو سوال کرنے کا مستحق ہونے کے باوجود بچکا جاتا ہے۔

(3) محروم سے مراد وہ شخص بھی ہے جو روزگار کی تلاش میں ہو اور اسے روزگار میسر نہ آ رہا ہو یا جتنی روزی کما رہا ہے اس سے اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں یا روزی کمانے کے قابل ہی نہ ہو۔ جیسے بوڑھے، بیمار، اندھا، لنگڑا، اچانچ وغیرہ۔ (تیسرا قرآن: 520/4)

(4) سیدنا قبیصہ بن مخارق الہمدانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے کسی امر کے لئے چندہ جمع کرنے کا بار اپنے اوپر ڈال لیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھنے کے لئے حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ کہ ہمارے پاس صدقہ کا مال آجائے تو ہم تم کو حکم دیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے قبیصہ! تین آدمیوں کے علاوہ کسی سے مانگنا جائز نہیں ہے، ایک وہ شخص جس نے اپنے اوپر چندہ کا بوجھ ڈالا ہو تو اس کے لئے اتنی رقم پوری کرنے تک مانگنا جائز ہے پھر وہ رک جائے، دوسرا وہ شخص جس کے مال کو کسی آفت نے ختم کر دیا ہو تو اس کے لئے اپنے گزربسرتک یا گزراوقات کے قابل ہونے تک مانگنا جائز ہے، تیسرا آدمی وہ ہے جس کے تین دن فاقہ میں گزر جائیں اور اس کی قوم میں سے تین کامل العقل آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں آدمی کو فاقہ پہنچا ہے تو اس کے لئے گزربسرتک مانگنا جائز ہے۔“ (مسلم: 2404)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مسکین وہ نہیں جو گھومتا رہتا ہے اور لوگوں کے ارد گرد پھرتا رہتا ہے پھر ایک لقمے یا دو لقمے اور ایک کھجور یا دو کھجوریں لے کر لوٹ جاتا ہے۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ پھر مسکین کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”مسکین وہ ہے جو اتنا مالدار نہ ہو جس سے ضروریات زندگی پوری کر سکے اور نہ لوگ اسے مسکین تصور کرتے ہوں کہ اس کو صدقہ دیں اور نہ وہ لوگوں سے کچھ مانگتا ہو۔“ (مسلم: 2393)

(6) یعنی ان کے مال میں ضرورت مندوں کا ایک مقررہ حصہ ہے خواہ کوئی مانگے یا نہ مانگے۔

﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِهِمُ الَّذِينَ﴾

”اور وہ لوگ جو جزا کے دن کوچ مانگتے ہیں“ (26)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ ”اور وہ لوگ جو جزا کے دن کوچ ماننے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ ”اور وہ لوگ جو جزا کے دن کوچ ماننے ہیں“ یعنی جو جزا پر موت کے بعد زندگی اور حساب کتاب پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

(2) جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید کے ساتھ صالح اعمال بجالاتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے برے اعمال سے بچتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ﴾

”اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں“ (27)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں“ جو اپنے رب کے عذاب سے خوف زدہ رہتے ہیں اور ہر اس کام کو ترک کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی طرف لے جاتا ہو۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ أُنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل کانپتے ہیں کہ بے شک وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں۔“ (المومن: 60)

(3) ﴿الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا آصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ ”وہ لوگ کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جو مصیبت ان پر آتی ہے اس پر صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔“ (الحج: 35)

﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُونٍ﴾

”یقیناً ان کے رب کے عذاب سے بے خوف نہیں ہو جاسکتا“ (28)

سوال: ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُونٍ﴾ ”یقیناً ان کے رب کے عذاب سے بے خوف نہیں ہو جاسکتا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَا مُنُونٍ﴾ ”یقیناً ان کے رب کے عذاب سے بے خوف نہیں ہو جاسکتا“ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہو جاسکتا۔ اس عذاب سے ڈرا اور بچا جاتا ہے۔

(2) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر شخص پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے اور اس سے بچے۔ (تفسیر قرطبی: 15/9)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَفِظُونَ﴾

”اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں“ (29)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں“ یعنی وہ لوگ اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور جہاں اسلام اجازت نہیں دیتا ادھر کارخ بھی نہیں کرتے۔

(2) پس وہ اپنی شرم گاہوں کے ذریعے سے ایسی مجامعت نہیں کرتے جو حرام قرار دی گئی ہو، یعنی زنا، سدومیت (قوم لوط والاعمل)، بیوی کی دبر میں مجامعت اور حالت حیض وغیرہ میں مجامعت سے بچتے ہیں، نیز وہ اپنی شرم گاہوں کی ان لوگوں کے دیکھنے اور چھونے سے حفاظت کرتے ہیں جن کے لیے دیکھنا اور چھونا جائز نہیں۔ وہ ان تمام وسائل محرمہ کو بھی ترک کر دیتے ہیں جو فحش کام کے ارتکاب کی دعوت دیتے ہیں۔ (تفسیر سعدی: 3/2841)

﴿أَلَا عَلَىٰ آزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْؤُمِينَ﴾

”سوائے اپنی بیویوں اور ان عورتوں کے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں“ (30)

سوال: ﴿أَلَا عَلَىٰ آزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْؤُمِينَ﴾ ”سوائے اپنی بیویوں اور ان عورتوں کے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿أَلَا عَلَىٰ آزْوَاجِهِمْ﴾ ”سوائے اپنی بیویوں“ یعنی وہ اپنی بیویوں کو اپنے لیے حلال سمجھتے ہیں۔

(2) ﴿أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ﴾ ”اور ان عورتوں کے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ ہیں“ یعنی وہ اپنی لونڈیوں کو مباح سمجھتے ہیں۔
(3) ﴿فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلْؤُمِينَ﴾ ”تو یقیناً وہ ملامت کیے ہوئے نہیں ہیں“ یعنی حلال کے استعمال پر انہیں کوئی ملامت کرنے والا، ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنے والا نہیں۔

(4) یعنی اس مقام میں جماع کرنے پر، جو بھتیگی کا مقام ہے، ان پر کوئی ملامت نہیں۔ (تفسیر سعدی: 3/2841)

(5) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ تین حضرات نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی ﷺ سے کیا مقابلہ! آپ ﷺ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کہ کیا تم نے ہی یہی باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ تعالیٰ کی قسم! میں

اللہ رب العالمین سے تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں، میں تم سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ جس نے میرے طریقے سے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری: 5063)

﴿فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ﴾

”پھر جو کوئی اُس کے علاوہ تلاش کرتا ہے وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں“ (31)

سوال: ﴿فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ﴾ ”پھر جو کوئی اُس کے علاوہ تلاش کرتا ہے وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ﴾ ”پھر جو کوئی اُس کے علاوہ تلاش کرتا ہے“ یعنی جو بیوی اور لونڈی کے علاوہ کچھ اور تلاش کرے۔
(2) ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعُدُونَ﴾ ”وہی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں“ حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرنا حد سے گزرنا ہے۔
(3) یعنی وہ لوگ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرائی ہے اس سے تجاوز کر کے اس میں پڑتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ آیت کریمہ نکاح متعہ (اور مروجہ حلالہ) کی حرمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ زوجہ مقصود ہے نہ لونڈی۔ (تفسیر رحمہ: 2841/3)

(4) یعنی وہ ظلم و زیادتی کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ (ایرانفاہیر: 1678)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ ”زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کے ہوتے تھے: ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی کہتا کہ تو فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے منہ کالا کرالے، اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوٹا بھی نہیں۔ پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت کرتی رہتی تو حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اگر اس کا شوہر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا، ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ان کا لڑکا شریف اور عمدہ پیدا ہو۔ یہ نکاح ”نکاح استبضاع“ کہلاتا تھا۔ تیسری قسم نکاح کی یہ تھی کہ چند آدمی جو نکاح میں دس سے کم ہوتے کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت کرتے۔ پھر جب وہ عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنمتی تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت ان تمام مردوں کو بلائی۔ اس موقع پر ان میں سے کوئی مرد انکار نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ سب اس عورت کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے، اب میں نے یہ بچہ جنا ہے پھر وہ کہتی کہ اے فلاں! یہ بچہ تمہارا ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور وہ لڑکا اسی کا سمجھا جاتا، وہ شخص اس سے انکار کی جرت نہیں کر سکتا تھا۔ چوتھا نکاح اس طور پر تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس

آیا جایا کرتے تھے۔ یہ عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح کی عورت اپنے دروازے پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے۔ جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور جب بچہ جنمتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہو جاتے اور کسی قافیہ جاننے والے کو بلا تے اور بچہ کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے اس لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کر دیتے اور وہ بچہ اسی کا بیٹا کہا جاتا، اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔ پھر جب محمد ﷺ حق کے ساتھ رسول ہو کر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے جاہلیت کے تمام نکاحوں کو باطل قرار دے دیا، صرف اس نکاح کو باقی رکھا جس کا آج کل رواج ہے۔“ (بخاری: 5127)

(6) سیدنا اہل بن سعد رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو مجھے اپنے دو جبرڑوں کے درمیان اور اپنے دو پیروں کے درمیان شرمگاہ کی ضمانت دے دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔“ (بخاری)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب کوئی شخص زنا کرتا ہے اس پر ایمان نکل کر سر پر چھتری کی طرح کھڑا ہوتا ہے جب وہ اس حرکت سے فارغ ہو جاتا ہے تو ایمان پھر واپس آ جاتا ہے۔“ (ابوداؤد: 4690)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأْمْنِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾

”اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں“ (32)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأْمْنِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأْمْنِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں“ یعنی جو امین اور صادق ہیں، خائن اور غدار نہیں کیونکہ امانت اور عہد مومنوں کی صفات ہیں اور خیانت اور غداری منافقوں کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِّنَ خَانَ﴾ منافق کی تین نشانیاں ہیں بات بات پر جھوٹ بولنا، وعدہ کر کے توڑ دینا، اور امانت میں خیانت کرنا۔ (بخاری: 33) (مختصر ابن کثیر: 2/2126)

(2) یعنی وہ امانتوں اور عہد کی رعایت رکھنے اور حفاظت کرنے والے ہیں، امانتوں کو ادا کرنے اور عہد کو پورا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ان تمام امانتوں کو شامل ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے وہ پوشیدہ امور جن کا انسان مکلف بنایا گیا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ امانتیں جو ان اموال اور اسرار کے بارے میں ہیں جو آپس میں بندوں کے مابین ہیں۔ اسی طرح یہ عہد اس عہد کو بھی شامل ہے جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اس عہد کو بھی شامل ہے جو اس نے مخلوق سے کیا ہے کیونکہ عہد کے بارے میں بندے سے پوچھا جائے گا کہ آیا وہ اس عہد پر قائم رہا اور اسے پورا کیا یا اس نے اسے دور پھینک دیا، اس میں خیانت کی اور اس

پر قائم نہ رہا؟ (تفسیر سہمی: 2841, 2842/3)

(3) امانت اسم جنس ہے جس میں دین کی امانتیں شامل ہیں۔ شریعت کی امانتیں ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امین بنایا ہے اور اس میں لوگوں کی امانتیں بھی شامل ہیں۔ (تفسیر قرطبی: 215/9)

(4) ”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا ارشاد ہے کہ تین طرح کے لوگ ایسے ہوں گے جن کا قیامت کے دن میں مدعی بنوں گا۔ ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر عہد کیا، اور وہ توڑ دیا، وہ شخص جو کسی آزاد انسان کو بیچ کر اس کی قیمت کھائی اور وہ شخص جس نے کوئی مزدور اجرت پر رکھا۔ اس سے پوری طرح کام لیا۔ لیکن اس کی مزدوری نہیں دی۔“ (صحیح بخاری: 2227)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ﴾

”اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں“ (33)

سوال 1: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَتِهِمْ قَائِمُونَ﴾ ”اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں“ یعنی وہ اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں نہ انہیں چھپاتے ہیں، نہ ان میں تبدیلی کرتے ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمٌ قَلْبُهُ﴾ ”اور جو اس کو چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے“ (البقرہ: 283)

(3) وہ گواہی میں کسی رشتے کی رعایت نہیں رکھتے۔

(4) ان کے نزدیک گواہی قائم رکھنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہوتا ہے۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا وَإِن تَلَوْا أَوْ تُعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بنو، اگرچہ تمہاری اپنی جانوں کے یا والدین کے اور رشتے داروں کے خلاف ہو، اگر کوئی مال دار ہے یا فقیر، تو اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دار ہے، چنانچہ خواہش نفس کی اتباع نہ کرو کہ تم عدل کرو اور اگر تم زبان کو بیچ دو یا پہلو تہی کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔“ (النساء: 135)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾ ”اور گواہی اللہ تعالیٰ کے لیے قائم کرو۔“ (الملاق: 2)

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾

”اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں“ (34)

سوال: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ ”اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں“ یعنی پانچوں نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ان کی شرائط اور ارکان کی حفاظت کرتے ہیں۔ رکوع اور سجود میں اعتدال رکھتے ہیں اور خشوع سے اطمینان سے نماز ادا کرتے ہیں۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوَسْطَىٰ وَرُكُوعًا وَسُجُودًا خَائِفِينَ﴾ ”سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔“ (البقرہ: 238)

(3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز کی ابتدا تکبیر تحریمہ اور ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کی قرات سے کرتے تھے اور جب رکوع کرتے تو سر کو اونچا نہ رکھتے نہ نیچا بلکہ برابر سیدھا رکھتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اس وقت تک دوسرا سجدہ نہ کرتے جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے اور ہر دو رکعتوں میں التحیات پڑھتے اور بائیں پاؤں کو بچھاتے اور اپنے دائیں پاؤں کو کھڑا کرتے اور شیطان کی طرح بیٹھنے سے منع کرتے اور درندوں کی طرح آدمی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر بچھا دے اس سے بھی منع فرماتے اور سلام کے ساتھ نماز ختم کرتے اور آپ ﷺ عقبہ شیطان سے یعنی دونوں پاؤں کھڑے کر کے ایڑیوں پر بیٹھنے سے منع فرماتے تھے۔ (مسلم: 1110)

(4) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی طرف ہمیشہ نماز میں توجہ کئے رہتے ہیں جب تک کہ وہ بندہ ادھر ادھر نہ دیکھے اور جب بندہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا ہے۔ (ابوداؤد: 909)

(5) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص بہترین وضو کر کے انہیں وقت پر ادا کرتا ہے ان کے رکوع و سجود اور خشوع کو مکمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ وعدہ ہو جاتا ہے کہ وہ اسے معاف فرمائے گا اور جو ایسے نہیں کرتا اس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی وعدہ نہیں، چاہے گا تو اسے معاف کر دے گا اور چاہے گا تو اسے عذاب دے گا۔“ (ابوداؤد: 425)

(6) سیدنا ابوبکر بن عمارہ بن رویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ بصرہ کے ایک آدمی نے ان سے معلوم کیا کہ تم نے رسول اللہ ﷺ سے کیا بات سنی؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ سے یہ سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ وہ شخص دوزخ میں نہیں جائے گا جو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے نماز ادا کرتا ہو۔ اس شخص نے کہا کہ تم نے سنا ہے؟ تم نے سنا ہے؟ تم نے سنا ہے؟ انہوں نے ہر مرتبہ جواب دیا کہ ہاں سنا ہے میں نے اور میرے کانوں نے اور میرے قلب نے اس بات کو اچھی طرح یاد رکھا ہے، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ یہی فرماتے تھے۔ (ابوداؤد: 427)

(7) سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ ”یہ تو منافق کی نماز ہے کہ سورج کو بیٹھے دیکھتا رہتا ہے جب وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان میں ہوتا ہے تو کھڑا ہو کر چار ٹھونگیں مارنے لگ جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا مگر بہت تھوڑا۔“ (مسلم: 1412)

﴿أَوْلَيْكَ فِي جَنَّتٍ مُّكْرَمُونَ﴾

”یہی لوگ جنتوں میں عزت دیے جانے والے ہیں“ (35)

سوال: ﴿أَوْلَيْكَ فِي جَنَّتٍ مُّكْرَمُونَ﴾ ”یہی لوگ جنتوں میں عزت دیے جانے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوْلَيْكَ﴾ ”یہی لوگ“ یعنی وہ لوگ جو یہ صفات رکھتے ہیں جن کی صفات کا ذکر پچھلی آیات میں کیا گیا۔

(2) ﴿فِي جَنَّتٍ مُّكْرَمُونَ﴾ ”جنتوں میں عزت دیے جانے والے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اکرام و تکریم اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے نوازے گا جن کی ان کے نفس خواہش کریں گے اور ان کی آنکھیں لذت حاصل کریں گی اور وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل سعادت و توخیر کو اوصاف کاملہ، اخلاق فاضلہ سے موصوف کیا ہے، یعنی عبادت بدنیہ، مثلاً: نماز اور اس پر مداومت، اعمال قلبیہ، مثلاً: خشیت الہی جو ہر بھلائی کو دعوت دیتی ہے، عبادت مالیہ، عقائد نافعہ، اخلاق فاضلہ، اللہ تعالیٰ سے معاملہ، اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے بہترین معاملہ، یعنی ان کے ساتھ انصاف کرنا، ان کے حقوق اور ان کی امانتوں کی حفاظت کرنا، ایسے افعال جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کر کے عفت کامل اختیار کرنا۔ (تیسرے حصے: 2842/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَوْلَيْكَ هُمُ الْوَارِثُونَ﴾ (۱۰) الَّذِينَ يَرْتُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۱)﴾ ”یہی لوگ وارث ہیں۔ جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (المؤمنون: 10، 11)

رکوع نمبر 8

﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكُمْ مَهْطِعِينَ﴾

”پھر کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آنے والے ہیں؟“ (36)

سوال: ﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكُمْ مَهْطِعِينَ﴾ ”پھر کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آنے والے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا قِبَلِكُمْ مَهْطِعِينَ﴾ ”پھر کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آنے والے ہیں؟“ نبی ﷺ کو جھٹلانے والے کافروں کے دنیا اور آخرت میں احوال کا ذکر ہے۔

(2) رب العزت نے ان کافروں کی مذمت کی ہے جو آپ ﷺ کو دیکھتے اور جانچتے رہتے تھے۔ ان کے سامنے وحی کی روشنی بھی تھی، وہ رسول اللہ ﷺ سے ظاہر ہونے والے معجزات بھی دیکھتے رہتے تھے پھر بھی آپ ﷺ سے بدکتے تھے۔

﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾

”دائیں بائیں سے گروہ درگروہ“ (37)

سوال: ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ ”دائیں بائیں سے گروہ درگروہ“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِينَ﴾ ”دائیں بائیں سے گروہ درگروہ“ یعنی وہ گروہوں اور ٹولیوں میں دائیں بائیں سے بھاگتے رہے۔ (2) یعنی وہ سچے دین سے بدکتے رہے اور دائیں بائیں بھاگتے رہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ الشُّكْرِ كَرِيحًا مُعْرِضِينَ﴾ (۴۱) كَانَهُمْ حُمْرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ (۴۰) فَكَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (۴۱) ﴿”تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں؟ گویا کہ وہ بدکنے والے جنگلی گدھے ہیں۔ جو شیر سے بھاگے ہیں۔“ (المدثر: 49, 51)

﴿أَيُّطْعُ كُلُّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ﴾

”کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟“ (38)

سوال: ﴿أَيُّطْعُ كُلُّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ أَنْ يَدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ﴾ ”کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَيُّطْعُ كُلُّ أَمْرٍ مِّنْهُمْ﴾ ”کیا ان میں سے ہر شخص یہ طمع رکھتا ہے“ یعنی نبی ﷺ سے کترا کر ادھر ادھر بھاگنے والے طمع رکھتے ہیں۔

(2) ﴿أَنْ يَدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ﴾ ”کہ وہ نعمت بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟“ یعنی ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو جنتی سمجھتا ہے۔ ایک طرف حق سے منہ موڑتے ہیں اور دوسری طرف جنت میں داخلے کی طمع رکھتے ہیں۔

﴿كَلَّا ۗ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ﴾

”ہرگز نہیں! ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے اسے یہ خود جانتے ہیں“ (39)

سوال: ﴿كَلَّا ۗ إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُونَ﴾ ”ہرگز نہیں! ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے اسے یہ خود جانتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ”ہرگز نہیں!“ یعنی معاملہ وہ نہیں ہوگا جو وہ چاہتے ہیں یعنی وہ جنت میں جانے والے نہیں۔ ان کا ٹھکانہ تو جہنم ہے۔
 (2) ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا يَعْلَمُونَ﴾ ”ہم نے ان کو جس چیز سے پیدا کیا ہے اسے یہ خود جانتے ہیں۔“ یعنی ہم نے انھیں اچھل کر گرنے والے پانی سے بنایا جو پیٹھ اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پس وہ بہت کمزور ہیں، وہ خود اپنے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں، وہ موت پر قادر ہیں نہ زندگی پر اور نہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر۔ (تفسیر السعدی: 2843/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ ”کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟“ (البرسک: 20)

(4) ﴿فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ﴾ ”چنانچہ انسان کو چاہیے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا۔“ (الطارق: 5)

﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ﴾

”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی! بے شک ہم یقیناً قدرت رکھنے والے ہیں“ (40)

سوال: ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ﴾ ”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی! بے شک ہم یقیناً قدرت رکھنے والے ہیں۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ إِنَّا لَقَدِرُونَ﴾ ”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی! بے شک ہم یقیناً قدرت رکھنے والے ہیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب پیدا کیے۔ ان کی قسم اس لیے کھائی ہے کیونکہ ان میں قیامت پر اور ان کی مانند ایسے لوگ لے آنے میں اس کی قدرت پر بڑی نشانیاں ہیں۔ (تفسیر السعدی: 2843/3)

(2) سورج ہر روز مشرق سے نکلتا ہے لیکن سال کے 365 دنوں میں الگ الگ مقام سے نکلتا ہے اور 365 مقامات سے ہی غروب ہوتا ہے حالانکہ ہر روز مغرب میں ہی غروب ہوتا ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔“ (نافر: 57)

(4) ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَعْجِبْهُنَّ بِقُدْرِهِ عَلَىٰ أَنْ يُخْرِجَ الْمَوْتَىٰ بِبَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور کیا بھلا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور جو ان کی تخلیق سے تھکا نہیں، اس پر قادر ہے کہ وہ مردوں کو زندہ کرے؟ ہاں! یقیناً وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔“ (الاحقاف: 33)

﴿عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾

”اس پر کہ ہم بدلے میں ان سے اچھے لوگ لے آئیں اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں“ (41)

سوال: ﴿عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا مِّمَّهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ ”اس پر کہ ہم بدلے میں ان سے اچھے لوگ لے آئیں اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَىٰ أَنْ تُبَدَّلَ خَيْرًا مِّمَّهُمْ﴾ ”اس پر کہ ہم بدلے میں ان سے اچھے لوگ لے آئیں“ یعنی ہم قادر ہیں کہ انہیں ہلاک کر دیں اور ان کی جگہ بہتر لوگوں کو لے آئیں۔ (ایرانقاہیر: 1679) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوَدَّعَسَاوِيءُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور تمہیں نئے سرے سے اس شکل میں پیدا کر دیں جسے تم نہیں جانتے۔“ (الواقفہ: 61)

(2) ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ ”اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں“ یعنی اگر ہم کسی کو دوبارہ زندہ کریں تو وہ ہم پر سبقت نہیں لے جاسکتا نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ ہمیں عاجز کر سکتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2844/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ﴾ ”ہم نے تمہارے درمیان موت کا وقت مقرر کیا ہے اور ہم ہرگز عاجز نہیں ہیں۔“ (الواقفہ: 60)

(4) ﴿يَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعُ عِظَامَهُ﴾ (۳) بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نَسُوخَ بِنَاتِهِ﴾ (۴) ”کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟ کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی پور پور تک کو درست کر دیں۔“ (القیامہ: 34)

﴿فَدَرَاهُمْ يَخْوَضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ﴾

”چنانچہ انہیں چھوڑ دو کہ وہ باتیں بناتے رہیں اور کھیلتے رہیں حتیٰ کہ یہ اپنے اس دن سے آملیں جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں“ (42)

سوال: ﴿فَدَرَاهُمْ يَخْوَضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ﴾ ”چنانچہ انہیں چھوڑ دو کہ وہ باتیں بناتے رہیں اور کھیلتے رہیں حتیٰ کہ یہ اپنے اس دن سے آملیں جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں“ جو نصیحت نہ مانے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو“ آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَدَرَاهُمْ يَخْوَضُوا وَيَلْعَبُوا﴾ ”چنانچہ انہیں چھوڑ دو کہ وہ باتیں بناتے رہیں اور کھیلتے رہیں“ یعنی جب انہوں نے موت کے بعد کی زندگی اور جزا و سزا کو نہیں مانا اور وہ نافرمانی اور جھٹلانے پر جم گئے تو اب انہیں ان کے باطل عقائد میں، ان کی سرکشی میں گرفتار چھوڑ دیں۔

(2) ﴿حَتَّىٰ يُلْقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ﴾ ”حتیٰ کہ یہ اپنے اس دن سے آملیں جس کا وہ وعدہ دیے جاتے ہیں“ جب تک وہ دن نہ پالیں جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے اور جب تک یہ اپنے کفر کا وبال نہ چکھ لیں۔

(3) اللہ رب العزت نے ان کے لیے عبرت ناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(4) ﴿وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَعَرَاهُمْ الْخَيْرَ مِنَ الدُّنْيَا﴾ ”اور آپ چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنا دین

کھیل اور دل لگی بنا رکھا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔“ (الانعام: 70)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَوْلٌ يُؤْمِنُهُ الْمَلَائِكَةُ بِرَبِّهِنَّ (۱۱) الَّذِينَ هُمْ فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ (۱۲)﴾ ”چنانچہ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے۔ جو فضول بحث میں اچھل کود رہے ہیں۔“ (الطور: 11,12)

﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَى نُصْبٍ يُؤْفُضُونَ﴾

”جس دن یہ اپنی قبروں سے تیز دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی گاڑے ہوئے نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں“ (43)

سوال: ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَى نُصْبٍ يُؤْفُضُونَ﴾ ”جس دن یہ اپنی قبروں سے تیز دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی گاڑے ہوئے نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا﴾ ”جس دن یہ اپنی قبروں سے تیز دوڑتے ہوئے نکلیں گے“ یعنی قبروں سے محشر کی طرف دوڑتے ہوں گے۔

(2) ﴿كَانَهُمْ إِلَى نُصْبٍ يُؤْفُضُونَ﴾ ”گویا کہ وہ کسی گاڑے ہوئے نشان کی طرف دوڑے جا رہے ہیں“ یعنی گویا کہ وہ ایک نشان کا قصد رکھتے ہیں، وہ اس داعی کی آواز کی نافرمانی کر سکیں گے نہ پکارنے والے کی پکار سے ادھر ادھر التفات کریں گے بلکہ ذلیل و مقہور ہو کر رب کائنات کے سامنے پیش ہوں گے۔ (تفسیر السعدی: 2844/3)

(3) ﴿نُصْبٍ﴾ نصب الٹی بمعنی کسی چیز کو سیدھے رخ کھڑا کر دینا اور زمین میں گاڑ دینا اور نصب اس پتھر کو بھی کہتے ہیں جو بطور نشان راہ گاڑا جاتا ہے نیز نصب پتھر یا لوہے کے اس مجسمے کو بھی کہتے ہیں جو کسی جگہ بغرض عبادت نصب کر دیا گیا ہو۔ یہ مجسمے عموماً نمبوں، ولیوں اور پیروں یا بادشاہوں کے ہوتے ہیں اور ایسے مقامات جہاں یہ مجسمے نصب ہوں انہیں بھی نصب یا تھان یا استھان یا آستانے کہا جاتا ہے اور نصب کی جمع نصب یا انصاب آتی ہے۔ گویا نصب کے تین معنی ہوئے (1) نشان راہ کے پتھر (ii) نصب شدہ مجسمے (iii) وہ مقام جہاں مجسمے یا بت نصب ہوں۔ اس آیت میں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی اس لحاظ سے کہ ان کا دوڑنا اللہ کے حکم کے تحت اور اضطراری امر ہوگا اور باقی دونوں معنی اس لحاظ سے کہ دنیا میں وہ ایسے بتوں کے مجسموں اور تھانوں کی طرف تیزی سے دوڑ کر جایا کرتے تھے۔ (تفسیر القرآن: 523/4)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَوْلٌ عَنَّهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَى شَيْعٍ تُكْرَهُ (۱) حُشْبَعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ كَانَهُمْ جَرَادٌ مُنْتَشِرٌ (۲) مَّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكُفْرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (۳)﴾ ”چنانچہ آپ اُن سے منہ پھیر لیں۔ جس دن پکارنے والا ایک سخت ناگوار چیز کی طرف پکارے گا۔ ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی، وہ اپنی قبروں سے ایسے نکلیں گے گویا وہ منتشر نڈیاں ہوں۔ گردن اٹھا کر پکارنے والے کی طرف دوڑنے والے ہوں گے، کافر کہیں گے ”یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔“ (القر: 68)

(5) ﴿يَوْمَ تَشْقُقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ﴾ ”جس دن اُن پر سے زمین پھٹ جائے گی اور لوگ (نکل کر) تیزی سے دوڑ رہے ہوں گے، یہ حشر ہم پر بہت ہی آسان ہے۔“ (ن: 44)

﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذُلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾

”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت انہیں گھیرے ہوئے ہوگی یہی وہ دن ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا“ (44)

سوال 1: (1) ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذُلَّةٌ ۚ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ ”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت انہیں گھیرے ہوئے ہوگی یہی وہ دن ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ﴾ ”اُن کی نگاہیں جھکی ہوں گی“ یعنی ندامت سے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔

(2) ﴿تَرْهَقُهُمْ ذُلَّةٌ﴾ ”ذلت انہیں گھیرے ہوئے ہوگی“ ذلت اور اضطراب ان کے دلوں اور عقلوں پر غالب آجائیں گے، ان کی نگاہیں جھک جائیں گی، تمام حرکات ساکن اور تمام آوازیں منتقطع ہو جائیں گی، یہ حال اور یہ انجام اس دن ہوگا۔ (تفسیر سہمی: 2844/3)

(3) ﴿ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ﴾ ”یہی وہ دن ہے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا تھا“ یعنی یہ وہ دن ہے جس کے عذاب کی وعید دی جاتی تھی اور وہ قیامت کا دن ہے۔ (4) اللہ تعالیٰ کے وعدوں اور اس کی وعیدوں کا پورا ہونا یقینی ہے۔

سوال 2: قیامت کے وعدے پر کسے یقین آتا ہے؟

جواب: قیامت کے وعدے پر اُسے یقین آتا ہے:

(1) جس کو یہ یقین آجائے کہ میں خود سے وجود میں نہیں آیا مجھے کوئی وجود میں لانے والا ہے۔

(2) جس کو یہ یقین آجائے کہ اس کا خالق عظمت والا، زبردست قوتوں والا، جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔

(3) جس کو یہ یقین آجائے کہ اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا گیا۔

(4) جس کو یہ یقین آجائے کہ جیسے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکلنے والا ہے ایسے ہی ہماری زندگی کا بھی نتیجہ نکلنا چاہئے۔

(5) جس کو اللہ تعالیٰ کے انصاف پر یقین آجائے وہ ایک ایسے دن پر یقین ضرور کر لیتا ہے جب انسانوں کے درمیان انصاف ہوگا۔

﴿سُبْحٰنَ رَبِّنَا ۗ اِنَّا كُنَّا لِرَبِّنَا لٰمِقِنٰٓيْنَ﴾ ﴿٢٨﴾ ﴿اِسْبٰغِهَا ٢٨﴾ ﴿١﴾ ﴿سُوْرَةُ نُوْحٍ مَّقِيْمَةٌ ٤١﴾ ﴿٢﴾ ﴿مَرْكُوْعَاتِهَا ٢﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: سورۃ نوح کی سورت ہے۔ 2 رکوع اور 28 آیات پر مشتمل ہے۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟
جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 71 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے بھی اس کا نمبر 71 ہے۔

رکوع نمبر 9



﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

”یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کر دو اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے“ (1)

سوال: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا کہ اپنی قوم کو خبردار کر دو اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ﴾ ”یقیناً ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا“ اس سورت کا آغاز سیدنا نوح علیہ السلام کے رسالت اور نبوت کے مشن پر فائز کرنے سے ہوتا ہے۔

(2) سیدنا نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے طویل عرصے تک اپنی ذمہ داریاں پوری کیں۔

(3) ﴿أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”کہ اپنی قوم کو خبردار کر دو اس سے پہلے کہ ان پر دردناک عذاب آجائے“ سیدنا نوح علیہ السلام کو مشن کا ہدف بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے سے پہلے اپنی قوم کو خبردار کر دیں کہ اگر وہ عذاب آنے سے پہلے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں گے تو عذاب نہیں آئے گا۔

﴿قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾

”اُس نے کہا: ”اے میری قوم! یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں“ (2)

سوال: ﴿قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ ”اُس نے کہا: ”اے میری قوم! یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ ”اُس نے کہا: ”اے میری قوم! یقیناً میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں“ نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دعوت کا آغاز کر دیا۔

(2) سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: میں تمہیں کھلم کھلا کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے عذاب سے ڈر جاؤ جو تم پر آنے ہی والا ہے اور سچے دل

سے توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لو۔ میں تمہارے لیے حق کو واضح کر کے، کھول کھول کر بیان کرنے والا ہوں۔

﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا﴾

”کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو“ (3)

سوال: ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا﴾ ”کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو“ سیدنا نوح علیہ السلام نے آسمانی عذاب سے بچنے کی کیا صورت واضح فرمائی؟

جواب: (1) سیدنا نوح علیہ السلام نے واضح فرمایا آسمانی عذاب سے بچانے والی تین صورتیں ہیں۔

(i) ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ﴾ ”کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو“ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، یہ اسی کا حق ہے اس کے ساتھ دوسروں کو شریک نہ کریں۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقیقہ نامی گدھے پر سوار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟“ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔“ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں (ورنہ) وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔“ (صحیح مسلم: 144)

(ii) ﴿وَ اتَّقُوهُ﴾ ”اور اُس سے ڈرو“ سیدنا نوح علیہ السلام نے آسمانی عذاب سے بچانے والی دوسری صورت سے آگاہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو۔ تقویٰ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا کی امید باندھ کر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے عذاب کا خوف رکھتے ہوئے اس کے روکے سے رک جانا۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے امید باندھنے اور اس سے خوف رکھنے کی دعوت دی۔

(iii) ﴿وَأَطِيعُوا﴾ ”اور میری اطاعت کرو“ سیدنا نوح علیہ السلام نے آسمانی عذاب سے بچانے والی تیسری صورت سے آگاہ فرمایا کہ میری اطاعت کرو یعنی میری نصیحت قبول کرو۔ (جامع البیان: 96/9)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ ”اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔“ (النساء: 79، 80)

﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ

لَا يُؤَخَّرُ مَلَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور ایک مقررہ مدت تک تمہیں مہلت دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے

تو موخر نہیں کیا جاتا، کاش! تم جانتے ہوئے“ (4)

سوال 1: ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُوَخِّرْكُمْ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور ایک مقررہ مدت تک تمہیں مہلت دے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَغْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ﴾ ”وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ معاف کر دے گا“ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کا تقویٰ اختیار کر کے میری اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے بڑے بڑے گناہ معاف کر دے گا جن کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق بن چکے تھے۔

(2) ﴿وَيُوَخِّرْكُمْ إِلَىٰ آجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”اور ایک مقررہ مدت تک تمہیں مہلت دے گا“ یعنی ایک مقررہ مدت تک تم سے ہلاکت کو ہٹا دے گا اور دنیا میں باقی رہنے کی مقدار ایک مقررہ وقت تک موخر کر دی جائے گی۔ (3) یعنی وہ تمہاری عمروں میں برکت عطا فرمائے گا۔

(4) سیدنا ابن شامہ مہری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے۔ وہ بہت دیر تک روتے رہے اور چہرہ مبارک دیوار کی طرف پھیر لیا۔ ان کے بیٹے ان سے کہہ رہے تھے کہ ابا جان! آپ کیوں رورہے ہیں؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اس طرح بشارت نہ دی؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ خوشخبری نہیں سنائی؟ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ادھر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہمارے نزدیک سب سے افضل عمل اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور مجھ پر تین دور گزرے ہیں ایک دور تو وہ ہے جو تم نے دیکھا کہ میرے نزدیک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مغفوض نہیں تھا اور مجھے یہ سب سے زیادہ پسند تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں اگر میری موت اس حال میں آجاتی تو میں دوزخی ہوتا پھر جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت ڈالی تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا میں تاکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ایک شرط ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ شرط کہ کیا میرے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! تو نہیں جانتا کہ اسلام لانے سے اس (شخص) کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور ہجرت سے اس کے سارے گزشتہ گناہ اور حج کرنے سے بھی اس کے گزشتہ سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور (پھر اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی سے محبت نہیں تھی اونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میری نظر میں کس کی عظمت تھی اور اگر کوئی مجھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کے متعلق پوچھتا تو میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بوجہ عظمت و جلال) دیکھ نہ سکا مگر اس حال میں میری موت آجاتی تو مجھے جنتی ہونے کی امید تھی پھر اس کے بعد ہمیں کچھ ذمہ داریاں دی گئیں۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ میرا کیا حال ہوگا؟ پس جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے جنازے کے ساتھ نہ کوئی رونے والی ہو اور نہ آگ ہو جب تم مجھے دفن کر دو تو مجھ پر مٹی ڈال دینا اس کے بعد میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ تمہارے قرب سے مجھے

اُس حاصل ہوا اور میں دیکھ لوں کہ میں اپنے رب (عزوجل) کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔ (صحیح مسلم: 321)

سوال 2: ﴿إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو موخر نہیں کیا جاتا، کاش! تم جانتے ہوتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ﴾ ”اللہ تعالیٰ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو موخر نہیں کیا جاتا“ یعنی موت کا وقت مقرر ہے، اپنے وقت پر اسے ضرور آتا ہے۔

(2) ﴿لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”کاش! تم جانتے ہوتے“ کاش تم علم رکھتے تو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے، نہ حق کے ساتھ دشمنی رکھتے۔

﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾

”اُس نے کہا: ”اے میرے رب یقیناً میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی ہے“ (5)

سوال: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾ ”اُس نے کہا: ”اے میرے رب یقیناً میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی ہے“ سیدنا نوح علیہ السلام نے 950 سالہ طویل جدوجہد کی رپورٹ پیش کرنے کا آغاز کیسے کیا؟

جواب: (1) ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا﴾ ”اُس نے کہا: ”اے میرے رب یقیناً میں نے اپنی قوم کو دن رات دعوت دی ہے۔“ سیدنا نوح علیہ السلام نے 950 سال تک اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اب سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی رپورٹ پیش کی کہ اے میرے رب میں نے انہیں تیرے راستے پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ رات دن اس سلسلے کو جاری رکھا، ہر ممکن جتن کیے، ہر طرح سمجھایا، ہر تکلیف برداشت کی۔ (2) یعنی تو خوب جانتا ہے کہ میں نے کتنے جتن کیے کہ وہ تیرے قریب آجائیں۔

﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا﴾

”میرے بلانے نے دور بھاگنے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا“ (6)

سوال 1: ﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا﴾ ”میرے بلانے نے دور بھاگنے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا﴾ ”میرے بلانے نے دور بھاگنے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔“ سیدنا نوح علیہ السلام نے رب العزت کے سامنے قوم کی صورت حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ میں نے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی عبادت کی دعوت دی تو انہوں نے مجھ سے اور جس چیز کی طرف میں نے بلایا اس سے فرار کا راستہ اختیار کیا۔

(2) یعنی انہوں نے تیری اطاعت سے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ (3) یعنی ان کی حق سے نفرت میں اضافہ ہوا اور دعوت کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا۔

سوال: دعوت الی اللہ کا فائدہ کب حاصل ہوتا ہے؟

جواب: دعوت الی اللہ کا فائدہ تب حاصل ہوتا ہے جب دعوت کے تمام مقاصد یا ان سے کچھ مقاصد حاصل ہوں۔ (تفسیر سہی: 2847/3)

﴿وَرِئِي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ

وَاصْرُؤًا وَاسْتَكْبَرُوا وَاسْتَكْبَرُوا﴾

”اور یقیناً جب بھی میں نے دعوت دی اُن کو تا کہ تو اُن کو معاف کر دے تو اُنہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور انہوں نے

اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور ضد پر اڑ گئے اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا“ (7)

سوال: ﴿وَرِئِي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاصْرُؤًا وَاسْتَكْبَرُوا﴾ اور یقیناً جب بھی میں نے دعوت دی اُن کو تا کہ تو اُن کو معاف کر دے تو اُنہوں نے اپنے کانوں

میں انگلیاں ڈال لیں اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور ضد پر اڑ گئے اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرِئِي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ﴾ ”اور یقیناً جب بھی میں نے دعوت دی اُن کو تا کہ تو اُن کو معاف کر دے“ یعنی جب بھی میں نے انہیں پکارا تا کہ وہ اس دعوت کو قبول کر لیں اور انہیں بخش دیا جائے۔

(2) ﴿جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ﴾ ”تو اُنہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں“ انہوں نے اس ڈر سے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں کہ تیری طرف بلانے کے لیے جو دعوت میں انہیں دوں کہیں ان کے کانوں میں نہ پڑ جائے۔

(3) رب العزت نے ان کی بیماری کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ﴾ ”مشرکین پر بہت گراں ہے جس کی طرف آپ انہیں دعوت دیتے ہیں۔“ (الشوری: 13)

(4) ﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرَكُوا إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا تَرَكُوا إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا أَنْ يَدْعُوا﴾ ”وَمَا تَرَى لَهُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَكْتُمُ كَلِمَاتِهِمْ“ ”تو اس کی قوم میں سے سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کیا: ”ہم تمہیں اپنے جیسا انسان ہی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ سٹی رائے رکھنے والے ہمارے کم ترین افراد کے علاوہ کسی نے بھی تیری پیروی کی ہو اور ہم نہیں دیکھتے اپنے آپ پر تمہاری کوئی برتری بلکہ ہم تمہیں جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔“ (27:10)

(5) ﴿وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ﴾ ”اور انہوں نے اپنے کپڑے اوڑھ لیے“ انہوں نے حق سے بغض رکھنے کی وجہ سے منہ پر کپڑے ڈال لیے تا کہ میرا چہرہ نہ دیکھ پائیں۔ اسی طرح سے رسول اللہ ﷺ جب دعوت دیتے تھے تو کافر اپنے آپ کو ڈھانپتے تھے رب العزت نے فرمایا: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَخُفُّونَ مِنْهُ لِيَخَفُوا﴾ ”اَلَا جِنَّةٌ يَسْتَعْشُونَ ثِيَابَهُمْ لِيَعْلَمَ مَا يَسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ“

إِنَّهُ عَلَيْهِمْ نِدَاتِ الصُّدُورِ ﴿﴾ ”سن لو او وہ اپنے سینوں کو بلاشبہ موڑتے ہیں تاکہ وہ اس سے چھپ جائیں، سن لو واجب وہ اپنے کپڑوں کو اچھی

طرح اوڑھتے ہیں، وہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ سینوں والی بات کو خوب جاننے والا ہے۔“ (سورہ: 5)

(6) مکہ کے قریشی بھی نبی ﷺ کی دعوت، قرآن حدیث کی دعوت سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور دوسروں کے قرآن سننے میں بھی رکاوٹ

ڈالتے تھے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”اور جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور کر دتا کہ تم غالب آ جاؤ۔“ (المجادہ: 26)

(7) ﴿وَاصْرُؤًا﴾ ”اور ضد پر اڑ گئے“ ابن زید نے کہا کہ انہوں نے اپنے شر اور کفر پر اصرار کیا۔ (جامع البیان: 98/29)

(8) ﴿وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا﴾ ”اور تکبر کیا، بڑا تکبر کرنا“، یعنی انہوں نے حق کے مقابلے میں بڑا تکبر کیا جس کی وجہ سے ان کے شر

میں اضافہ ہوا۔

(9) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو جنت

میں داخل نہیں ہوگا۔“ ایک شخص نے عرض کی، اے اللہ کے رسول ﷺ! بے شک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور اس

کی جوتی اچھی ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے)؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، (یہ تکبر نہیں)

تکبر تو حق بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔“ (مسلم، کتاب الایمان، باب ترمیم اکبر ویانہ: 263)

﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا﴾

”پھر میں نے انہیں با آواز بلند دعوت دی“ (8)

سوال: ﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا﴾ ”پھر میں نے انہیں با آواز بلند دعوت دی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا﴾ ”پھر میں نے انہیں با آواز بلند دعوت دی“، یعنی میں نے تیری توحید اور تیری عبادت کی دعوت دی

اور شرک چھوڑنے کے لیے انہیں اعلانیہ دعوت دی۔ یعنی بھرے مجمع میں بھی انہیں سمجھایا۔

﴿ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا﴾

”میں نے انہیں اعلانیہ اور خفیہ دعوت دی، بہت خفیہ“ (9)

سوال: ﴿ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا﴾ ”میں نے انہیں اعلانیہ اور خفیہ دعوت دی، بہت خفیہ“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا﴾ ”میں نے انہیں اعلانیہ اور خفیہ دعوت دی، بہت خفیہ۔“ سیدنا نوح علیہ السلام

نے دعوت کی حرص اور خیر خواہی کی وجہ سے انہیں ہر طریقے سے دعوت دی اعلانیہ بھی اور پوشیدہ طریقے سے بھی۔
(2) یعنی سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا کہ میں نے تنہائی میں اور مجموعوں میں ہر طریقے سے انہیں سمجھایا تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں اور جہنم کی آگ سے بچ جائیں۔

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾

”تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے بخشش مانگ لو! یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے“ (10)

سوال: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾ ”تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے بخشش مانگ لو! یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے“ توبہ سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ﴾ ”تو میں نے کہا کہ اپنے رب سے بخشش مانگ لو!“ یعنی سیدنا نوح علیہ السلام نے انہیں گناہوں کو چھوڑنے اور بخشش طلب کرنے کی دعوت دی۔

(2) ﴿إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا﴾ ”یقیناً وہ ہمیشہ سے بہت معاف کرنے والا ہے“ گناہ گار جب گناہ پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو جہانوں کا بادشاہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور کثرت سے اس کے گناہ بخش دیتا ہے خواہ وہ شرک ہی کیوں نہ ہو۔ یقیناً وہ بڑا غفور و رحیم ہے۔
(3) اللہ تعالیٰ نے گناہوں کی بخشش اور اس پر جو اجر و ثواب ہے اور جو عذاب دور ہوتا ہے اس کی رغبت دلائی ہے۔

(4) ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہما بارش کی دعا مانگنے کے لیے منبر پر چڑھے تو یہی آیت پڑھی اور اللہ سے گناہوں کی معافی بھی مانگی اور استغفار کی آیتیں پڑھیں۔ پھر فرمایا: میں نے بارش تمام آسمانی راہوں سے جن سے بارش مانگی جاسکتی ہے مانگ لی ہے۔ (صحیح ابن کثیر: 2/2130)

﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾

”وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا“ (11)

سوال: ﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ ”وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: اللہ تعالیٰ نے سچے دل سے توبہ کر کے گناہوں سے معافی مانگ کر فرماں برداری کی زندگی گزارنے کے لیے دنیا کی فوری بھلائی کے ذریعے سے ترغیب دی ہے۔ ﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا﴾ ”وہ آسمان سے تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا۔“ یعنی تم پر بارش اور روزی کی فراوانی ہوگی۔ آسمانی اور ارضی برکتوں سے خوش حال ہو جاؤ گے۔ بارش سے جانوروں کے تھن دودھ سے بھرے رہیں گے۔ پھلوں کی کثرت ہوگی۔ ہر جگہ آبِ رواں اور دل کش سماں ہوگا۔

﴿وَيُمِدُّكُمْ بِأَمْوَالٍ وَأَبْنٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾

”اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا“ (12)

سوال: ﴿وَيُؤَمِّدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَيَبْنِيَنَّ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ ”اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُؤَمِّدُكُمْ بِأَمْوَالٍ وَيَبْنِيَنَّ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ ”اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کرے گا“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمہارے اموال میں، جن کے ذریعے سے تم دنیا کی ہر وہ چیز حاصل کرتے ہو، جس کی تمہیں طلب ہوتی ہے اور تمہاری اولاد میں کثرت عطا کرے گا۔ یہ دنیا کی لذتوں اور اس کے مطالب کی انتہا ہے۔ (تفسیر اسدی: 3/2847, 2848/2) یعنی مال اور اولاد میں برکتیں اور چاروں طرف نعمتیں ہوں گی۔

(3) ﴿وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا﴾ ”اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا اور تمہارے لیے نہریں نکال دے گا“ یعنی پھولوں کی بھرمار اور کثرت پیداوار ہوگی۔ جگہ جگہ آب رواں ہوگا اور نہروں اور چشموں کا دل خوش کن سماں ہوگا۔ (سراج المبر: 2/2130)

(4) رب العزت نے دنیا کی زینت یعنی مال اور اولاد کی رغبت دلائی تاکہ وہ اللہ والے بن جائیں۔

﴿مَالِكُمْ لَا تَرَجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾

”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟“ (13)

سوال: ﴿مَالِكُمْ لَا تَرَجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾ ”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿مَالِكُمْ لَا تَرَجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾ ”تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟“ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی تعظیم کے لیے اس سے خوف نہیں کھاتے اور تمہارے ہاں اللہ کی کوئی قدر نہیں۔ (تفسیر اسدی: 3/2848)

(2) عوفی نے کہا: تمہیں کیا ہے تم اللہ کی عظمت کو ہی نہیں جانتے۔ (قرطبی: 9/2221)

(3) یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت سے غافل اور اس کے جلال اور اس کی سطوت سے جاہل کیوں بن گئے ہو؟

﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾

”حالانکہ یقیناً اُس نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے“ (14)

سوال: ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ ”حالانکہ یقیناً اُس نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا﴾ ”حالانکہ یقیناً اُس نے تمہیں مختلف حالتوں میں پیدا کیا ہے“ ”أَطْوَارًا“۔ طور کسی چیز کی ایسی حالت کو کہتے ہیں جو اندازے کے مطابق کچھ مدت بعد تدریجی تبدیلی چاہتی ہو۔ اور تَطَوُّرٌ بمعنی ایک حالت سے دوسری یا اگلی حالت

میں تبدیل ہونا۔ سوچا جائے تو انسان اطواری کا مجموعہ اور مظہر ہے۔ (تیسرا قرآن: 527/4)

(2) یعنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مختلف مراحل میں پیدا کیا، پھر رضاعت، پھر سن طفولیت، پھر سن تمیز اور پھر جوانی میں منتقل کیا، پھر اس مرحلے میں لے گیا جہاں تمام مخلوق پہنچتی ہے۔ پس وہ ہستی جو تخلیق اور بے مثال تدبیر میں منفرد ہے، صرف اسی کے لیے عبادات اور توحید مختص ہے۔ بندوں کی تخلیق کی ابتدا کے ذکر میں معاد کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہستی جو انہیں عدم سے وجود میں لائی، ان کے مرنے کے بعد انہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ (تیسرا السعدی: 2848/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿ثُمَّ خَلَقْنَا اللَّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظْمًا فَكَسَوْنَا الْعِظْمَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبْرَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ﴾ ”پھر ہم نے نطفے کو جما ہوا خون بنایا، پھر ہم نے اس جے ہوئے خون کو بوٹی بنا دیا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر ہم نے اُسے ایک دوسری صورت میں بنا کھڑا کیا، سو بڑا ہی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ، بہترین پیدا کرنے والا ہے۔“ (المومنون: 14)

﴿أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾

”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے ہیں؟“ (15)

سوال: ﴿أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے ہیں؟“ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے لیے آسمانوں کی تخلیق سے استدلال کیا ہے۔ وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان پیدا کیے ہیں؟“ رب العزت نے آسمانوں کی تخلیق سے استدلال کیا ہے جن کی تخلیق انسانوں سے زیادہ بڑی ہے۔

(2) اوپر تلے سات آسمان بنانے سے مراد ہے ہر آسمان کو دوسرے آسمان کے اوپر پیدا کیا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَفَلَمْ يَنْظُرُوا إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَدَّلْنَا وَرْدَهُمَا وَإِنَّا لَنَبْنِيهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ﴾ ”تو کیا انہوں نے اپنے اوپر آسمان نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اُسے بنایا؟ اور ہم نے اُسے زینت دی؟ اور اُس کے لیے کوئی شکاف نہیں ہے؟“ (ق: 6)

﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًّا جَا﴾

”اور اُن میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا“ (16)

سوال: ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًّا جَا﴾ ”اور اُن میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا﴾ ”اور ان میں چاند کو نور بنایا“ یعنی زمین والوں کے لیے چاند کو نور بنایا۔
 (2) ﴿وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرًّا جَا﴾ ”اور سورج کو چراغ بنایا“ اس میں ان اشیاء کی تخلیق کے بڑے ہونے، نیز سورج اور چاند کے فوائد کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے بے پایاں احسان پر دلالت کرتی ہے۔ پس وہ عظیم اور رحیم ہستی، مستحق ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس سے محبت کی جائے، اس سے ڈرا جائے اور امید رکھی جائے۔ (تفسیر اسدی: 3/2848)
 (3) ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۗ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۗ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”وہی ہے جس نے سورج کو تیز روشنی اور چاند کو نور بنایا ہے اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ، وہ ان لوگوں کے لیے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں۔“ (یونس: 5)

﴿وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے، خاص طریقے سے اُگانا“ (17)

سوال: ﴿وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے، خاص طریقے سے اُگانا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے، خاص طریقے سے اُگانا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا جس طرح نباتات زمین کی مٹی سے پیدا ہوتے ہیں۔
 (2) یعنی تمہارے باپ آدم ﷺ کو مٹی سے پیدا کیا اور تم ان کی صلب میں تھے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ مَعَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَعَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ ”بلاشبہ عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی مثال جیسی ہے، اللہ تعالیٰ نے اُس (آدم) کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔“ (آل عمران: 59)

﴿ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا﴾

”پھر وہ تمہیں اس میں لوٹائے گا اور تمہیں نکالے گا، خاص طریقے سے نکالنا“ (18)

سوال: ﴿ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا﴾ ”پھر وہ تمہیں اس میں لوٹائے گا اور تمہیں نکالے گا، خاص طریقے سے نکالنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا﴾ ”پھر وہ تمہیں اس میں لوٹائے گا“، یعنی موت کے بعد تمہیں زمین میں واپس لے جاتا ہے اور اسی

میں تمہیں دفن کیا جاتا ہے۔ (ایرانشاہیر: 1682)

(2) ﴿وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا﴾ ”اور تمہیں نکالے گا، خاص طریقے سے نکالنا“، یعنی قیامت کے دن حساب کتاب اور جزا کے لیے تمہیں زمین سے نکالے گا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمِنَهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾ ”اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی میں سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔“ (طہ: 55)

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا﴾

”اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے ایک فرش بنا دیا (19)“

سوال: ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے ایک فرش بنا دیا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ بِسَاطًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے لیے ایک فرش بنا دیا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہارے آرام کے لیے پھیلا دیا۔ (2) اگر وہ زمین کو نہ پھیلاتا تو کھیتی باڑی، باغات اگانا، عمارات بنانا اور ان میں رہائش اختیار کرنا ممکن نہ ہوتا۔

﴿لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾

”تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو“ (20)

سوال: ﴿لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ ”تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿لَتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا﴾ ”تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو“ یعنی زمین کو پھیلا کر تمہارے لیے اس میں چلنا پھرنا اور نفع اٹھانا ممکن بنا دیا۔

(2) اللہ تعالیٰ نے زمین کو کھینچ کر ٹھہرانے کے لیے اس میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں تا کہ تم زمین پر ٹھہر سکو، جہاں چاہو چل پھر سکو۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ﴾ ”اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے کہ وہ انہیں ہلانہ دے اور اس میں ہم نے کشادہ راستے بنائے تا کہ وہ راہ نمائی پائیں۔“ (الانبیاء: 31)

رکوع نمبر 10

﴿قَالَ نُوحٌ رَبِّ انْتَهَبْ عَصَوِي وَاتَّبِعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا﴾

”نوح نے کہا: ”اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے اُس کے خسارے

کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا“ (21)

سوال: ﴿قَالَ نُوحٌ رَبِّ إِنِّي هُمْ عَصَوْتِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا﴾ ”نوح نے کہا: ”اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے اُس کے خسارے کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا“ گناہ گاروں کے لیے مال اور اولاد کی کثرت استدراج ہے وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالَ نُوحٌ﴾ ”نوح نے کہا:“ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنے رب کے سامنے قوم کی صورت حال رکھتے ہوئے کہا۔

(2) ﴿رَبِّ إِنِّي هُمْ عَصَوْتِي﴾ ”اے میرے رب! انہوں نے میری نافرمانی کی ہے“ یعنی قوم کو میری نصیحت نے کوئی فائدہ نہیں دیا۔ انہوں نے میرے ہر حکم کی نافرمانی کی ہے۔

(3) سیدنا نوح علیہ السلام نے انہیں ایک اللہ کی عبادت، تقویٰ، اطاعت اور استغفار کا حکم دیا تھا جس کی انہوں نے نافرمانی کی۔

(4) ﴿وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالَهُ وَوَلَدَهُ إِلَّا خَسَارًا﴾ ”اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے اُس کے خسارے کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا۔“ یعنی انہیں بڑے لوگوں اور اشراف کی پیروی نے ہلاکت میں ڈالا۔ ان کے مال اور اولاد نے انہیں خسارے میں ڈالا۔

(5) وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے غافل اور دنیا میں مست تھے حالانکہ نافرمانیوں کے ساتھ مال کی فراوانی اور اولاد کی کثرت استدراج کے طور پر تھی مگر وہ اسے تیری رضا اور اپنی عزت سمجھنے لگے۔ (6) ان کے لیے یہ خسارہ آخرت کا تھا۔

﴿وَمَكْرٌ وَّامْكْرٌ كِبَارًا﴾

”اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی، بہت بڑی خفیہ تدبیر“ (22)

سوال: ﴿وَمَكْرٌ وَّامْكْرٌ كِبَارًا﴾ ”اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی، بہت بڑی خفیہ تدبیر“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَكْرٌ وَّامْكْرٌ كِبَارًا﴾ ”اور انہوں نے خفیہ تدبیر کی، بہت بڑی خفیہ تدبیر“ یعنی ان کے رؤساء نے حق کی دشمنی میں بڑی چال چلی۔ انہوں نے قوم کو سخت دھوکے میں رکھا اور انہیں یہی سمجھا یا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہے جیسی تو ہمیں نواز رکھا ہے اگر وہ ناراض ہوتا تو ہمیں مال و دولت اور عزت و جاہ سے کیوں نوازتا؟

(2) قیامت کے دن ان رؤساء کو عوام یہی کہہ کر جھٹلائیں گے ﴿بَلْ مَكْرٌ الْيَلِيلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَ نَحْنًا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا ۖ وَسِرُّوا الْعَدَابَ ۖ وَجَعَلْنَا الْأَعْتَابَ فِي الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (۳) ”وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا ۖ إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ (۴)“ ”بلکہ دن رات کی

مکاری تھی جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کفر کریں اور اُس کے ساتھ شریک بنائیں، اور وہ ندامت کو چھپائیں گے جب وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ہم اُن کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے انہیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر جو وہ عمل کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی خبردار کرنے والا نہیں بھیجا مگر اُس کے خوش حال لوگوں نے کہا: ”یقیناً ہم اُس کا کفر کرنے والے ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے۔“ (س: 33، 34)

﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾

”اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ ہی یغوث اور یعوق اور نسر کو“ (23)

سوال: ﴿وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود کو چھوڑنا اور نہ سواع کو اور نہ ہی یغوث اور یعوق اور نسر کو“ رؤسائے قوم نوح علیہ السلام نے بتوں سے وابستگی کا حکم دیا اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالُوا﴾ ”اور انہوں نے کہا“ رؤسائے قوم نے شرک کی دعوت دیتے ہوئے کہا۔

(2) ﴿لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ﴾ ”کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا“ یعنی اپنے دیوی دیوتاؤں کو نہ چھوڑیں۔ اس دین کو نہ چھوڑیں جن پر ان کے آباء تھے۔

(3) ﴿وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا﴾ ”اور نہ ود کو چھوڑنا اور نہ سواع کو“ انہوں نے پانچ بتوں کے نام لیتے ہوئے ان سے دائمی وابستگی کی تلقین کی۔

(4) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جو بت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں پوجے جاتے تھے بعد میں وہی عرب میں پوجے جانے لگے۔ ودد و مہ الجندل میں بنی کلب کا بت تھا۔ سواع بن ہذیل کا۔ یغوث بنی مراد کا اور مراد کی شاخ بنی غطفیف کا جو وادی اجوف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے، یعوق بنی ہمدان کا بت تھا۔ نسر میر کا بت تھا جو ذوالکلاع کی آل میں سے تھے۔ یہ پانچوں سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب ان کی موت آگئی تو شیطان نے ان کے دل میں ڈالا کہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھتے تھے ان کے بت قائم کر لیں اور ان بتوں کے نام اپنے نیک لوگوں کے ناموں پر رکھ لیں چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت ان بتوں کی پوجا نہیں ہوتی تھی لیکن جب وہ لوگ مر گئے جنہوں نے بت قائم کئے تھے اور علم لوگوں میں نہ رہا تو ان کی پوجا ہونے لگی۔ (صحیح بخاری: 4920)

(5) سیدنا نوح علیہ السلام کے دور میں جن بڑے بڑے بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان میں سے صرف وہ معبود ذکر کیے ہیں جنہیں بعد میں اہل عرب نے بھی پوجنا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ ”ود“ قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنی کلب بن وبرہ کا معبود تھا۔ جس کا استھان انہوں نے ”ودمہ الجندل“ میں

بنارکھا تھا۔ ”سواح“ قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی اور اس کا بت عورت کی شکل میں بنایا گیا تھا۔ ”یعوث“ قبیلہ طے کی شاخ انعم اور قبیلہ مذحج کی بعض شاخوں کا معبود تھا۔ ”یعوق“ یمن کے علاقہ ہمدان قبیلہ ہمدان کا معبود تھا۔ اور ”نسر“ قبیلہ حمیر کی شاخ آل ذوالکلاع کا معبود تھا!

(7. جہان القرآن: 528, 529/3)

﴿وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾

”اور یقیناً انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھانا“ (24)

سوال: ﴿وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۗ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾ ”اور یقیناً انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھانا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا﴾ ”اور یقیناً انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا“ یعنی ان رؤسائے قوم نے اپنی دعوت سے بہت لوگوں کو گمراہ کیا۔ کیونکہ ان کی پرستش کا رواج صدیوں سے چلا آ رہا تھا۔ عرب و عجم کی اکثر قومیں اس بت پرستی کے مرض میں مبتلا ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی۔ ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّا ضَعَاءَ﴾ ”اور جب ابراہیم نے کہا: ”اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دیجیے اور مجھے اور میری اولاد کو بچا لیجیے کہ ہم بتوں کی عبادت کریں!“ (ابراہیم: 35)

(2) ﴿وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا﴾ ”اور ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھانا“ میرے ان کو حق کی دعوت دینے کے وقت اگر وہ گمراہ ہوتے تو یہ مصلحت تھی مگر ان سرداروں کی دعوت سے ان کی گمراہی میں اضافہ ہی ہوا ہے، یعنی اب ان کی کامیابی اور اصلاح کا کوئی امکان باقی نہیں۔ (تیسرے حصہ: 2849/3)

(3) یعنی ہماری آیات ان کے کفر ہی میں اضافے کا اور ان کے دلوں پر مہر لگانے کا سبب بنتی ہیں یہاں تک کہ وہ حق کی طرف ہدایت نہیں پاتے۔

(4) سرکشوں پر دونوں نے بددعا کی۔ سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ بددعا دی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے سرداروں پر بددعا کی تھی۔ ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَئَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ ”اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! بلاشبہ آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں زینت اور اموال دیے ہیں اے ہمارے رب! تا کہ وہ لوگوں کو آپ کی راہ سے بھٹکادیں؟ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو مٹادے اور ان کے دلوں پر سخت گرہ لگا دے، سو وہ ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔“ (پس: 88)

﴿يَا حَاطِيئِهِمْ أُعْرِقُوا فَأَدْخِلُوا آثَارًا﴾ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿

”اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کیے گئے، چنانچہ وہ آگ میں داخل کر دیے گئے، پھر اللہ تعالیٰ کے سوا

انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا“ (25)

سوال: ﴿يَا حَاطِيئِهِمْ أُعْرِقُوا فَأَدْخِلُوا آثَارًا﴾ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿”اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کیے گئے، چنانچہ وہ آگ میں داخل کر دیے گئے، پھر اللہ تعالیٰ کے سوا انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا“ مجرموں کو ان کے گناہ لے ڈوبے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا حَاطِيئِهِمْ أُعْرِقُوا﴾ ”اپنی خطاؤں کی وجہ سے غرق کیے گئے“ یعنی وہ اپنے گناہوں کی کثرت، کفر، سرکشی اور نوح علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے ڈوبے۔

(2) ﴿فَأَدْخِلُوا آثَارًا﴾ ”چنانچہ وہ آگ میں داخل کر دیے گئے“ یعنی ان کے جسم تو پانی میں چلے گئے اور روحمیں آگ کے حوالے کر دی گئیں۔ یہ ان کے گناہوں کی نحوست تھی جس سے سیدنا نوح علیہ السلام نے آگاہ کیا مگر انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہ دی یہاں تک کہ ان پر عذاب نازل ہو گیا۔

(3) سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور دفن کر کے لوگ پیٹھ موڑ کر رخصت ہوتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اس شخص کے متعلق تمہارا کیا اعتقاد ہے؟ وہ جواب دیتا ہے؟ کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس جواب پر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ دیکھو جہنم کا اپنا ٹھکانہ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے جنت میں ایک مکان اس کے بدلے بنا دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس بندہ مومن کو جنت اور جہنم دونوں دکھائی جاتی ہیں اور رہا کافر یا منافق اس کا جواب یہی ہوتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ میں نے لوگوں کو یہ بات کہتے سنا تھا تو میں بھی وہی کہتا رہا۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے کچھ سمجھا اور اچھے لوگوں کی پیروی کی اس کے بعد اسے ایک لوہے کے تھوڑے سے بڑے زور سے مارا جاتا ہے اور وہ اتنے بھیانک طریقے سے چیختا ہے کہ انسان اور جن کے سوا ارد گرد کی تمام مخلوق سنتی ہے۔ (بخاری: 1338)

(4) نبی کریم ﷺ نے عذاب جہنم اور عذاب قبر سے پناہ مانگی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ﴾ ”اے اللہ میں جہنم کی آگ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں، مسیح دجال

(کا نادجال) کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور موت اور زندگی کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔“ (سنن نسائی: 5521)

(5) ﴿فَلَمَّ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا﴾ ”پھر اللہ تعالیٰ کے سوا انہوں نے اپنا کوئی مددگار نہ پایا۔“ یعنی جب ان پر عذاب نازل ہوا انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی مددگار نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی کس میں قدرت ہے۔

(6) سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کہا تھا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا مگر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا مقابلہ کرنے کی کس میں قوت ہے۔

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ سَأَوْحِي رَأِي جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۗ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾ ”اُس نے کہا: ”میں جلد ہی کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا، وہ مجھے اس پانی سے بچالے گا۔“ نوح نے کہا: ”آج اللہ تعالیٰ کے فیصلہ عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اس نے رحم کیا،“ اور ان دونوں کے درمیان ایک موج حاصل ہوگئی پھر وہ غرق کیے گئے لوگوں میں سے ہو گیا۔“ (ہر: 43)

﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا﴾

”اور نوح نے کہا: ”اے میرے رب! تو زمین پر کافروں میں کسی رہنے والے کو نہ چھوڑ“ (26)

سوال: ﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا﴾ ”اور نوح نے کہا: ”اے میرے رب! تو زمین پر کافروں میں کسی رہنے والے کو نہ چھوڑ“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَقَالَ نُوحٌ رَبِّ لَا تَذَرْنِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا﴾ ”اور نوح نے کہا: ”اے میرے رب! تو زمین پر کافروں میں کسی رہنے والے کو نہ چھوڑ“ سیدنا نوح علیہ السلام نے قوم کے لیے بددعا کی۔ ﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُهُ نُوحًا فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ﴿١﴾ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ﴾ ”ان سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا تھا تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا: ”دیوانہ ہے۔“ اور اُسے جھڑکا گیا۔ تو اُس نے اپنے رب کو پکارا: ”میں بے بس ہوں سو تو بدلہ لے لے!“ (اتر: 9، 10)

(2) ﴿قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ﴿١١٤﴾ فَأَفْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١١٥﴾﴾ ”نوح علیہ السلام نے کہا: ”اے میرے رب! یقیناً میری قوم نے مجھے جھٹلایا۔ چنانچہ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے، کھلا فیصلہ اور مجھے اور جو ایمان والے میرے ساتھ ہیں، انہیں نجات دے۔“ (اشعرا: 117، 118)

(3) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی بددعا قبول کر لی اور دنیا کے سب کافروں کو ڈبو دیا حتیٰ کہ سیدنا نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ڈوب گیا۔

﴿إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾

”اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ بدکاروں اور ڈھیٹ کافروں کے سوا کسی کو جنم نہ دیں گے“ (27)

سوال: ﴿إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ ”اگر تو نے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور وہ بدکاروں اور ڈھیٹ کافروں کے سوا کسی کو جنم نہ دیں گے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿إِنَّكَ إِن تَذَرَهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ﴾ ”اگر تو نے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے“ یعنی ان کا باقی رہنا خود ان کے لیے بھی نقصان دہ ہوگا اور دوسروں کے لیے بھی باعثِ فساد ہوگا۔

(2) ﴿وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا﴾ ”اور وہ بدکاروں اور ڈھیٹ کافروں کے سوا کسی کو جنم نہ دیں گے“ سیدنا نوح علیہ السلام نے یہ بات اس لیے کہی تھی کیونکہ ان کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کے حالات سے آگاہ تھے اور ان کے اعمال کا نتیجہ انہیں معلوم تھا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور اہل ایمان کو بچا لیا باقی سب کو غرق کر دیا۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (۳) وَأَصْرَجَ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَحْطَبُنِي فِي الْذِّنِّ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ﴾ (۴) ”اور نوح کو وحی کی گئی کہ یقیناً تمہاری قوم میں سے اب کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا مگر یقیناً جو ایمان لا چکا، چنانچہ آپ ان کاموں پر غمگین نہ ہوں جو وہ کرتے ہیں۔ اور ہماری وحی کے مطابق اور ہماری آنکھوں کے سامنے آپ کشتی بنائیں اور جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کریں، بے شک وہ سب غرق کیے جانے والے ہیں۔“ (ہود: 36، 37)

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ط

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا﴾

”اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا“ (28)

سوال: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا ط وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا﴾ ”اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا“ سیدنا نوح علیہ السلام نے ہر مومن کے لیے دعا کی اس کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا﴾ ”اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور جو میرے گھر میں مومن بن کر داخل ہو“ سیدنا نوح علیہ السلام نے ہر مومن کے لیے دعا کی جو میرے گھر میں آئے یعنی میری مسجد میں آئے۔
 (2) اس کا بھی احتمال ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام نے ہر اس شخص کے لیے دعا کی جو ایمان کی حالت میں ان کے گھر آئے۔

(3) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نصیحت کرتے ہوئے) فرمایا: ”صرف مومن آدمی کی صحبت اختیار کر اور تیرا کھانا بھی کوئی متقی ہی کھائے۔“ (ترمذی: 2395، ابودؤد: 4832)

(4) ﴿وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ ”اور سب مومن مردوں اور عورتوں کو“ سیدنا نوح علیہ السلام نے تمام مومنوں کے حق میں دعا فرمائی خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔

(5) اس قسم کی دعا میں سیدنا نوح علیہ السلام کی پیروی کرنا مستحب ہے تاکہ ان کے آثار پر بھی عمل ہو جائے جو اس بارے میں آئے۔ (مختصر ابن کثیر: 2134)

(6) ﴿وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا﴾ ”اور ظالموں کو ہلاکت کے سوا کسی چیز میں نہ بڑھا۔“ سیدنا نوح علیہ السلام نے دعا کرتے ہوئے کہا: ”اے رب! انہیں اور بھی زیادہ سنگ دل بنا دے تاکہ انہیں ایمان نصیب نہ ہو اور دونوں جہانوں میں وہ برباد ہی رہیں۔“

(7) سیدنا نوح علیہ السلام نے ظالموں کے لیے حسرت، تباہی اور ہلاکت کی بددعا کی۔

﴿اباھا ۲۸﴾ ﴿۲۲﴾ سُورَةُ الْحَجِّ مَكِّيَّةٌ ۳۰﴾ ﴿مَرْكُوعَاتُهَا ۲﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس میں دو رکوع اور 28 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 72 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 40 ہے۔

رکوع نمبر 11

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾

﴿قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾

”کہہ دو کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ یقیناً جنوں کے ایک گروہ نے کان لگا کر غور سے سنا تو انہوں نے کہا کہ

یقیناً ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے“ (1)

سوال: ﴿قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ ”کہہ دو کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ یقیناً

جنوں کے ایک گروہ نے کان لگا کر غور سے سنا تو انہوں نے کہا کہ یقیناً ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دو“ رب العزت نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ لوگوں سے کہہ دیں۔

(2) ﴿أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ یقیناً جنوں کے ایک گروہ نے کان لگا کر غور سے سنا، یعنی آپ ﷺ اپنی قوم کو بتادیں کہ جن قرآن سن کر ایمان لے آئے، جن قرآن کو مان گئے ہیں، جن قرآن کے آگے جھک گئے ہیں۔

(3) جن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے قرآن سنا تو اس کی حقیقت کو سمجھ گئے اور قرآن ان کے دلوں کے اندر اتر گیا۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ سوق عکاظ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک میدان جہاں عربوں کا مشہور میلہ لگتا تھا) کا قصد کیا۔ اس زمانہ میں شیاطین تک آسمان کی خبروں کے چرالینے میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی اور ان پر آسمان سے آگ کے انگارے چھوڑے جاتے تھے جب وہ جن اپنی قوم کے پاس لوٹ کر آتے تو ان کی قوم نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی۔

انہوں نے بتایا کہ آسمان کی خبروں میں اور ہمارے درمیان رکاوٹ کر دی گئی ہے اور ہم پر آسمان سے آگ کے انگارے برسائے گئے ہیں، انہوں نے کہا کہ آسمان کی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ اس لئے ساری زمین پر

مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور تلاش کرو کہ کون سی بات پیش آگئی ہے۔ چنانچہ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل گئے تاکہ اس بات کا پتہ لگائیں کہ آسمان کی خبروں کی ان تک پہنچنے میں رکاوٹ پیدا کی گئی ہے وہ کس بڑے واقعہ کی وجہ سے ہے۔ بیان کیا کہ جو شیاطین اس کھوج میں

لٹکے تھے ان کا ایک گروہ وادی تہامہ کی طرف بھی آ نکلا (یہ جگہ مکہ معظمہ سے ایک دن کے سفر کی راہ پر ہے) جہاں رسول اکرم ﷺ منڈی عکاظ کی طرف جاتے ہوئے کھجور کے ایک بارغ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ اس وقت صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے

تھے۔ جب شیاطین نے قرآن مجید سنا تو یہ اس کو سننے لگ گئے پھر انہوں نے کہا کہ یہی چیز ہے وہ جس کی وجہ سے تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے اور ان سے کہا کہ ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا﴾ ہم نے ایک

عجیب قرآن سنا ہے۔ جو نیکی کی راہ دکھاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم اب اپنے پروردگار کو کسی کا سا جہمی نہ بنائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کی ﴿قُلْ أَوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ آپ کہئے کہ میرے پاس وحی آئی ہے اس

بات کی کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن مجید سنا۔ یہی جنوں کا قول نبی ﷺ پر نازل ہوا۔ (بخاری: 7733)

(5) رب العزت نے جنوں کی آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ﴾ فَلَمَّا حَضَرُوا قَالَ أَوْ ائْتَيْنَا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُّندِرِينَ﴾ ”اور جب ہم نے جنات کے ایک گروہ کو آپ کی طرف پھیر دیا

کہ غور سے قرآن سنتے تھے تو جب وہ اُس کے پاس آئے تو انہوں نے (آپس میں) کہا: ”خاموش ہو جاؤ“ پھر جب وہ پورا کیا گیا (تلاوت کو) تو خبردار کرنے والے بن کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔“ (الاحقاف: 29)

﴿يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۗ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾

”جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کریں گے“ (2)

سوال: ﴿يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِوَيْحَاتِكُمْ أَحَدًا﴾ ”جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کریں گے“ قرآن سیدھا اور کامیابی کا راستہ سمجھاتا ہے، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ﴾ ”جو ہدایت کی طرف راہ نمائی کرتا ہے“ یعنی قرآن سیدھا اور کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے۔

(2) قرآن عقیدے، قول اور عمل میں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ (ایرٹھایر: 1686)

(3) جنوں نے یہ گمان کیا تھا کہ مخلوق اس قرآن کے بغیر ہدایت نہیں پاسکتی اور یہ قرآن کی دعوت خالص راہ نمائی ہے۔

(4) ﴿رُشْدًا﴾ ہر اس چیز کے لیے جامع نام ہے جو لوگوں کے دین و دنیا کے مصالح کی طرف ان کی راہ نمائی کرے۔ (تفسیر سہی: 3/2851)

(5) ﴿فَآمَنَّا بِهِ﴾ ”تو ہم اس پر ایمان لائے ہیں“ یعنی ہم نے اس قرآن سے ہدایت پائی اور ہم نے اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ (قرلمی: 7/110)

(6) ﴿وَلَنْ نُشْرِكَ بِوَيْحَاتِكُمْ أَحَدًا﴾ ”اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کریں گے“ یعنی ہم ابلیس کی طرف رجوع نہیں کریں گے اور نہ اس کی اطاعت کریں گے۔

(7) یعنی اللہ تعالیٰ کو اس کی ربوبیت میں ایک مانیں گے۔ (قرلمی: 7/110) انہوں نے ایمان اور تقویٰ کو ایک کر لیا۔ یہی ایمان نفع دیتا ہے۔ اس کے برعکس تقلیدی ایمان شبہات میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔

(8) جن اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آئے انہوں نے شرک کو ترک کر دیا۔ جنوں نے ایک بار قرآن سنا تو اس پر ایمان لے آئے اور قریش کے کافروں کو قرآن سننے کا نفع نہ ہوا حالانکہ ان کی زبان میں اس کی تلاوت کی جاتی تھی۔

﴿وَأَنَّهُ تَعَلَىٰ جَدْرٍ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾

”اور یقیناً ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، اُس نے نہ کوئی بیوی بنائی اور نہ کوئی اولاد“ (3)

سوال: ﴿وَأَنَّهُ تَعَلَىٰ جَدْرٍ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾ ”اور یقیناً ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، اُس نے نہ کوئی بیوی بنائی اور نہ کوئی اولاد۔“ اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّهُ تَعَلَىٰ جَدْرٍ رَبِّنَا﴾ ”اور یقیناً ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے“ یعنی ہمارے رب کا جلال اور اس کی عظمت بہت بلند ہے۔ (2) یعنی ہمارا رب بلند و بالا، سب سے اعلیٰ اور بڑی شان والا ہے۔ (مفسر ابن کثیر: 2/2135)

(3) ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا﴾ ”اُس نے نہ کوئی بیوی بنائی اور نہ کوئی اولاد“ یعنی اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔

(4) کافر اللہ تعالیٰ کی جانب بیوی اور اولاد کو منسوب کرتے تھے رب العالمین بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝﴾ ”آپ کہہ دیجیے وہ اللہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنم نہ وہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہ کبھی کوئی ایک اُس کے برابر کا ہے۔“ (الاعلاص: 14)

﴿وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا﴾

”اور یقیناً ہمارے نادان اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادتی کی بات کہتے رہے ہیں“ (4)

سوال: ﴿وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا﴾ ”اور یقیناً ہمارے نادان اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادتی کی بات کہتے رہے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا﴾ ”اور یقیناً ہمارے نادان اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادتی کی بات کہتے رہے ہیں“ ﴿سَفِيهُنَا﴾ میں سفیہ سے مراد ایک فرد بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں وہ اہلیس ہے۔ جس نے جن و انسان کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے اور سفیہ سے مراد نادانوں کا گروہ بھی ہو سکتا ہے اور جھوٹی باتوں سے مراد تمام شرکیہ عقائد ہیں۔ (تیسیر القرآن: 532/4)

(2) یعنی وہ صواب سے ہٹی ہوئی اور حد سے گزری ہوئی بات کہتا ہے اور صرف اس کی سفاہت اور عقل کی کمزوری نے اسے ایسا کرنے پر آمادہ کیا ہے، ورنہ اگر وہ سنجیدہ اور مطمئن ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ کیسے بات کہنی ہے۔ (تیسیر حدی: 2851/3)

﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنْسَ وَالْحِجْنَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾

”اور یقیناً ہم نے یہی سمجھا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے“ (5)

سوال: ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنْسَ وَالْحِجْنَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ ”اور یقیناً ہم نے یہی سمجھا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے“ جنوں کے گمان کی وضاحت کریں کہ جنوں اور انسانوں کا جھوٹ پر اتفاق نہیں ہو سکتا؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نَقُولَ الْإِنْسَ وَالْحِجْنَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ ”اور یقیناً ہم نے یہی سمجھا تھا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بولیں گے“ جنوں نے کہا کہ ہم یہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ انسان اور جن سب جھوٹ پر اتفاق کر لیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی بچوں کی نسبت کر دیں گے۔ پھر جب ہم نے قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئے تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس بارے میں سب جھوٹے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2135/2)

(2) یعنی اس سے پہلے ہم دھوکے میں تھے کہ جن اور انسان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کی جرأت نہیں کرتے۔ آج ہم پر حق واضح ہو گیا ہے

اور ہمیں مخلوق کے کسی جھوٹ کی کوئی پروا نہیں ہے۔

﴿وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْحِجْنِ فَزَادُواهُمْ رَهَقًا﴾

”اور یقیناً انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو انہوں نے جنوں کو سرکشی میں بڑھا دیا“ (6)

سوال: ﴿وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْحِجْنِ فَزَادُواهُمْ رَهَقًا﴾ اور یقیناً انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو انہوں نے جنوں کو سرکشی میں بڑھا دیا، جاہلیت میں جنوں سے پناہ لی جاتی تھی آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْحِجْنِ فَزَادُواهُمْ رَهَقًا﴾ اور یقیناً انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ پکڑتے تھے تو انہوں نے جنوں کو سرکشی میں بڑھا دیا، یعنی انسان جنوں کی عبادت کرتے تھے اور جب کبھی خوف اور دہشت کا موقع آتا تو جنات کی پناہ لیتے تھے۔ ان کے اس طرز عمل نے جنوں کو بہت سرکش بنا دیا تھا۔ اسی بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَوْمَ يَحْضُرُهُمْ جَمِيعًا لِمَتَّعَهُمُ الْحِجْنِ قَدْ اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنسِ وَقَالَ أَوْلِيَّتُهُمْ مِنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَنَا لَنَا قَالَ النَّارُ مَعَكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّنَا حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا: ”اے جنوں کے گروہ! یقیناً تم نے انسانوں میں سے بہت سوں کو (دوست) بنایا۔“ اور انسانوں میں سے اُن کے ساتھی کہیں گے: ”اے ہمارے رب! ہم نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا اور ہم اپنے وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمایا۔“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، جس میں ہمیشہ رہو گے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے،“ یقیناً آپ کا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔“ (الانعام: 128)

(2) سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ قبیلہ تمیم کا ایک شخص تھا جس کا نام رافع بن عمیر تھا اس نے اپنے آغاز اسلام کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ایک رات میں عالج کے ریگستان میں جا رہا تھا جب نیند سے بے قابو ہو گیا تو اونٹنی کو ٹھہرا کر اتر کر ایک جگہ پڑا اور سو گیا لیکن سونے سے پہلے میں نے کہا کہ میں اس وادی کے جن سردار کی پناہ پکڑتا ہوں۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک آدمی کے ہاتھ میں چھوٹا نیزہ ہے اور میرے گلے میں بھالا مارنا چاہتا ہے۔ میں گھبرا کر بیدار ہوا اور ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہیں آیا خیال کیا کہ یہ بیہودہ خواب ہے۔ دوبارہ پھر غافل ہو کر سو گیا پھر بھی ایسا ہی خواب دیکھا اور بیدار ہو کر اونٹنی کے چاروں طرف دیکھا لیکن کوئی دکھائی نہیں دیا البتہ اونٹنی لرز رہی تھی پھر سو گیا اور ویسا ہی خواب دیکھا، بیدار ہوا تو اونٹنی کو بے قرار پایا اور ادھر ادھر دیکھا تو خواب والے آدمی کی طرح ایک جوان ہاتھ میں چھوٹا نیزہ لئے نظر آیا اور ایک بوڑھا آدمی جوان کا ہاتھ پکڑے اونٹنی سے اس کو روک رہا تھا وہ دونوں اسی کشائش میں تھے کہ تین نیل گائے زرمودار ہوئیں بوڑھے نے جوان سے کہا

اٹھ اور اس پناہ گیر آدمی کی اونٹنی کے عوض ان میں سے جس کو چاہے پکڑ لے وہ جوان اٹھا اور ایک بڑی ٹیل گائے کو پکڑ لیا اور واپس چلا گیا، میں نے بوڑھے کی طرف رخ کیا تو اس نے اس سے کہا اے شخص جب تو کسی وادی میں فروکش ہو اور وہاں تجھے کسی دہشت کا خطرہ ہو تو یوں کہا کرو: ”میں اس اللہ کی جو محمد کا رب ہے اس وادی کے خطرے سے پناہ مانگتا ہوں“ کسی جن کی پناہ نہ مانگنا ان کا کام اب تباہ ہو گیا میں نے پوچھا یہ محمد کون ہیں؟ بوڑھے نے کہا! عرب کے رہنے والے ایک نبی ہیں نہ مشرقی ہیں نہ مغربی دوشنبہ کے دن ان کے بعثت ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا ان کا مقام سکونت کہاں ہے۔ اس نے کہا نخلستان والا یثرب۔ جب صبح چمکی تو میں اونٹنی پر سوار ہو کر تیز تیز مدینہ پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھے بغیر ہی میرا ذکر کیا میری سرگزشت بیان فرمادی اور مجھے اسلام کی دعوت دی میں مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

(3) سیدہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”جس شخص نے کسی جگہ پڑاؤ کیا اور یہ دعا پڑھی: ﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ﴾ ”میں اللہ کے کامل کلمات کی پناہ پکڑتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔“ تو وہاں سے روانہ ہونے تک اسے کوئی چیز ضرر نہیں پہنچائے گی۔“ (مسلم: 6878)

﴿وَأَتَيْنَهُمْ ظُلُومًا لَمَّا ظَنَنُوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا﴾

”اور یقیناً انہوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی نہیں اٹھائے گا“ (7)

سوال: ﴿وَأَتَيْنَهُمْ ظُلُومًا لَمَّا ظَنَنُوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا﴾ ”اور یقیناً انہوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی نہیں اٹھائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَتَيْنَهُمْ ظُلُومًا لَمَّا ظَنَنُوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا﴾ ”اور یقیناً انہوں نے بھی وہی گمان کیا جیسا کہ تمہارا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی نہیں اٹھائے گا“ یعنی جنوں کی طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا اور یہ کہ موت کے بعد کی زندگی کوئی چیز نہیں۔

(2) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جنوں میں بھی مشرک، یہودی، عیسائی اور بعث کا انکار کرنے والے ہوتے ہیں۔

﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَهَا مِلْمَةً حَرَرًا شَدِيدًا وَشُهَبًا﴾

”اور یقیناً ہم نے آسمان کو ہاتھ لگایا ہم نے اسے اس طرح پایا کہ وہ سخت پھرے اور چمکدار شعلوں سے بھر دیا گیا“ (8)

سوال: ﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَهَا مِلْمَةً حَرَرًا شَدِيدًا وَشُهَبًا﴾ ”اور یقیناً ہم نے آسمان کو ہاتھ لگایا ہم نے اسے اس طرح پایا کہ وہ سخت پھرے اور چمکدار شعلوں سے بھر دیا گیا۔“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ﴾ ”اور یقیناً ہم نے آسمان کو ہاتھ لگایا“ یعنی جب آسمان پر گئے اور وہاں کے حالات کی خبر لینے کی

کوشش کی۔

(2) ﴿فَوَجَدْنَاهَا مُلَمَّتًا حَرَسًا شَدِيدًا﴾ ہم نے اسے اس طرح پایا کہ وہ سخت پہرے سے بھر دیا گیا، یعنی ہم آسمان کے کناروں تک پہنچے اور اس کے قریب آنے سے حفاظت کے لیے آسمان کو سخت پہرے داروں سے بھرا ہوا پایا۔

(3) ﴿وَوَشَّهَبًا﴾ ”اور چمکدار شعلوں سے“ یعنی ایسے انگاروں سے آسمان بھرا ہوا پایا جن کو جنات پر پھینکا جاتا ہے کیونکہ وہ سن گن لینے کی کوشش کرتے تھے۔

(4) محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے جنات آسمان تک پہنچ جاتے تھے پھر جگہ جگہ بیٹھ کر فرشتوں کی باتیں سنا کرتے تھے اگر ان کے کان میں کوئی جھنک پڑ جاتی تو کانہوں سے کہہ دیتے کہ ہن ایک بات میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے کہہ دیتے پھر جب نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا اور قرآن نازل کرنے کا اہتمام کیا گیا تو آسمان کی حفاظت کی گئی اور سخت پہرے دار مقرر کیے گئے۔ شیاطین بھگا دیے گئے تاکہ وہ قرآن نہ چرا سکیں اللہ رب العزت نے اس معزز کلام کی حفاظت فرمائی اسی وجہ سے جن کہہ رہے تھے کہ ہم نے آسمان کا کونا کونا چھان مارا، جہاں بھی گئے پہرے داروں اور خوفناک شعلوں اور انگاروں سے آسمان کو بھرا ہوا پایا۔

(5) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جن آسمان کی طرف چڑھ کر وحی سننے جایا کرتے تھے، اور جب وہ ایک بات سن لیتے تو اس میں اور بڑھا لیتے، جو بات وہ سنتے وہ توحق ہوتی لیکن جو بات وہ اس کے ساتھ بڑھا دیتے وہ باطل ہوتی، اور جب رسول اللہ ﷺ مبعوث فرمادیے گئے تو انہیں (جنوں کو) ان کی نشست گاہوں سے روک دیا گیا تو انہوں نے اس بات کا ذکر ابلیس سے کیا: اس سے پہلے انہیں تارے پھینک پھینک کر نہ مارا جاتا تھا، ابلیس نے کہا: زمین میں کوئی نیا حادثہ وقوع پذیر ہوا ہے جیسا ہوا ہے، اس نے پتہ لگانے کے لیے اپنے لشکر کو بھیجا، انہیں رسول اللہ ﷺ دو پہاڑوں کے درمیان کھڑے نماز پڑھتے ہوئے ملے۔ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے سیدنا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا، وہ لوگ آپ سے ملے اور جا کر اسے بتایا، پھر اس نے کہا یہی وہ حادثہ ہے جو زمین پر ظہور پذیر ہوا۔ (جامع 7: 3324)

﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ط فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا﴾

”اور یقیناً ہم اُس کی کئی جگہوں میں باتیں سننے بیٹھا کرتے تھے تو اب جو کوئی بھی کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے

ایک چمکدار شعلہ گھات میں پاتا ہے“ (9)

سوال: ﴿وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ط فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا﴾ ”اور یقیناً ہم اُس کی کئی جگہوں میں باتیں سننے بیٹھا کرتے تھے تو اب جو کوئی بھی کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے ایک چمکدار شعلہ گھات میں پاتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنكَرْنَا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ﴾ ”اور یقیناً ہم اُس کی کئی جگہوں میں باتیں سننے بیٹھا کرتے تھے“ یعنی پہلے تو ہم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق فرشتوں کی باتیں سننے اور نئی تازی خبریں سننے کے لیے آسمان پر جگہ جگہ بٹھہ جایا کرتے تھے لیکن اب آسمان تک گزر بھی ممکن نہیں۔

(2) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو سن کر عاجزی کرتے ہوئے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان انہیں اس طرح سنائی دیتا ہے جیسے صاف پکنے پتھر پر زنجیر چلنے کی آواز پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ کہتے ہیں حق بات کا حکم فرمایا اور وہ بہت اونچا سب سے بڑا ہے پھر ان کی یہی گفتگو چوری چھپے سننے والے شیطان سن بھاگتے ہیں، شیطان آسمان کے نیچے یوں نیچے اوپر ہوتے ہیں، سفیان نے اس موقع پر تھیلی موڑ کر انگلیاں الگ الگ کر کے شیاطین کے جمع ہونے کی کیفیت بتائی کہ اس طرح شیطان ایک کے اوپر ایک رہتے ہیں، پھر وہ شیاطین کوئی ایک کلمہ سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتاتے ہیں۔ اس طرح وہ کلمہ ساحر یا کاہن تک پہنچتا ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ کلمہ اپنے نیچے والے کو بتائیں آگ کا گولہ انہیں آدبوچتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب بتا لیتے ہیں تو آگ کا انکار انہیں آپڑتا ہے، اس کے بعد کاہن اس میں جھوٹ ملا کر اس میں لوگوں سے بیان کرتا ہے ایک بات جب اس کاہن کی صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ کیا اس طرح سے ہم سے فلاں دن کاہن نے نہیں کہا تھا، اسی کلمے کی وجہ سے جو آسمان پر شیاطین نے سنا تھا کاہنوں اور ساحروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔“ (صحیح بخاری: 4800)

(3) ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کاہنوں کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ فرمایا: ان کی باتیں محض لغو ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کبھی تو ان کی بات سچ بھی نکل آتی ہے۔ فرمایا: یہ وہ بات ہوتی ہے جو کاہن کو شیطان کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے اور شیطان یہ خبر ملاء اعلیٰ سے اڑا لیتا ہے، پھر کاہن اس خبر میں سو جھوٹ ملا لیتا ہے۔ (بخاری باب الکھانت)

(4) ﴿فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَحْدِثْ لَكُمْ شَهَابًا بِآزْ صَدًّا﴾ ”تو اب جو کوئی بھی کان لگاتا ہے وہ اپنے لیے ایک چمکدار شعلہ گھات میں پاتا ہے“ اب جو کوئی فرشتوں کی باتیں سننے اور آسانی خبریں لینے کی کوشش کرتا ہے تو شہاب ثاقب کو گھات میں لگا ہوا پاتا ہے جو اس کو جلا کر تباہ کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ یہ عظیم معاملہ دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی بڑا واقعہ وقوع پذیر کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

﴿وَأَنكَرْنَا لَنَرِيَّ أَشْرًا أُرِيدُ مَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾

”اور یقیناً ہم نہیں جانتے کہ جو زمین میں ہیں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے

ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے“ (10)

سوال: ﴿وَأَنكَ لَا تَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَ يَمُنَ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ ”اور یقیناً ہم نہیں جانتے کہ جو زمین میں ہیں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے رب نے اُن کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنكَ لَا تَدْرِي أَشَرُّ أُرِيدَ يَمُنَ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ ”اور یقیناً ہم نہیں جانتے کہ جو زمین میں ہیں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا اُن کے رب نے اُن کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔“ یعنی ہم نہیں جانتے، اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے مخلوق کے بارے میں خیر کا ارادہ کیا ہے یا شر کا۔ ان سخت انتظامات سے کوئی عذاب آنے والا ہے یا کوئی نعمت ظاہر ہونے والی ہے۔

(2) جنات نے برائی (شر) کا فاعل بیان نہیں کیا اور بھلائی کا فاعل (اللہ تعالیٰ) ظاہر کر دیا۔

(3) سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کو جو دعا کیا کرتے تھے اس میں یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے: ﴿وَالشُّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ﴾ ”اور (اے اللہ!) شر کی نسبت آپ کی طرف نہیں ہے۔“ (مسلم: 1812)

﴿وَأَنكُم مِّنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا ذُنُوبٌ كُنَّا ظَرَأَيْقٍ قَدًّا﴾

”اور یقیناً ہم میں سے کچھ لوگ نیک ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں، ہم مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں“ (11)

سوال: ﴿وَأَنكُم مِّنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا ذُنُوبٌ كُنَّا ظَرَأَيْقٍ قَدًّا﴾ ”اور یقیناً ہم میں سے کچھ لوگ نیک ہیں اور کچھ اس کے علاوہ ہیں، ہم مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنكُم مِّنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور یقیناً ہم میں سے کچھ لوگ نیک ہیں“ یعنی ہم میں سے کچھ لوگ مسلمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ (جامع البیان: 118/29)

(2) ﴿وَمِنَّا ذُنُوبٌ﴾ ”اور کچھ اس کے علاوہ ہیں“ یعنی کچھ جنوں کا ایمان کمزور اور اطاعت میں کمی ہے۔

(3) ﴿كُنَّا ظَرَأَيْقٍ قَدًّا﴾ ”ہم مختلف گروہوں میں تقسیم ہیں“ یعنی لوگوں کے مذاہب اور خواہشات مختلف ہیں۔ (ابن القاسم: 687/1)

(4) یعنی کچھ جن مسلمان اور کچھ کافر ہیں۔

(5) امام سعید بن المسیب اور مجاہد بن جبر سے کہتے ہیں کہ آدمیوں کی طرح جنوں کے بھی مختلف گروہ تھے۔ چنانچہ کوئی مسلمان تھا، کوئی یہودی، کوئی نصرانی اور کوئی مجوسی۔ (قرطبی)

(6) رب العزت نے انسانوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْآيَاتِ إِذِنَ اللَّهُ لَهُ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ﴾ ”پھر ہم نے اس کتاب کا وارث اُن لوگوں کو بنایا جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب فرمایا چنانچہ اُن میں سے کوئی اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، اور ان میں

سے کوئی میانہ رو ہے اور کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم سے نیکیوں میں آگے نکل جانے والا ہے، یہی بہت بڑا فضل ہے۔“ (طبر: 32)

(7) ﴿وَقَطَعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمَاءَ مِنْهُمْ الطَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ حُونَ ذَلِكَ وَبَلَوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”اور ہم نے ان کو زمین میں گروہوں میں گلڑے گلڑے کر دیا، ان میں سے کچھ نیک اور کچھ ان کے علاوہ تھے اور ہم نے انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزما یا تاکہ وہ پلٹ آئیں۔“ (الاعراف: 168)

﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا﴾

”اور یقیناً ہم نے یقین کر لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی بھاگ کر اُسے عاجز کر سکیں گے“ (12)

سوال: ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا﴾ ”اور یقیناً ہم نے یقین کر لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی بھاگ کر اُسے عاجز کر سکیں گے“ جن اللہ تعالیٰ کی ہمہ گیر قدرت کے قائل ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّنْ نُّعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور یقیناً ہم نے یقین کر لیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے“ یعنی ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل قدرت کا مالک ہے اور ہم مکمل طور پر بے بس ہیں۔

(2) ﴿وَلَن نُّعْجِزَهُ هَرَبًا﴾ ”اور نہ ہی بھاگ کر اُسے عاجز کر سکیں گے“ ہم اللہ تعالیٰ سے بھاگ نہیں سکتے۔ بھاگنے کے اسباب اختیار کرنے کی کوشش کی تو ہم نے جان لیا کہ اس سے بھاگ کر کوئی ٹھکانا، کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

(3) یعنی ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اندر ہیں اسے ہر انہیں سکتے، اگر بھاگ کر جانا چاہیں تو اس کی قدرت کے دائرے میں رہیں گے کیونکہ یہ دائرہ غیر متناہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم پر قادر ہے، پکڑ لائے گا۔ (مضمر ابن کثیر: 2/2138)

﴿وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ أَمْنَا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا﴾

”اور یقیناً ہم نے ہدایت کو سنا، ہم اُس پر ایمان لے آئے پھر جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے گا

تو اُسے نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ زیادتی کا“ (13)

سوال: ﴿وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ أَمْنَا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا﴾ ”اور یقیناً ہم نے ہدایت کو سنا، ہم اُس پر ایمان لے آئے پھر جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے گا تو اُسے نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ زیادتی کا“ مومن کو ایمان لا کر کمی یا زیادتی کا ڈر نہیں ہوتا آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ أَمْنَا بِهِ﴾ ”اور یقیناً ہم نے ہدایت کو سنا، ہم اُس پر ایمان لے آئے“ یعنی جب ہم نے ہدایت

کی کتاب قرآن مجید کو سنا تو ہم ایمان لے آئے۔ (2) ہم نے ہدایت کو پہچان لیا، اس نے ہمارے دلوں پر گہرا اثر کیا۔
 (3) ﴿فَمَنْ يُؤْمِنْ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ فَلَا يَخَافُ بَغْضًا وَلَا رَهَقًا﴾ ”اور جو کوئی اپنے رب پر ایمان لائے گا تو اُسے نہ نقصان کا خوف ہوگا اور نہ زیادتی کا“ یعنی جو کوئی رب پر ایمان لے آیا اسے ایمان لا کر کمی یا زیادتی کا ڈر نہیں رہتا، یعنی نہ نیکیوں میں کمی کا ڈر رہتا ہے نہ یہ ڈر رہتا ہے کہ کسی کی برائیاں اس کے اوپر ڈال دی جائیں گی۔ (4) جب وہ شر سے محفوظ ہو گیا تو اسے بھلائی حاصل ہو گئی۔
 (5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا﴾ ”اور جو نیک عمل کرے گا اور وہ مومن بھی ہو تو نہ وہ کسی نا انصافی سے ڈرے گا اور نہ کسی حق تلفی سے۔“ (ط: 112)

﴿وَأَكَا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا الْقَائِسُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرُّوا رَشَدًا﴾

”اور ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ بے انصاف ہیں، چنانچہ جو فرماں بردار ہو تو انہوں نے بھلائی کا ارادہ کیا“ (14)

سوال: ﴿وَأَكَا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا الْقَائِسُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرُّوا رَشَدًا﴾ ”اور ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ بے انصاف ہیں، چنانچہ جو فرماں بردار ہو تو انہوں نے بھلائی کا ارادہ کیا“ اسلام ہی بھلائی کا راستہ ہے آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَكَا مِمَّا الْمُسْلِمُونَ وَمِمَّا الْقَائِسُونَ﴾ ”اور ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ بے انصاف ہیں“ یعنی ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ ظالم ہیں جو صراطِ مستقیم کو چھوڑنے والے ہیں۔

(2) ﴿فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحَرُّوا رَشَدًا﴾ ”چنانچہ جو فرماں بردار ہو تو انہوں نے بھلائی کا ارادہ کیا“ جو فرماں بردار ہوئے انہوں نے اسلام لا کر نجات کا راستہ ڈھونڈ لیا۔ انہوں نے ہدایت کا راستہ پالیا جو جنت اور اس کی نعمتوں تک پہنچانے والا ہے۔

(3) ﴿تَحَرُّوا﴾ احزابی بمعنی لائق تر اور تَحَرُّوا بمعنی زیادہ مناسب اور لائق تر چیز کو طلب کرنا۔ دو چیزوں میں سے زیادہ بہتر کو طلب کرنا۔ یعنی ایمان لانے والے جن اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں سمجھا رہے ہیں کہ بلاشبہ ہم میں سے کچھ فرماں بردار ہیں اور کچھ نافرمان اور بے راہ رو بھی ہیں۔ (تیسرا القرآن: 4/534)

﴿وَأَمَّا الْقَائِسُونَ فَكَانُوا لِحَبَّتِهِمْ حَطَبًا﴾

”اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں“ (15)

سوال: ﴿وَأَمَّا الْقَائِسُونَ فَكَانُوا لِحَبَّتِهِمْ حَطَبًا﴾ ”اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں“ ظالم ہی جہنم کا ایندھن ہیں، واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَمَّا الْفَاسِقُونَ فَكَانُوا أَيْدِيَهُمْ حُطَبًا﴾ ”اور جو بے انصاف ہیں تو وہ جہنم کا ایسا پھل ہیں“ ظالموں سے ہی جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی، اللہ تعالیٰ انہیں ظلم کی پاداش میں جہنم رسید کرے گا۔ (2) یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظلم نہیں، ان کے اپنے اعمال کا بدلہ ہے۔

﴿وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾

”اور یہ کہ اگر لوگ راہ ہدایت پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں ضرور بہت دافرپانی سے پلاتے“ (16)

سوال: ﴿وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾ ”اور یہ کہ اگر لوگ راہ ہدایت پر ثابت قدم رہتے تو ہم انہیں ضرور بہت دافرپانی سے پلاتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ﴾ ”اور یہ کہ اگر لوگ راہ ہدایت پر ثابت قدم رہتے“ یعنی اگر وہ سیدھے راستے یعنی اسلام پر چلے رہتے اور اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے۔

(2) ﴿أَسْقَيْنَهُمْ مَاءً غَدَقًا﴾ ”تو ہم انہیں ضرور بہت دافرپانی سے پلاتے“ یعنی انہیں کثیر مال اور وسعت والارزق اور کثیر بھلائیاں دیتے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ ”اور اگر یقیناً بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہتے تو ہم ضرور ان پر آسمان اور زمین سے بہت سی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلایا تو ہم نے اُس کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا جو وہ کمایا کرتے تھے۔“ (الاعراف: 96)

(3) ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَحْمِلُونَ﴾ ”اور اگر واقعاً وہ تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور جو ان کے رب کی جناب سے ان پر نازل کیا گیا ہے تو وہ اپنے اوپر سے بھی اور اپنے قدموں کے نیچے سے بھی رزق کھاتے۔ ان میں سے ایک گروہ درمیانی روش پر ہے اور ان میں سے زیادہ تر لوگ بہت ہی بُرا عمل کر رہے ہیں۔“ (المائدہ: 66)

﴿لَنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ط وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكُهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾

”تاکہ ہم اُس میں اُن کو آزمائیں اور جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا وہ اُسے سخت عذاب میں داخل کرے گا“ (17)

سوال: ﴿لَنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ط وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكُهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ ”تاکہ ہم اُس میں اُن کو آزمائیں اور جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا وہ اُسے سخت عذاب میں داخل کرے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَنَفْتِنَهُمْ فِيهِ﴾ ”تاکہ ہم اُس میں اُن کو آزمائیں“ یعنی ہم انہیں وسعت اور ننگی سے آزماتے ہیں کہ کون فرانی میں ہدایت

پر جمار ہوتا ہے اور کون شیطان کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ (2) آزمائش اس لیے ضروری ہے کہ سچے اور جھوٹے کافر کو واضح ہو جائے۔

(3) ﴿وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا﴾ ”اور جو اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑے گا وہ اُسے سخت عذاب میں داخل کرے گا“ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ذکر جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے سے روگردانی کرے، اس کی اتباع کرے نہ اس کی اطاعت کرے بلکہ اس کے بارے میں غافل رہے۔ (تفسیر سہی: 3/2855)

(4) جو قرآن سے منہ موڑے گا اور ایمان اور عمل صالح سے منہ موڑے گا جس کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی سخت تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کرے گا اور آخرت میں جہنم رسید کرے گا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَخْلَى﴾ ”اور جو میرے ذکر سے منہ موڑے گا تو اس کے لیے یقیناً زندگی تنگ ہوگی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا ٹھامیں گے۔“ (طہ: 124)

﴿وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾

”اور یقیناً مسجدیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں چنانچہ ان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو“ (18)

سوال: ﴿وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ ”اور یقیناً مسجدیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں چنانچہ ان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ ”اور یقیناً مسجدیں اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں چنانچہ ان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو“ یعنی مساجد میں دعائے عبادت یا دعائے مسئلہ غرضیکہ کوئی سی بھی دعا اللہ کے سوا کسی سے نہ کی جائے کیونکہ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے سب سے بڑا مقام محل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، اس کی عظمت کے سامنے خضوع اور اس کے غلبے کے سامنے فروتنی کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہیں۔ (تفسیر سہی: 3/2855)

(2) بعض علماء کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کے لیے تو ساری زمین ہی مسجد بنا دی گئی ہے لہذا کسی جگہ بھی اللہ کے ساتھ دوسروں کو پکارنا جائز نہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک مساجد میں دعائے عبادت یا دعائے مسئلہ غرضیکہ کوئی سی بھی دعا اللہ کے سوا کسی سے نہ کی جائے کیونکہ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے سب سے بڑا مقام محل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص، اس کی عظمت کے سامنے خضوع اور اس کے غلبے کے سامنے فروتنی کی بنیاد پر تعمیر کی گئی ہیں۔ (تفسیر سہی: 3/2855)

(3) مسجدیں اللہ ہی کی ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو نہ پکارو۔ (4) یعنی اللہ کی مسجدوں کو شرک سے پاک رکھو اور اللہ کی عبادت کرو۔

﴿وَأَنَّهُ لَهَا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾

”اور یقیناً جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ لوگ تہ بہ تہ اس پر جمع ہو جائیں“ (19)

سوال: ﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ اور یقیناً جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ لوگ تہ بہ تہ اس پر جمع ہو جائیں، قرآن سنتے ہی کافر سچ پا ہو جاتے ہیں، آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ﴾ اور یقیناً جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اُس کو پکارنے کے لیے کھڑا ہوا، یعنی جب نبی لوگوں میں توحید کا اعلان کرتے ہیں تو وہ آپ ﷺ پر دانت پیستے ہیں، آپ ﷺ سے اچھتے ہیں اور آپ ﷺ کے دین کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (2) یعنی جب اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے، اس کی عبادت کرتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے۔ (تفسیر سدی: 3/2855)

(3) ﴿كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا﴾ ”قریب تھا کہ لوگ تہ بہ تہ اس پر جمع ہو جائیں“ یعنی جب توحید کی آواز کافروں نے سنی تو مخالفت پر کمرس لی۔ ایذا رسانی کی حد کردی، مذاق، چوٹیں، پھبتیاں اسلام کو کچل دینے کے لیے ہی تھیں۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ میں تو اپنے رب کی عبادت کرتا رہوں گا۔ اس کی پناہ میں رہوں گا۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی میرا سہارا ہے۔ مجھ سے امید نہ رکھو کہ میں اپنی مقدس پیشانی غیر اللہ کے آگے جھکا دوں۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2139)

کوع نمبر 12

﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾

”کہہ دو کہ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا“ (20)

سوال: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ ”کہہ دو کہ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دو“ یعنی اے محمد ﷺ جس چیز کی طرف آپ ﷺ بلا رہے ہیں اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہہ دیں۔
 (2) ﴿إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ ”کہہ دو کہ میں اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا“ یعنی میں اللہ تعالیٰ کو ایک مانتا ہوں اور یہ کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے سوا جتنے معبود پوجے جاتے ہیں سب سے برأت کا اظہار کرتا ہوں۔

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾

”کہہ دو بلاشبہ میں نہ تمہارے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا“ (21)

سوال: ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ ”کہہ دو بلاشبہ میں نہ تمہارے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی کا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا﴾ ”کہہ دو بلاشبہ میں نہ تمہارے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ کسی بھلائی

کا۔“ رسول اکرم ﷺ کو کہا جا رہا ہے کہ آپ انہیں اس بات کی وضاحت کر دیں کہ میں تو ایک بندہ ہوں، معاملے اور تصرف میں مجھے کوئی اختیار نہیں۔“ (تفسیر سہی: 3/2856)

(2) یعنی میں عاجز بندہ ہوں میرے اختیار میں کچھ نہیں۔ میں نہ تو تمہیں ہدایت دے سکتا ہوں نہ ہٹا سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا اختیار ہے۔

﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ؛ وَلَنْ أجدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾

”کہہ دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ہرگز کوئی نہیں بچائے گا اور میں اُس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاسکتا“ (22)

سوال: ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ؛ وَلَنْ أجدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ ”کہہ دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ہرگز کوئی نہیں بچائے گا اور میں اُس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاسکتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ﴾ ”کہہ دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے ہرگز کوئی نہیں بچائے گا“ ابن جریر نے حضرمی کی روایت میں بیان کیا ہے کہ جنات کے کسی سردار نے اپنے گروہ سے کہا تھا کہ محمد ہم سے چاہتے ہیں کہ ہم ان کو پناہ عطا کریں اس لئے میں ان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس پر یہ آیت قُلْ إِنِّي لَنْ يُخَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ نازل ہوئی۔ (تفسیر طبری: 94)

(2) یعنی میں کسی سے فریادرسی نہیں چاہتا جو مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے۔ جب رسول اللہ ﷺ جو مخلوق میں کامل ترین ہستی ہیں، کسی نقصان اور رشد و ہدایت کا اختیار نہیں رکھتے اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو آپ اپنے آپ کو اس سے بچا نہیں سکتے تو پھر مخلوق میں سے دیگر لوگوں کا اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہ ہونا اولیٰ و آخریٰ ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2856)

(3) ﴿وَلَنْ أجدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا﴾ ”اور میں اُس کے سوا ہرگز کوئی جائے پناہ نہیں پاؤں گا“، یعنی میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑانے والی کوئی طاقت نہیں۔ اس کے سوا میرے لیے کوئی جائے پناہ نہیں۔ اس کے سوا میرا کوئی حمایتی نہیں۔

﴿إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَةً؛ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ تَارَةً جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾

”مگر اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لیے

بلاشبہ جہنم کی آگ ہے، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ (23)

سوال: ﴿إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَةً؛ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ تَارَةً جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾ ”مگر اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لیے بلاشبہ جہنم کی آگ ہے، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿الَّذِينَ بَلَغُوا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَتِهِ﴾ ”مگر اللہ تعالیٰ کی بات اور اس کے پیغامات پہنچا دینا ہے“ یعنی لوگوں پر مجھے کوئی اختیار نہیں نہ کسی کی ہدایت اور گمراہی میرے بس میں ہے۔ میں تو ایک رسول ہوں میرا فرض پیغام پہنچانا ہے۔ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ”اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے اُسے پہنچا دو اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ (المائدہ: 67)

(2) ﴿وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا﴾ ”اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لیے بلاشبہ جہنم کی آگ ہے، وہ اُس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں“ یعنی جو شرک کر کے اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اس کے رسول کو جھٹلائے گا اور جو رسول لے کر آیا اس کی پیروی نہیں کرے گا تو اس کے شرک اور نافرمانی کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا﴾

”حتیٰ کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے تو جلد ہی وہ جان لیں گے کہ کس کے مددگار زیادہ کمزور

اور تعداد میں زیادہ کم ہیں؟“ (24)

سوال: ﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا﴾ ”حتیٰ کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے تو جلد ہی وہ جان لیں گے کہ کس کے مددگار زیادہ کمزور اور تعداد میں زیادہ کم ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ﴾ ”حتیٰ کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا اُن سے وعدہ کیا جاتا ہے“ یعنی جب مشرک جن اور انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب کی ہولناکیاں دیکھیں گے۔ (2) ﴿فَسَيَعْلَمُونَ﴾ ”تو جلد ہی وہ جان لیں گے“ اس وقت انہیں علم ہو جائے گا۔ (3) ﴿مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا﴾ ”کہ کس کے مددگار زیادہ کمزور اور تعداد میں زیادہ کم ہیں؟“ اس دن پتہ لگ جائے گا کہ کس کی مدد ہوگی۔ کوئی دوسرا ان کی مدد نہیں کر سکے گا اور انہیں اکیلے اکیلے اٹھایا جائے گا جیسے پہلی مرتبہ اکیلے پیدا کیے گئے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرُونَ﴾ (۳۳) سَيَهْرَمُهُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبُرَ (۳۴) بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ (۳۵) إِنَّ الْمَجْرِمِينَ فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ (۳۶) يَوْمَ يُسْعَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ تُدُوقُونَ أَمْسِنَ سَقَرٍ (۳۷) ”کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم غلبہ پانے والی جماعت ہیں؟ جلد ہی اُس جماعت کو شکست دی جائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ بلکہ قیامت اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ہے۔ بلاشبہ مجرم لوگ گمراہی اور دیوانگی

میں ہیں۔ جس دن انہیں چہروں کے بل آگ میں گھسیٹا جائے گا، پکھو آگ کا چھونا۔“ (اتمر: 44، 48)

(5) جب کوئی ان کی مدد نہیں کر سکے گا اور انہیں اکیلے اکیلے اٹھایا جائے گا تو انہیں علم ہو جائے گا کہ وہ کتنے کمزور ہیں اور تعداد میں کتنے کم۔

﴿قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقْرِبُ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّيٓ أَمَدًا﴾

”کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا رب اُس کے لیے کوئی مدت رکھے گا“ (25)

سوال: ﴿قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقْرِبُ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّيٓ أَمَدًا﴾ ”کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا رب اُس کے لیے کوئی مدت رکھے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دو“ رب العزت نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں جو عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(2) ﴿إِنْ أَدْرِيٓ أَقْرِبُ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّيٓ أَمَدًا﴾ ”کہ میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے یا میرا رب اُس کے لیے کوئی مدت رکھے گا“ یعنی آپ ﷺ انہیں بتادیں کہ مجھے قیامت کا علم نہیں۔ نہ ہی یہ علم ہے کہ وہ قریب ہے یا دور۔ نبی ﷺ سے جب قیامت کے بارے میں پوچھا جاتا تھا۔ آپ ﷺ خاموش رہتے تھے۔

(3) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُنَا يَوْمَئِذٍ إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ اللَّيْلُ إِلَّا بِغَفَاةٍ يُسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَلَيْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (١٨٤) قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْبُرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (١٨٥) ”وہ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا قیام کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں: ”یقیناً اس کا علم میرے رب ہی کے پاس ہے اس کے وقت پر اس کے سوا اسے کوئی ظاہر نہیں کرے گا، وہ (حادثہ) آسمانوں اور زمین میں بھاری ہے، تم پر وہ اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے سوال کرتے ہیں گویا آپ اس کی پوری تحقیق کرنے والے ہیں۔ آپ کہہ دیں: ”بلاشبہ اس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ آپ کہہ دیں: ”میں اپنی جان کے لیے کسی نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں ضرور بھلائیوں میں سے بہت زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف تک نہ چھوتی، نہیں ہوں میں مگر ایک ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔“ (الاعراف: 187، 188)

(4) ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي لَا يُجِيبُنَا يَوْمَئِذٍ إِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا تَأْتِيكُمُ اللَّيْلُ إِلَّا بِغَفَاةٍ يُسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ خَفِيٌّ عَلَيْهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (١٨٤) قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْبُرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (١٨٥) ”وہ لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ کو اس کے بتانے سے کیا تعلق؟ تیرے رب کے پاس اُس (کے علم) کی انتہا ہے۔ یقیناً جو اس سے ڈرتا ہے آپ اس کو ڈرانے والے ہیں۔“ (الاعراف: 42، 45)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ لوگوں میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھنے لگا کہ ایمان کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان لاؤ۔ پھر اس نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ آپ نے پھر یہی جواب دیا کہ ”اسلام یہ ہے کہ تم خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ فرض ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ پھر اس نے احسان کے متعلق سوال کیا آپ ﷺ نے فرمایا احسان یہ کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو پھر تم یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے پھر اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بارے میں جواب دینے والا پوچھنے والے سے کچھ زیادہ نہیں جانتا۔ (صحیح بخاری: 50)

(6) سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صاحب (ابوموسیٰ یا ذوالنورین) نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: کچھ بھی نہیں سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی بات کی نہیں ہوئی جتنی آپ ﷺ کی یہ حدیث سن کر ہوئی ہے کہ تمہارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ تمہیں محبت ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے اپنی محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا اگرچہ میں ان جیسے عمل نہ کر سکا۔ (صحیح بخاری: 3688)

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾

”غیب کا جاننے والا وہی ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا“ (26)

سوال: ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ”غیب کا جاننے والا وہی ہے، پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ﴾ ”غیب کا جاننے والا وہی ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ ہی غیب کا علم رکھتا ہے۔

(2) ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ”پس وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا“ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتے۔ وہ اکیلا ہی ہر غیب کو جانتا ہے۔

(3) اللہ تعالیٰ کے علم میں سے وہ کسی چیز کو گھیر نہیں سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔ نبی ﷺ بھی غیب کے بارے میں اتنا ہی جانتے تھے جتنا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا۔

﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَمْنُ خَلْفَهُ رَصَدًا﴾

”مگر کوئی رسول، جسے اس نے پسند کر لیا، تو یقیناً وہ اُس کے آگے پیچھے پہرا لگا دیتا ہے“ (27)

سوال: ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَمْنُ خَلْفَهُ رَصَدًا﴾ ”مگر کوئی رسول، جسے اس نے پسند کر لیا، تو یقیناً وہ اُس کے آگے پیچھے پہرا لگا دیتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ ”مگر کوئی رسول، جسے اس نے پسند کر لیا“، یعنی جس رسول کو وہ پسند کرتا اسے غیب سے آگاہ کرتا ہے اور جتنا اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے۔

(2) رسولوں کو غیب میں سے جتنا راب چاہے، اس لیے دیتا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے خاص تائید سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی کی، اس کی حفاظت بھی کی، اس طرح رسول وحی کی حقیقت کو پہنچ گئے۔ شیاطین ان کے قریب آ کر کمی بیشی نہیں کر سکتے۔

(3) ﴿فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَيَمْنُ خَلْفَهُ رَصَدًا﴾ ”تو یقیناً وہ اُس کے آگے پیچھے پہرا لگا دیتا ہے“، یعنی رسول اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی وحی کی حفاظت کرتے ہیں۔

(4) اللہ تعالیٰ وحی کی حفاظت اور اشاعت کے لیے رسولوں کے آس پاس ہر وقت پہرے دار اور فرشتے مقرر کیے رکھتے ہیں۔

﴿لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِي رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْضَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾

”تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے

جو ان کے پاس ہیں اور اُس نے ہر شے کو شمار کر رکھا ہے“ (28)

سوال 1: ﴿لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِي رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْضَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾ ”تا کہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے جو ان کے پاس ہیں اور اُس نے ہر شے کو شمار کر رکھا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لِيَعْلَمَ﴾ ”تا کہ وہ جان لے“، یعنی تا کہ رسول جان لے۔

(2) ﴿أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَتِي رَبِّهِمْ﴾ ”کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیے ہیں“، یعنی رسول نے اطمینان سے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتے بھیج کر انبیاء کی حفاظت کرتا ہے تا کہ وہ اطمینان سے اس کا پیغام پہنچا سکیں اور وحی کی حفاظت کریں اور اللہ تعالیٰ جان لے کہ انبیاء نے وحی کا حق ادا کر دیا۔

(3) ﴿وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے جو ان کے پاس ہیں“، یعنی جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر

کرتے ہیں۔

(4) ﴿وَأَحْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَاةً﴾ ”اور اُس نے ہر شے کو شمار کر رکھا ہے“ اللہ تعالیٰ سے زمین اور آسمانوں میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ ہر چیز کی تعداد اس کے علم کے دائرے میں ہے۔

سوال 2: اس سورت سے جنات کے بارے میں کیا علم ہوتا ہے؟

جواب: (1) اس سورت سے جنات کا وجود ثابت ہوتا ہے، نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جنات امر و نہی کے مکلف ہیں، ان کو ان کے اعمال کی جزا دی جائے گی جیسا کہ یہ اس سورت میں صریح طور پر مذکور ہے۔

(2) اس سورہ کریمہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس طرح انسانوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے، اسی طرح جنات کی طرف بھی مبعوث تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف بھیجا تا کہ وہ قرآن کو غور سے سنیں جو آپ کی طرف وحی کیا جاتا ہے اور پھر اسے اپنی قوم تک پہنچائیں۔

(3) اس سورہ مبارکہ سے جنات کی ذہانت اور ان کی معرفت حق کا اثبات ہوتا ہے اور جس چیز نے انہیں ایمان لانے پر آمادہ کیا وہ یہ ہے کہ ہدایت قرآن ان پر متحقق ہوگئی، نیز اپنے خطاب میں قرآن کے حسن ادب کی بنا پر (ایمان لانے پر آمادہ ہوئے)۔

(4) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے رسول ﷺ پر کامل عنایت تھی اور وہ قرآن اس کی حفاظت میں تھا جسے رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے۔ پس جب آپ کی نبوت کی بشارتیں شروع ہوئیں، ستاروں کے ذریعے سے آسمان محفوظ ہوئے، شیاطین اپنی اپنی جگہیں چھوڑ کر بھاگ گئے اور گھبرا کر اپنی گھاتوں سے نکل گئے۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر اس قدر رحم فرمایا جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ ان کے رب نے ان کو رشد و ہدایت سے بہرہ ور کرنے کا ارادہ کیا، پس اس نے ارادہ فرمایا کہ اپنے دین و شریعت اور اپنی معرفت کو زمین پر ظاہر کرے جس سے دلوں کو بہت دسرور حاصل ہو، خردمند لوگ خوش ہوں، شعائر اسلام ظاہر ہوں اور اہل اصنام اور اہل ادیان کا قلع قمع ہو۔

(5) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جنات میں رسول اللہ ﷺ (سے قرآن) کو سننے اور آپ کے پاس اکٹھے ہونے کی شدید خواہش تھی۔
(تیسرے صفحہ: 3/2858)

سوال 2: اس سورت سے توحید کے حکم اور شرک کے بارے میں کیا وضاحت ملتی ہے؟

جواب: (1) یہ سورہ کریمہ توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت پر مشتمل ہے، نیز اس میں مخلوق کی حالت بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ذرہ بھر عبادت کا مستحق نہیں کیونکہ جب رسول مصطفیٰ محمد ﷺ جو مخلوق میں افضل اور کامل ترین ہستی ہیں، کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے بلکہ خود اپنی ذات کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے تو معلوم ہوا کہ اسی طرح تمام مخلوق بھی کسی کو نفع اور نقصان نہیں پہنچا سکتی، پس جس مخلوق کا یہ وصف ہو اس کو معبود بنانا خطا اور ظلم ہے۔

(2) اس سورہ مبارکہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ علوم غیب کا علم رکھنے میں اللہ تعالیٰ منفرد ہے مخلوق میں سے کوئی ہستی غیب کا علم نہیں جانتی، سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو اور کسی چیز کا علم عطا کرنے کے لیے اسے مختص کرے۔ (تیسری صدی: 2857, 2859/3)

﴿ابانھا ۲﴾ ﴿۳﴾ سُورَةُ الْمُزْمَلِ مَكِّيَّةٌ ۳ ﴿۲﴾ ﴿رُكُوعَاتُهَا ۲﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت ہے۔ اس کے 2 رکوع اور 20 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس سورت کا کون سا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 73 ہے اور ترتیب نزولی کے اعتبار سے اس کا نمبر 3 ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: یہ نزول وحی کے اعتبار سے تیسری سورت ہے۔

رکوع نمبر 13

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزْمَلُ﴾

”اے چادر اوڑھنے والے!“ (1)

سوال: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزْمَلُ﴾ ”اے چادر اوڑھنے والے!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزْمَلُ﴾ ”اے چادر اوڑھنے والے!“ اللہ رب العزت نے اپنے نبی محمد ﷺ کو اس سعید گھڑی میں ندا دی ہے جب آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کانپتے ہوئے سیدہ خدیجہ بنتی اللہیہ کے پاس آئے اور انہیں کہا زملونی زملونی مجھے کچھ اوڑھادو، مجھے کچھ اوڑھادو۔

(2) جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں رسول اللہ ﷺ چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی اسی حالت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ ﷺ سے خطاب کیا گیا۔ (ii) یہ تذکرہ اس لئے بھی کیا گیا کہ اب چادر اوڑھ کر سونے کا وقت گیا۔

(3) ام المؤمنین سیدہ عائشہ بنتی اللہیہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کا ابتدائی دور اچھے سچے پاکیزہ خوابوں سے شروع ہوا۔ آپ ﷺ

خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح صبح اور سچا ثابت ہوتا۔ پھر من جانب قدرت آپ ﷺ تنہائی پسند ہو گئے اور آپ ﷺ نے غار حرا میں خلوت نشینی اختیار فرمائی اور کئی کئی دن اور رات وہاں مسلسل عبادت اور یاد الہی و ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ جب تک گھر آنے کو دل نہ چاہتا تو شہہ ہمراہ لیے ہوئے وہاں رہتے۔ تو شہہ ختم ہونے پر ہی اہلیہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور کچھ تو شہہ ہمراہ لے کر پھر وہاں جا کر خلوت گزریں ہو جاتے، یہی طریقہ جاری رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ پر حق منکشف ہو گیا اور آپ ﷺ غار حرا ہی میں قیام پذیر تھے کہ اچانک جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے محمد! پڑھو۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنے زور سے بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی، پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ پڑھو، میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس فرشتے نے مجھ کو نہایت ہی زور سے بھینچا کہ مجھ کو سخت تکلیف محسوس ہوئی، پھر اس نے کہا کہ پڑھ! میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے نے تیسری بار مجھ کو پکڑا اور تیسری مرتبہ پھر مجھ کو بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہنے لگا کہ ”پڑھو اپنے رب کے نام کی مدد سے جس نے پیدا کیا اور انسان کو خون کی پھینکی سے بنایا، پڑھو اور آپ کا رب بہت ہی مہربانیاں کرنے والا ہے۔“ پس یہی آیتیں آپ ﷺ جبرائیل علیہ السلام سے سن کر اس حال میں غار حرا سے واپس ہوئے کہ آپ ﷺ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔ آپ ﷺ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، مجھے کمبل اڑھا دو۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کمبل اڑھا دیا۔ جب آپ ﷺ کا ڈر جاتا رہا۔ تو آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھ کو اب اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی ڈھارس بندھائی اور کہا کہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! آپ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ تو کتبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مغلسوں کے لیے آپ کھاتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔ ایسے اوصاف حسنہ والا انسان یوں بے وقت ذلت و خواری کی موت نہیں پاسکتا۔ پھر مزید تسلی کے لیے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو ان کے چچا زاد بھائی تھے اور زمانہ جاہلیت میں نصرانی مذہب اختیار کر چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب تھے، چنانچہ انجیل کو بھی حسب منشاء خداوندی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ (انجیل سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی پھر اس کا ترجمہ عبرانی زبان میں ہوا۔ ورقہ اسی کو لکھتے تھے) وہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان کی پینائی بھی رخصت ہو چکی تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کے سامنے آپ ﷺ کے حالات بیان کیے اور کہا کہ اے چچا زاد بھائی! اپنے بھتیجے (محمد ﷺ) کی زبانی ذرا ان کی کیفیت سن لیجئے وہ بولے کہ بھتیجے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے، اس کی تفصیل سناؤ۔ چنانچہ آپ ﷺ نے از اول تا آخر پورا واقعہ سنایا، جسے سن کر ورقہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے کہ یہ تو وہی ناموس (معزز زادان فرشتہ) ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی دے کر بھیجا تھا۔ کاش، میں آپ کے اس عہد نبوت کے شروع ہونے پر جو ان عمر ہوتا۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ رسول

اللہ ﷺ نے یہ سن کر تعجب سے پوچھا کہ کیا وہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ (حالانکہ میں تو ان میں صادق و امین و مقبول ہوں) درقہ بولا ہاں یہ سب کچھ سچ ہے۔ مگر جو شخص بھی آپ کی طرح امر حق لے کر آیا لوگ اس کے دشمن ہی ہو گئے ہیں۔ اگر مجھے آپ کی نبوت کا وہ زمانہ مل جائے تو میں آپ کی پوری پوری مدد کروں گا۔ مگر درقہ کچھ دنوں کے بعد انتقال کر گئے۔ پھر کچھ عرصہ تک وحی کی آمد موقوف رہی۔ (بخاری: 3)

(4) نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ رات میں کمبل لپیٹ کر سونا چھوڑ دیں اور عزت و جلال والے رب کے سامنے شب بیدار رہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2142)

﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾

”رات کو قیام کرو مگر کم“ (2)

سوال: ﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”رات کو قیام کرو مگر کم“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قُمِ اللَّيْلَ﴾ ”رات کو قیام کرو“ یعنی نماز پڑھیں۔ (2) ﴿إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”مگر کم“ یعنی آدھی رات۔

(3) نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ رب العزت نے آپ ﷺ کو رات کو قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”رات کو قیام کرو مگر کم۔“

(4) ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۗ وَعَسَىٰ أَنْ تَبْتَغَىٰ بِرَبِّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ ”اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے ساتھ بے دار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کر دے۔“ (بنی اسرائیل: 79)

(5) ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ ”ان کے پہلو بستروں سے الگ ہی رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے انہیں رزق دیا اُس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔“ (السجدة: 16)

(6) ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رات کو نبی ﷺ کی نماز کس طرح ہوتی تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ ”آپ ﷺ شروع رات میں سوتے تھے اور اخیر رات میں اٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد پھر اپنے بستر کی طرف لوٹ آتے تھے پھر جب موذن اذان دیتا تو آپ اٹھتے پس اگر آپ کو ضرورت ہوتی تو غسل کرتے ورنہ وضو کر کے باہر تشریف لے جاتے۔“ (بخاری: 1146)

(7) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اس قدر قیام فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں یا (یہ کہا کہ) آپ ﷺ کی دونوں پنڈلیوں پر روم آجاتا تھا۔ (بخاری: 1130)

(8) سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کو تمام نمازوں سے زیادہ پسند اودو دعائیں اللہ کی نماز جیسی نماز ہے اور تمام روزوں میں زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو داؤد علیہ السلام کے روزے جیسا روزہ ہے اور وہ نصب شب سوتے تھے اور تہائی رات

میں نماز پڑھتے تھے اور پھر رات کے چھٹے حصے میں سو رہتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن نہ رکھتے تھے۔“ (بخاری: 1131)

﴿تَضَفَّةً أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا﴾

”آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کرلو“ (3)

سوال: ﴿تَضَفَّةً أَوْ انْقُصَ مِنْهُ قَلِيلًا﴾ ”آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کرلو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) رب العزت نے نبی ﷺ کے رات کے قیام کا اندازہ مقرر کیا اور فرمایا: (2) ﴿تَضَفَّةً أَوْ انْقُصَ مِنْهُ﴾ ”آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کرلو۔“ آدھی رات یا آدھی میں سے بھی ﴿قَلِيلًا﴾ ”تھوڑا“ کچھ کم کر دیں یعنی ایک تہائی کے لگ بھگ حصے میں تہجد ادا کریں۔

﴿أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾

”یا اُس پر کچھ اضافہ کر لو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو“ (4)

سوال: ﴿أَوْزِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ ”یا اُس پر کچھ اضافہ کر لو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو“ نبی اکرم ﷺ کو تلاوت قرآن کا طریقہ سیکھا گیا وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوْزِدْ عَلَيْهِ﴾ ”یا اُس پر کچھ اضافہ کرلو“ یہ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ رات کا کچھ حصہ نماز تہجد ادا کرنے کا حکم دیا، تمام رات قیام کرنے کا حکم نہیں دیا۔

(2) ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی رمضان کی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ (پہلے) چار رکعت پڑھتے تھے پس تم ان کی خوبی اور ان کے طول کی کیفیت نہ پوچھو، اس کے بعد پھر آپ ﷺ چار رکعت نماز پڑھتے تھے پس تم ان کی خوبی اور ان کے طول کی کیفیت نہ پوچھو، اس کے بعد تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔ (بخاری: 1147)

(3) ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ ”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو“ رتل کسی چیز کی خوبی، آرائش اور بھلائی کو کہتے ہیں اور رتل کے معنی سہولت اور حسن تناسب کے ساتھ کسی کلمہ کو ادا کرنا ہے۔ (تیسیر القرآن: 4/539)

(4) کیونکہ ترتیل قرآن سے تدبر اور تفکر حاصل ہوتا ہے، اس سے دلوں میں تحریک پیدا ہوتی ہے، اس کی آیات کے ساتھ تہجد ہوتا ہے اور اس پر عمل کے لیے مکمل استعداد اور آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ (تیسیر سہی: 3/2860)

(5) سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورت کو اس قدر ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتے تھے کہ وہ لمبی سے لمبی ہو جاتی تھی۔ (مسلم: 1712)

(6) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کی قراءت کیسی تھی؟ انہوں نے کہا کہ کھینچ کر پڑھتے تھے پھر (سیدنا انسؓ نے) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی (اس میں) بسم اللہ کو کھینچا اور الرحمن اور الرحیم کو بھی کھینچ کر (لسبا کر کے) پڑھا۔ (بخاری: 5046)

(7) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اپنے نبی کریم ﷺ کو بہترین آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے سنا ہے۔ (بخاری: 5024)

(8) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو عشاء کی نماز میں سورۃ ﴿وَالَّذِينَ وَالزَّيُّونَ﴾ پڑھتے ہوئے سنا اور میں نے آپ سے اچھی آوازیں اچھی تلاوت کسی کی نہیں سنی۔ (بخاری: 769)

(9) سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ مزین کرو۔“ (بخاری: 7544)

(10) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو اچھی آواز کے ساتھ قرآن نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔“ (بخاری: کتاب التوحید: 7527)

(11) سیدنا ابن الہبار رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نافع بن جبیر بن مطعم نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کتنے روز میں قرآن کریم ختم کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میں (قرآن کے) حصے نہیں کرتا۔ نافع نے کہا ایسا نہ کرو۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں نے قرآن کریم کا ایک حصہ تلاوت کیا۔ (ابوداؤد: 1392)

(12) سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ فتح مکہ والے سال اپنی سواری پر سورہ الفتح پڑھتے جا رہے تھے اور آپ ﷺ اپنی قرأت کو دہراتے تھے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کبھی لوگوں سے یہ ڈرنہ ہوتا کہ مجھے گھیر لیں گے تو میں آپ ﷺ کی قرأت بیان کرتا۔ (مسلم: 1853)

(13) سیدنا یعلیٰ بن مملک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیوی سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز اور قرأت کیسی تھی؟ ام المؤمنین نے فرمایا کہ تم کو ان کی نماز سے کیا نسبت یعنی تم ویسے کہاں ادا کر سکتے ہو، پھر فرمایا! کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ نماز پڑھتے یعنی شب کو پھر سوجاتے اس قدر کہ جتنی دیر نماز پڑھی تھی پھر نماز پڑھتے اس قدر کہ جتنا سوتے تھے پھر سوتے اس قدر کہ جتنی دیر نماز پڑھی تھی یہاں تک کہ صبح ہو جاتی پھر ان کی قرأت کی کیفیت بیان کی وہ کہتی تھیں کہ قرأت ان کی جدا جدا تھی حرف حرف۔ (ترمذی: 2923)

﴿إِنَّا سَأَلْنَاكَ عَلَيَّكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾

”یقیناً ہم جلد ہی آپ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے“ (5)

سوال: ﴿إِنَّا سَأَلْنَاكَ عَلَيَّكَ قَوْلًا ثَقِيلًا﴾ ”یقیناً ہم جلد ہی آپ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے“ رب العزت نے قرآن کی عظمت بیان کی، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا سَأَلْنَا عَلَىٰ قَوْلٍ لِّقَبِيلٍ﴾ ”یقیناً ہم جلد ہی آپ پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے“ یعنی ہم آپ کی طرف بھاری قرآن وحی کریں گے یعنی وہ معنی عظیمہ اور اوصاف جلیلہ کا حامل ہے۔ قرآن جس کا وصف یہ ہوا اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے تیاری کی جائے۔ اس کو ترتیل کے ساتھ پڑھا جائے اور جن مضامین پر مشتمل ہے اس پر غور کیا جائے۔ (تفسیر سہمی: 2860/3)

(2) قرآن مجید کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿لَوْ أَنزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لَضَرِبَ بِهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو یقیناً آپ اسے اللہ تعالیٰ کے خوف سے پست ہونے والا ہلکڑے ہلکڑے ہونے والا دیکھتے اور یہ مثالیں ہم انہیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“ (المشر: 21)

(3) بھاری قول یعنی عمل میں بھاری یا اترتے وقت عظمت میں بھاری جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ران میری ران پر تھی کہ اچانک وحی آگئی مجھے اتنا بوجھ محسوس ہوا کہ ران ٹوٹ جانے کا ڈر پیدا ہوا۔ (مختصر ابن کثیر: 2142/2)

(4) ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ بے شک میں نے سخت سردی والے دن آپ ﷺ پر وحی اترتے ہوئے دیکھی اور سلسلہ منقطع ہونے پر (بید دیکھا کہ اس وقت) آپ ﷺ کی (مقدس) پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا۔ (بخاری: 2)

(5) سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا، اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ وحی (کے) نزول کو محسوس کرتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں، میں گھٹی کی سی آواز سنتا ہوں اور پھر اس وقت میں خاموش ہو جاتا ہوں اور جب بھی مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے گویا میری جان نکل جائے گی۔“ (مسند احمد: 7089)

﴿إِنَّ كَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قَيْلاً﴾

”بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو زیادہ پامال کرنے والا اور بات کو زیادہ درست بنانے والا ہے“ (6)

سوال: ﴿إِنَّ كَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قَيْلاً﴾ ”بلاشبہ رات کا اٹھنا نفس کو زیادہ پامال کرنے والا اور بات کو زیادہ درست بنانے والا ہے“ شب بیداری کی خوبیوں کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ كَاشِئَةَ اللَّيْلِ﴾ ”بلاشبہ رات کا اٹھنا“ یعنی رات کو سو کر اٹھنے کے بعد تہجد پڑھنا۔ ساری رات یا عشاء کے بعد والی رات یا رات کی ہر ساعت کو ناشیئۃ کہتے ہیں کیونکہ رات کی ہر ساعت میں تہجد کے لئے اٹھ سکتے ہیں۔

(2) ﴿هِيَ أَشَدُّ وَطْأً﴾ ”نفس کو زیادہ پامال کرنے والا“ و طأ بمعنی روندنا اور پامال کرنا، سب کس بل نکال دینا۔ یعنی رات کو جاگ کر اپنے نفس کو اللہ کی عبادت پر آمادہ کرنا نفس کی سرکشی کو دور کرنے اور اس کے کس بل نکالنے کے لیے بہت موثر علاج ہے۔ البتہ اس سے نفس کو کوفت

بہت ہوتی ہے۔ اور (وَظَاغَلَى الْأَمْرِ) کا دوسرا معنی کسی کام کو اپنی مرضی کے موافق آسان بنا لینا بھی ہے۔ (تفسیر تیسرا القرآن: 4/540، 541)

(3) رات کو سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنا نفس پر قابو پانے کے لئے بہت کارگر اور قرآن کے مقاصد کے حصول کے زیادہ قریب ہے۔ قلب و لسان اس سے مطابقت رکھتے ہیں، اس وقت مشاغل کم ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ پڑھتا ہے اس کا فہم حاصل ہوتا ہے اور اس کا معاملہ درست ہو جاتا ہے۔ یہ دن کے اوقات کے برعکس ہے کیونکہ دن کے اوقات میں یہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر سدی: 3/2860)

(4) ﴿وَأَقَوْمٌ قِيَلًا﴾ اور بات کو زیادہ درست بنانے والا ہے، دن کی قرأت کی نسبت رات کی قرأت میں سکون ہوتا ہے۔

(5) ﴿وَأَقَوْمٌ قِيَلًا﴾ یعنی بات کو زیادہ درست بنانے والا۔ یعنی شب بیداری کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت دل و دماغ تازہ ہوتے ہیں۔ شور و غل نہیں ہوتا۔ لہذا اس وقت جو قرآن پڑھا جائے گا۔ طبیعت پوری توجہ سے اس میں غور و فکر کرے گی۔ گویا قرآن کا مطالب سمجھنے اور اس سے اثر پذیرگی کے لیے یہ وقت موزوں ہے۔ (تیسرا القرآن: 4/540، 541)

(6) ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ رات کے وقت نماز کے لئے اٹھنا قلب، نگاہ، کان اور زبان سب میں باہمی موافقت پیدا کرنے میں اشد ہے یعنی بہت زیادہ موثر ہے۔ (تیسرا القرآن: 8/593)

(7) رات کے قیام سے دل اور زبان میں کمال موافقت اور تلاوت میں کمال یکسوئی پیدا ہوگی دل زیادہ تر حاضر رہتا ہے اور فہم قرآن کے دروازے کھل جاتے ہیں، دن کے قیام میں یہ خوبیاں نہیں۔ (اسراج امیر: 2/2442)

(8) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: ”اے میرے اللہ! ہر طرح کی تعریف تیرے ہی لیے ہے، تو آسمان اور زمین اور اس میں رہنے والی تمام مخلوق کا سنبھالنے والا ہے اور حمد تمام کی تمام بس تیرے ہی لیے مناسب ہے۔ آسمان اور زمین اور ان کی تمام مخلوقات پر حکومت صرف تیرے ہی لیے ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تو آسمان اور زمین کا نور ہے اور تعریف تیرے ہی لیے ہے۔ تو سچا ہے، تیرا وعدہ سچا، تیری ملاقات سچی، تیرا فرمان سچا ہے، جنت سچ ہے، دوزخ سچ ہے، انبیاء علیہم السلام سچے ہیں، محمد ﷺ سچے ہیں اور قیامت کا ہونا سچ ہے۔“ (بخاری: 1120)

﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾

”یقیناً دن میں آپ کے لیے کام ہیں“ (7)

سوال: ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ ”یقیناً دن میں آپ کے لیے کام ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا﴾ ”یقیناً دن میں آپ کے لیے کام ہیں“ یعنی دن میں آپ ضروریات بھی پوری کر سکتے ہیں، نوافل بھی پڑھ سکتے ہیں اور آرام بھی کر سکتے ہیں۔

(2) دن میں آپ کو معاشی ضروریات کے لئے بار بار آنا جانا پڑتا ہے۔ جو دل کے مشغول ہونے اور مکمل طور پر فارغ نہ ہونے کا سبب بنتا ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2861)

﴿وَإِذْ كُرِ اسْمُ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾

”اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو“ (8)

سوال: ﴿وَإِذْ كُرِ اسْمُ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ ”اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو“ اللہ تعالیٰ نے ذکر کی کثرت کا حکم دیا اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذْ كُرِ اسْمُ رَبِّكَ﴾ ”اور اپنے رب کا نام یاد کرو“ پھر اس میں ہر طرح کا ذکر الہی شامل ہے۔

(2) یعنی آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کریں یعنی رات دن، تسبیح، تہلیل اور تحمید کریں۔

(3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (مسلم: 826)

(4) ﴿وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ ”اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف متوجہ رہو“، یعنی دنیا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھیں اور ضروریات سے فراغت پا کر اللہ تعالیٰ کی توجہ سے عبادت کریں۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ﴾ ”توجہ آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کریں۔“ (المشرق: 7)

(5) اللہ تعالیٰ کے لئے تبتیل سے مراد عبادت میں اخلاص پیدا کرنا اور سب سے منقطع ہو کر اس کی عبادت کرنا۔

(6) یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اس کی طرف انابت، قلب کے خلاق سے علیحدہ اور لائق ہونے، اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان اوصاف سے متصف ہونے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرب بناتے ہیں اور اس کی رضا کے قریب کرتے ہیں۔ (تفسیر سہمی: 3/2861)

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾

”وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں چنانچہ اسی کو اپنا وکیل بناؤ“ (9)

سوال: ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾ ”وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں چنانچہ اسی کو اپنا وکیل بناؤ“ عبادت اور توکل اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مخصوص ہیں آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ ”وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔“ یہ اسم جنس ہے اس میں سارے مشرق اور سارے مغرب شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کا رب ہے ان کا خالق اور مدبر ہے۔ یعنی ساری کائنات کا مختار کل اور مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

(2) ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں“، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور حقیقی معبود نہیں، اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں۔

(3) اس بالا بلند تر ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو محبت و تعظیم اور اجلال و تکریم سے مختص کیا جائے۔

(تفسیر سہلی: 2861/3)

(4) ﴿فَاتَّخِذُوا وَكَيْلًا﴾ ”چنانچہ اسی کو اپنا وکیل بناؤ“ یعنی اپنے سارے امور اس کو سونپ دو وہ ان کے لئے کافی ہوگا۔ (ابن القاسم: 169)

(5) یعنی جس طرح وہ عبادت میں تنہا ہے وہ توکل میں بھی تنہا ہے۔ لہذا اسی کو اپنا کارساز بناؤ جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ﴾ ”سو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔“ (سورہ: 123) ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔“ (الفاتحہ: 4) یعنی اللہ تعالیٰ ہی عبادت اور اطاعت کے ساتھ تنہا ہے اور توکل اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 2143/2)

(6) اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو کیونکہ دعوت کے کام کے لئے قوت، طاقت اور سبھی کچھ اسی سے ملتا ہے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا﴾

”اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور انہیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا“ (10)

سوال: ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا﴾ ”اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور انہیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ﴾ ”اور جو کچھ لوگ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو“ جب اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر نماز اور عمومی طور پر ذکر الہی کا حکم دیا۔ جس سے بندہ مومن میں بھاری بوجھ اٹھانے اور پر مشقت اعمال بجالانے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے جو آپ کے معاندین آپ کو کہتے ہیں اور آپ کو اور جو کچھ آپ لے کر آئے ہیں اسے سب و شتم کرتے ہیں، نیز یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتے رہیں کوئی روکنے والا آپ کی راہ کھوٹی کر سکے نہ کوئی آپ کو لوٹا سکے۔ (تفسیر سہلی: 2861/3)

(2) کفار مکہ نے آپ ﷺ کو شاعر، ساحر اور کاذب کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ایذا کے مقابلے میں صبر کرنے کے لئے کہا ہے۔

(3) (i) دعوت کے میدان میں لوگوں کی بہت زیادہ باتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ اس لئے ردِ عمل کی نفسیات سے بچانے کے لئے مثبت طرف رخ موڑ دیا گیا کہ صبر اور درگزر سے کام لو۔ (ii) صبر بہترین ڈھال اور بہترین اسلحہ ہے۔ صبر بہترین قلعہ ہے۔

(4) ﴿وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا﴾ ”اور انہیں چھوڑ دو، اچھے طریقے سے چھوڑنا“ اور یہ کنارہ کشی وہاں ہے جہاں مصلحت کنارہ کشی کا تقاضا کرتی ہے جس میں کوئی اذیت نہ ہو بلکہ ان کی تکلیف دہ باتوں سے اعراض کرتے ہوئے، ان سے کنارہ کشی کا معاملہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان سے اس طریقے سے بحث کریں جو احسن ہو۔ (تفسیر سہلی: 2861/3)

(5) یعنی انہیں خوب صورتی سے چھوڑ دیں جن میں عتاب کی جھلک نہ ہو۔

﴿وَدَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهَلُكُمْ قَلِيلًا﴾

”اور مجھے اور جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کو چھوڑ دو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو“ (11)

سوال: ﴿وَدَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهَلُكُمْ قَلِيلًا﴾ ”اور مجھے اور جھٹلانے والے خوش حال لوگوں کو چھوڑ دو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَدَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اور مجھے اور جھٹلانے والے کو چھوڑ دو“ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجئے، میں ان سے انتقام لوں گا، میں نے اگر چہ ان کو مہلت دی ہے مگر میں ان کو مہل نہیں چھوڑوں گا۔

(2) ﴿أُولِي النَّعْمَةِ﴾ ”خوش حال لوگوں کو“ یعنی نعمتوں سے بہرہ مند اور دولت مند لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رزق سے فراخی عطا کی اور اپنے فضل سے ان کو نواز تو انہوں نے سرکشی کا رویہ اختیار کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّا كَافٍ﴾ ”ہرگز نہیں! بلاشبہ یقیناً انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ وہ مستغنی ہو گیا۔“ (اسحق: 6، 7) (تفسیر سہمی: 3/2861)

(3) ﴿وَمَهَلُكُمْ قَلِيلًا﴾ ”اور انہیں تھوڑی سی مہلت دے دو۔“ اللہ تعالیٰ نے سرکشی اختیار کرنے والوں کو عذاب کی وعید سنائی۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿مُمْتَعَهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ﴾ ”ہم انہیں بہت تھوڑا سامان دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔“ (القمان: 24)

(5) ﴿وَدَرْنِي وَمَنْ يُكْفِئُ بِلَهَذَا الْحَدِيثِ اسْتَسْتَدِرُّ جَهَنَّمَ مِمَّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (۱۱) وَأَمَلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ﴾ ”چنانچہ مجھے اور اس کو چھوڑ دو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے، ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے وہ نہیں جانتے گے۔ اور میں ان کو مہلت دوں گا، یقیناً میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے۔ یا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں کہ وہ تاوان سے بوجھل ہیں؟“ (الہم: 44، 45)

(6) ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ (۱۲) الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ﴾ (۱۱) وَلَقَدْ نَعَلْنَاكَ إِذْ كُنْتَ يَضِيْعِي صَدْرِكَ بِمَا يَفْقَهُونَ (۱۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ (۱۳) وَأَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (۱۴)﴾ ”بلاشبہ آپ کی جانب سے ہم مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بناتے ہیں سو جلد ہی وہ جان لیں گے۔ اور بلاشبہ یقیناً ہم جانتے ہیں آپ کا سینہ بے شک اس سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے۔“ (الحجر: 99، 95)

﴿إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَحَجَابًا﴾

”یقیناً ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور سخت بھرتی ہوئی آگ ہے“ (12)

سوال: ﴿إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا﴾ ”یقیناً ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور سخت بھرتی ہوئی آگ ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا﴾ ”یقیناً ہمارے پاس بھاری بیڑیاں“ یعنی ہمارے پاس سخت عذاب ہے، اسے ہم نے اس شخص کے لیے عبرتناک سزا بنایا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والے کاموں پر جما ہوا ہے۔

(2) ﴿وَجَحِيمًا﴾ ”اور سخت بھرتی ہوئی آگ ہے“ جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ کی بھرتی ہوئی آگ اور دردناک عذاب ہے۔

﴿وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا﴾

”اور حلق میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے“ (13)

سوال: ﴿وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اور حلق میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ﴾ ”اور حلق میں اٹکنے والا کھانا“ یہ حلق میں پھسنے والا کھانا اس کی تلخی اور ذائقے کی کراہت والا ہوگا۔

(2) ﴿وَعَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اور دردناک عذاب ہے“ جھٹلانے والوں کے لیے دردناک اور تکلیف دہ عذاب ہوگا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ صَرِيحٍ ۖ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي عَنْهُمُ غُجُوعٌ﴾ ”سو کئی خاردار جھاڑی کے سوا ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا۔ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک میں کافی ہوگا۔“ (العاشیہ: 7,6)

(4) ﴿إِنَّ شَجَرَاتِ الزُّقُومِ ۗ طَعَامٌ الْأَلِيمِ﴾ ”یقیناً قوم کا درخت۔ گناہ گار کا کھانا ہے۔“ (الدخان: 43,44)

(5) امام احمد ابن ابی داؤد ابن عدی اور بیہقی کی روایت ہے کہ ایک شخص نے قرآن کی یہ آیت سنی تو خوف سے بیہوش ہو گیا۔

(6) حسن بصری رضی اللہ عنہ ایک دن روزہ سے تھے افطار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آ گیا، کھانا نہ کھا سکے اٹھو دیا اگلے روز پھر شام کو ایسا ہی ہوا کھانا اٹھو دیا، تیسرے روز پھر ایسا ہوا تو ان کے صاحبزادے سیدنا ثابت بنانی اور یزیدی اور یحییٰ بکاء کے پاس گئے اور حال سنایا، یہ تینوں حضرات آئے اور سیدنا حسن کو کھانے کا بہت اصرار کرتے رہے پھر مجبور ہو کر کچھ تناول فرمایا۔ (روح المعانی) (حارف القرآن)

﴿يَوْمَ تَرُجُّفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَوِيبًا مَّهِيلًا﴾

”جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھر بھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے“ (14)

سوال: ﴿يَوْمَ تَرُجُّفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَوِيبًا مَّهِيلًا﴾ ”جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے اور پہاڑ بھر بھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ تَرُجُّفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ﴾ ”جس دن زمین اور پہاڑ کانپیں گے“ جس دن سخت زلزلہ آئے گا پہاڑ اور زمین

سخت زور زور سے ہلا دیے جائیں گے۔

(2) ﴿وَكَاذِبٍ الْجِبَالِ كَثِيبًا مَّهِيلاً﴾ ”اور پہاڑ بھر بھری ریت کے ٹیلے ہو جائیں گے“ اور پہاڑوں کے سخت پتھر اور بھاری بھاری چٹانیں ٹکرائیں اور چور چور ہو جائیں گی۔ اور ان کے ذرات ادھر ادھر بکھر جائیں گے۔ پہاڑوں کا نام و نشان تک نہ رہے گا اور زمین ایک چھیل اور صاف میدان کی طرح رہ جائی گی۔ نہ اس میں کوئی وادی ہوگی اور نہ نشیب و فراز۔ (سراج المیر: 2/2144)

(3) پہاڑ بکھری ہوئی ریت کی مانند ہوں گے۔ اس کے بعد یہ ریت آہستہ آہستہ اڑتا ہوا غبار بن جائے گی۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾

”بلاشبہ ہم نے تمہاری جانب ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا“ (15)

سوال: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾ ”بلاشبہ ہم نے تمہاری جانب ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ﴾ ”بلاشبہ ہم نے تمہاری جانب ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی دینے والا ہے“ اللہ رب العزت نے قریش سے خصوصاً اور تمام مسلمانوں سے عموماً مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے پاس رسول بھیجا ہے جو تمہارے اعمال پر شاہد ہے۔

(2) یعنی امت پر ان کے اعمال کے ذریعے سے گواہ ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ادا کرو اور اس عظیم نعمت پر اس کا شکر ادا کرو ان کی نافرمانی کرنے سے بچو۔

(3) ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾ ”جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا“ یعنی ایسا نہ ہو جیسے فرعون کے پاس سیدنا موسیٰ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو اس نے اس دعوت کو جادو و قرا دے کر ان کا جادو گروں سے مقابلہ کروایا۔ آخر رب العزت نے اسے سمندر میں غرق کر دیا۔

(4) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا: ”اے لوگو! تم اللہ کے پاس جمع کیے جاؤ گے، ننگے پاؤں، ننگے جسم اور بغیر ختنہ کے، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ”جس طرح ہم نے اول بار پیدا کرنے کے وقت ابتدا کی تھی، اسی طرح اسے دوبارہ زندہ کر دیں گے، ہمارے ذمہ وعدہ ہے، ہم ضرور اسے کر کے ہی رہیں گے۔“ آخر آیت تک۔ پھر فرمایا قیامت کے دن تمام مخلوق میں سب سے پہلے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو کپڑا پہنایا جائے گا۔ ہاں اور میری امت کے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا اور انہیں جہنم کی بائیں طرف لے جایا جائے گا۔ میں عرض کروں گا، میرے رب! یہ تو میرے امتی ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا، آپ کو نہیں معلوم ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد نئی نئی باتیں

شریعت میں نکالی تھیں۔ اس وقت بھی وہی کہوں گا جو عبد صالح سیدنا عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام نے کہا ہوگا کہ ”میں ان کا حال دیکھتا رہا جب تک میں ان کے درمیان رہا، پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا (جب سے) تو ہی ان پر نگران ہے“ مجھے بتایا جائے گا کہ آپ کی جدائی کے بعد یہ لوگ دین سے پھر گئے تھے۔ (بخاری: 4625)

(5) سیدنا ابوسعید خدری رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن نوح عَلَیْهِ السَّلَام کو بلا یا جائے گا، وہ کہیں گے: لبیک وسعدیک یارب! اللہ رب العزت فرمائے گا: کیا تم نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوح عَلَیْهِ السَّلَام عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا تھا۔ پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے میرا پیغام تمہیں پہنچا دیا تھا؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے یہاں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا (نوح عَلَیْهِ السَّلَام سے) کہ ”آپ عَلَیْهِ السَّلَام کے حق میں کوئی گواہی بھی دے سکتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہ ہے۔ چنانچہ محمد ﷺ کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا اور رسول (یعنی محمد ﷺ) اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے (کہ انہوں نے سچی گواہی دی ہے)۔ یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ ”اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا تا کہ تم لوگوں کے لیے گواہی دو اور رسول تمہارے لیے گواہی دیں۔“ (آیت میں) لفظ وسط کے معنی عادل، منصف اور بہتر کے ہیں۔ (بخاری: 4487)

﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِئْسَ﴾

”سوفرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پکڑ لیا، نہایت سخت پکڑنا“ (16)

سوال: ﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِئْسَ﴾ ”سوفرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے پکڑ لیا، نہایت سخت پکڑنا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ﴾ ”سوفرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی“ فرعون نے سیدنا موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام کی تصدیق نہیں کی بلکہ ان کی نافرمانی کی۔

(2) ﴿فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِئْسَ﴾ ”تو ہم نے اسے پکڑ لیا، نہایت سخت پکڑنا“ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو بڑے وبال یعنی انتہا کی شدت کے عذاب میں پکڑ لیا۔

(3) فرعون کو سخت گرفت میں لے لیا لہذا اے نافرمانی کرنے والو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے ڈر جاؤ اور رسول ﷺ کی نافرمانی نہ کرو ورنہ تمہارا حشر بھی فرعون جیسا ہی ہوگا جس کو ایک غالب، اقتدار والے کی طرح پکڑ لیا۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿فَأَخَذْنَاهُ وَجُودًا فَنَبَذْنَاهُ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾ ”تو ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو پکڑ لیا، پھر اُن کو سمندر میں پھینک دیا سو آپ دیکھیں ظالموں کا کیسا انجام تھا۔“ (انعام: 40)

(5) ﴿وَلَقَدْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسِرْ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ أَلْهَمَ ظَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا لَا تَخَفْ دَكَّاءًا وَلَا تَخْشَىٰ دُكَّانًا﴾^(۷۷) فَاَتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِمُنْوَودِهِ فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ^(۷۸) ﴿اور بلاشبہ یقیناً ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ رات کے وقت میرے بندوں کو لے کر نکلو پھر ان کے لیے سمندر میں خشک راستہ بناؤ، نہ تم تعاقب کا خوف کھاؤ گے اور نہ ہی تم ڈرو گے۔ پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو ان کو سمندر نے ڈھانپ لیا اس چیز نے جس نے انہیں ڈھانپا۔“ (طہ: 77، 78)

(6) یہ بات اہل مکہ کو اس لئے کہی گئی ہے کہ وہ متنبہ ہو جائیں کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے فرعون کا یہ حال ہو سکتا ہے تو تمہارا بھی وہی حشر ہو سکتا ہے۔

(7) ﴿فَأَخَذَهُ اللَّهُ نَكَالَ الْأَخْزَقِ وَالْأُولَىٰ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ نے اُسے آخرت اور دنیا کے عذاب میں پکڑ لیا۔“ (انعام: 25)

﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾

”پھر اگر تم نے کفر کیا تو اُس دن تم کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا“ (17)

سوال: ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ ”پھر اگر تم نے کفر کیا تو اُس دن تم کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا﴾ ”پھر اگر تم نے کفر کیا تو اُس دن تم کیسے بچو گے“ یعنی تمہیں کفر کے ساتھ قیامت کے دن کیسے نجات مل سکتی ہے؟

(2) ﴿يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا﴾ ”جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا“ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کو نہ مانا اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق نہ کی تو اس دن کی گھبراہٹوں سے کیسے نجات پاؤ گے وہ دن جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ یعنی اس کے اندوہناک زلزلوں کی زد میں اگر بچے بھی آئیں گے تو بوڑھے ہو جائیں گے۔

(3) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ پاک قیامت کے دن سیدنا آدم علیہ السلام سے فرمائے گا اے آدم! وہ عرض کریں گے، میں حاضر ہوں اے رب! تیری فرمانبرداری کے لیے، پروردگار آواز سے پکارے گا (یا فرشتہ پروردگار کی طرف سے آواز دے گا) اللہ حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخ کا جتھہ نکالو، وہ عرض کریں گے اے پروردگار! دوزخ کا جتھا کتنا نکالو۔ حکم ہوگا (راوی نے کہا میں سمجھتا ہوں) ہر ہزار آدمیوں میں سے نو سو نانوے (گویا ہزار میں ایک جنتی ہوگا) یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ پیٹ والی کا حمل گر جائے گا اور بچہ (فکر کے مارے) بوڑھا ہو جائے گا (یعنی جو بچپن میں پڑا ہو) اور تو قیامت کے دن لوگوں کو ایسا دیکھے گا جیسے وہ نشہ میں متوالے ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو نشہ نہ ہوگا بلکہ اللہ کا عذاب ایسا سخت ہوگا (یہ حدیث جو صحابہ حاضر تھے ان پر سخت

گزری، ان کے چہرے ڈر کے مارے) بدل گئے۔ (بخاری: 4741)

(4) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ ۖ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ۝ (١) يَوْمَ تَرَوْهَا تَهْتِكُ كُلُّ مَرْصِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتٍ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ۝ (٢)﴾ ”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، یقیناً قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اُسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اس سے غافل ہو جائے گی جسے اس نے دودھ پلایا اور ہر حاملہ اپنا حمل ڈال دے گی اور آپ لوگوں کو مدہوش دیکھیں گے حالانکہ وہ مدہوش نہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا۔“ (الحج: 12)

﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ بِهِ ط كَانَ وَعَدُهُ مَفْعُولًا﴾

”آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے“ (18)

سوال: ﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ بِهِ ط كَانَ وَعَدُهُ مَفْعُولًا﴾ ”آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿السَّمَاءُ مُنْقَطِرَةٌ بِهِ﴾ ”آسمان اس میں پھٹ جانے والا ہے“ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اس دن کی دہشت ایسی ہو گی کہ آسمان بھی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

(2) ﴿كَانَ وَعَدُهُ مَفْعُولًا﴾ ”اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہمیشہ سے پورا ہو کر ہی رہنے والا ہے۔“ وہ دن یعنی قیامت آ کر رہے گی۔ کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ اس کا وقوع لازم ہے کوئی اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا۔

﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾

”بلاشبہ یہ ایک نصیحت ہے تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے“ (19)

سوال: ﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ ”بلاشبہ یہ ایک نصیحت ہے تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ﴾ ”بلاشبہ یہ ایک نصیحت ہے“ یہ آیات جس میں قیامت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کی ہولناکیوں کی خبر دی گئی ہے۔ یہ ایک یاد دہانی ہے جس سے اہل تقویٰ نصیحت پکڑتے ہیں اور ایمان والے برائیوں سے رک جاتے ہیں۔

(2) ﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ ”تو جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف راستہ بنا لے“ یعنی وہ راستہ جو اسے اس کے رب تک پہنچاتا ہے۔ وہ راستہ اللہ کی شریعت کی اتباع کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول کھول کر بیان کیا اور پوری طرح واضح

کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کے افعال پر قدرت اور اختیار عطا کیا ہے، ایسے نہیں جیسے ”جبریہ“ کہتے ہیں کہ بندوں کے افعال ان کی مشیت کے بغیر واقع ہوتے ہیں کیونکہ یہ نقل اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2863)

(3) جو اپنے رب کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایمان لائے اور اس پر عمل پیرا ہو اور اس کی مرضی کے راستے پر چلے۔

رکوع نمبر 14

﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۗ وَاللَّهُ يُقَلِّدُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۗ عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۗ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْضَىٰ ۚ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ ۚ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاقْرَءُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۗ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

”یقیناً آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا اس کا آدھا یا اس کا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ بھی جو آپ کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے جان لیا کہ تم اس کو ہرگز ٹھیک شمار نہیں کر سکو گے، سو اس نے تم پر مہربانی کی تو آسانی سے جتنا ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو اس نے جان لیا کہ تم میں سے کچھ مریض بھی ہوں گے اور کچھ دوسرے لوگ جو زمین میں سفر کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے تلاش کریں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے، چنانچہ آسانی سے جتنا ہو سکے پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو، اچھا قرض، اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں زیادہ بڑی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے“ (20)

سوال 1: ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ﴾ ”یقیناً آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا اس کا آدھا یا اس کا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ بھی جو آپ کے ساتھ ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِنْ ثُلُثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِنَ الَّذِينَ مَعَكَ﴾ ”یقیناً آپ

کارب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات کے قریب یا اس کا آدھا یا اس کا ایک تہائی حصہ قیام کرتے ہیں اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ بھی جو آپ کے ساتھ ہیں، اللہ رب العزت نے رسول اللہ ﷺ کو نصف رات یا ایک تہائی یا دو تہائی رات قیام کرنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ اہل ایمان کی ایک جماعت نے بھی اس حکم کی تعمیل کی۔

(2) ﴿وَكُلَّ ثَلَاثَةٍ مِّنَ اللَّيْلِ مَعَكُمْ﴾ اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ بھی جو آپ کے ساتھ ہیں، اس سے مراد اصحاب رسول ﷺ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ سب پر قیام اللیل اس وقت فرض تھا۔ (جامع البیان 148/29)

(3) سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”رات کی نماز دو دو رکعت پڑھا کرو، پھر جب تم نماز سے فارغ ہونا چاہو، تو ایک رکعت وتر پڑھ لیا کرو، یہ ایک رکعت جتنی نماز تم پڑھ چکے ہو اس سے وتر بنا دے گی۔“ (بخاری: 990)

(4) سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس آیات کے ساتھ قیام کرے وہ غافلوں میں شمار نہیں ہوتا، جو سو آیات کے ساتھ قیام کرے وہ ”قانتین“ (عبادت گزاروں) میں لکھا جاتا ہے۔ اور جو ہزار آیات کے ساتھ قیام کرے وہ ”مقنطریں“ (یعنی بے انتہا ثواب جمع کرنے والوں) میں لکھا جاتا ہے۔ (ابوداؤد: 1398)

(5) سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: پانچ نمازیں دن رات میں فرض ہیں۔ اس نے پوچھا، کیا اس کے سوا بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ہیں! الا یہ کہ تو کوئی نفل نماز پڑھنا چاہے۔ (بخاری: 46)

سوال 2: ﴿وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ طَعْلَمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوا كُفَاتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے جان لیا کہ تم اس کو ہرگز ٹھیک شمار نہیں کر سکو گے، سو اس نے تم پر مہربانی کی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ دن اور رات، گھنٹوں اور اوقات کا علم رکھتا ہے۔ وہ ان کی مقدار کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی کہ کتنا وقت گزر گیا ہے اور کتنا باقی ہے۔

(2) ﴿طَعْلَمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوا كُفَاتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ اس نے جان لیا کہ تم اس کو ہرگز ٹھیک شمار نہیں کر سکو گے، یعنی وہ جانتا ہے کہ کسی کی بیشی کے بغیر تم اس کی مقدار معلوم نہیں کر سکو گے کیونکہ اس کی مقدار کی معرفت کا حصول، واقفیت اور مزید شفقت کا تقاضا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تخفیف کر دی ہے اور تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیا ہے جو تمہارے لیے آسان ہے، خواہ وہ مقدار سے زیادہ ہو یا کم۔ (تفسیر سہی: 2864/3)

(3) یعنی تمہارا رب جانتا ہے کہ تم پر قیام اللیل فرض کیا گیا ہے اور تم اس کی طاقت نہیں رکھتے۔

(4) ﴿فَاتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ ”سو اس نے تم پر مہربانی کی“ اس لئے اس نے تم سے تخفیف فرمادی ہے۔

سوال 3: ﴿فَاقْرَأْهُ وَمَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ”تو آسانی سے جتنا ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَاقْرَأْهُ وَمَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ ”تو آسانی سے جتنا ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو“، یعنی جتنی قرأت تم پر گراں نہیں گزرتی اتنی

تلاوت کرو۔ (2) جس کی تمہیں معرفت حاصل ہے۔

(3) قیام اللیل کرنے والا نمازی صرف اس وقت تک نماز پڑھے جب تک دل کی خوشی شامل ہو۔ اکتاہٹ یا سستی آئے تو اسے آرام کرنا چاہیے۔ (4) راحت اور طمانیت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔

سوال 4: ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْطِيٌّ وَآخِرُونَ يُصِرُّونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَآخِرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ نَفَقًا قَرُوءًا وَأَمَّا تَيْسَرٌ مِنْهُ﴾ ”اس نے جان لیا کہ تم میں سے کچھ مریض بھی ہوں گے اور کچھ دوسرے لوگ جو زمین میں سفر کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے تلاش کریں گے اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے، چنانچہ آسانی سے جتنا ہو سکے پڑھ لیا کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرْطِيٌّ﴾ ”اس نے جان لیا کہ تم میں سے کچھ مریض بھی ہوں گے“ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ بیمار ہوں گے اور دو تہائی، نصف یا ایک تہائی رات کی نماز ان پر گراں گزرے گی۔ اس لئے مریض اتنی ہی نماز پڑھے جو اس کے لئے آسان ہے۔ (2) مشقت کی صورت میں کھڑے ہو کر بھی نماز پڑھنے کا پابند نہیں ہے۔

(3) اگر بیماری میں نفل نماز پڑھنے میں اس کے لئے مشقت ہے تو وہ اسے چھوڑ دے، اسے اسی طرح نماز پڑھنے کا اجر ملے گا جیسے صحت مندی کی حالت میں پڑھتا تھا۔

(4) ﴿وَآخِرُونَ يُصِرُّونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ﴾ ”اور کچھ دوسرے لوگ جو زمین میں سفر کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے تلاش کریں گے“ یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں مسافر بھی ہیں جو تجارتی سفر کرتے ہیں تاکہ اپنے اہل و عیال کی معاشی کفالت کا حق ادا کر سکیں، مسافر کے لئے فرض نماز میں بھی تخفیف کر دی گئی ہے اور دو نمازوں کو جمع کرنے اور چار میں قصر کو مباح کر دیا گیا ہے۔ تو نفل نمازوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی دی گئی ہے۔

(5) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا: ”جہاد فی سبیل اللہ کے بعد اگر کسی حالت میں جان دینا مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو وہ یہ حالت ہے کہ میں اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے کسی پہاڑی درے سے گزر رہا ہوں اور وہاں مجھ کو موت آجائے، پھر انہوں نے یہی آیت پڑھی۔“ (یعنی)

(6) ﴿وَآخِرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اور کچھ دوسرے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے“ سفر کا ایک سلسلہ رزق کے لئے سفر ہے، دوسرا حج کے لئے، تیسرا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے، وہ اتنی مقدار میں نماز پڑھ سکتا ہے جو اسے تکلیف نہ دے۔

(7) ﴿فَقَارُوءٌ وَأَمَّا تَيْسَرٌ مِنْهُ﴾ ”چنانچہ آسانی سے جتنا ہو سکے پڑھ لیا کرو“ اللہ تعالیٰ نے دو امور میں بیماری اور سفر میں تخفیف کے بعد ایسے شخص کا ذکر کیا ہے جو صحت مند ہے اور اپنے گھر میں مقیم ہے۔ رات کا قیام کرتا ہے، اس کے لئے بھی دین میں تنگی نہیں رکھی۔ الحمد للہ رب العزت نے شریعت کو آسان بنا دیا ہے۔

(8) یعنی جس قدر آسانی سے قرآن پڑھ سکتے ہو پڑھو۔ رات کی حد بندی نہ کرو۔ رات میں جتنی آسانی کے ساتھ نماز پڑھ سکو پڑھ لو۔

(9) یہاں قرأت سے مراد نماز ہے۔

(10) یعنی جس قدر قرأت یعنی نماز آسان ہو پڑھ لو۔ جس قدر قیام آسانی سے کر سکو کر لو۔ (مخبر ابن کثیر: 2/2146)

(11) قیام اللیل اس سے پہلے واجب تھا اور اس آیت سے اسے امت کے لئے نفل کر دیا گیا۔ (البرہان القاسم: 1694)

(12) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ (فرض) نماز پڑھتے پھر واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو (وہی) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک بار عشاء میں انہوں نے سورہ البقرہ شروع کی (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نماز توڑ کر چل دیا۔ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ ان کو برا کہنے لگے یہ خبر نبی ﷺ کو پہنچی (اس نے جا کر معاذ کی شکایت کی) آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تو بلا میں ڈالنے والا ہے، بلا میں ڈالنے والا ہے، بلا میں ڈالنے والا ہے، تین بار فرمایا۔ یا یوں فرمایا: تو فسادی ہے، فسادی ہے، فسادی ہے، پھر آپ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ مفصل کی بیچ کی دو سورتیں پڑھا کرے۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ مجھے یاد نہ رہیں (کہ کون سی سورتوں کا آپ نے نام لیا)۔ (بخاری: 701) (13) ابن عباس نے کہا ﴿فَأَقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ سے مراد 100 آیات ہیں۔ (مجمع الزوائد: 276/7)

سوال 5: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو، اچھا قرض کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ اور نماز قائم کرو، یعنی نماز کو اس کے ارکان، اس کی حدود، اس کی شرائط اور اس کی تکمیل کرنے والے تمام امور کے ساتھ قائم کرو۔ (تفسیر سہلی: 3/2865)

(2) ﴿وَأَتُوا الزَّكَاةَ﴾ اور زکوٰۃ ادا کرو، یعنی فرض صدقہ دو۔ دل کی سچائی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پاک مال میں سے خرچ کرو۔

(3) جتنی زیادہ نیت سچی ہوگی اور دل کے ثبات سے دوگے اتنا ہی زیادہ اجر پاؤ گے۔

(4) ﴿وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ اور اللہ تعالیٰ کو قرض دو، اچھا قرض، یعنی اپنے زائد مال میں سے صدقہ کر کے اپنے نفسوں کو پاک کرو، یہ قرض حسنہ ہے۔

(5) اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرو اور وہ جہاد ہے۔ اس راستے میں خرچ کیا گیا مال سات سو گنا تک اجر دے گا۔ (البرہان القاسم: 1693/1694)

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنْ تَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لْيُضْعِفْ لَكُمْ كُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اُسے تمہارے لئے کئی گنا بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان، بے حد بردبار ہے۔ (اسحاق بن: 17)

(7) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفْ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَ يَبْضُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ کون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دے؟ سو وہ اس کو بڑھا چڑھا کر اس کے لئے کئی گنا کر دے اور

اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور کشادگی پیدا کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“ (البقرہ: 245)

(8) ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعْفَهُ لَهُ وَلَئِنْ أُجِرْ كَرِهَ لَكُمْ﴾ ”کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دے؟ تو وہ اُسے کئی گنا تک اُس کے لئے بڑھا دے اور اسی کے لیے باعزت اجر ہے۔“ (الحدید: 11)

(9) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے کون ہے جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ محبوب ہو؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ”یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کو اپنا مال ہی سب سے زیادہ محبوب ہے۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پس انسان کا مال تو وہی ہے جو اس نے (صدقہ و خیرات) کر کے آگے بھیجا اور اس کے وارث کا مال وہ ہے جو وہ پیچھے چھوڑ گیا۔“ (مسئلہ احادیث ص 1486)

سوال 6: اللہ تعالیٰ نے تہجد کو فرض سے نفل قرار دیتے ہوئے دو عبادات نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے تہجد جیسی فضیلت والی نماز کی فرضیت کو ساقط کیا تو نیکی کے بڑے کاموں کا حکم دیا اور یہ راہ نمائی کی کہ دین کی درستگی کے لیے کون سے فرائض ہیں جن کی درست ادائیگی آپ کے لئے نفع مند ہوگی۔

(2) رب العزت نے فرائض کی حفاظت کرنے کا حکم دیا ہے۔ (3) اللہ تعالیٰ نے دو عبادتوں کا ذکر فرمایا جو ام العبادات اور ان کا ستون ہیں، یعنی نماز قائم کرنا جس کے بغیر دین درست نہیں رہتا اور زکوٰۃ ادا کرنا جو ایمان کی دلیل ہے اور اس سے حاجت مندوں اور مساکین کے لیے ہمدردی حاصل ہوتی ہے۔ (تیسرے حصے: 2865/3) (4) زکوٰۃ مکہ میں فرض ہوئی پھر مدینہ میں نصاب مقرر ہوا۔

سوال 7: ﴿وَمَا تَقْدِمُوا إِلَّا أَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا﴾ ”اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں زیادہ بڑی ہے“ نیکیاں مال سے بہتر ہیں، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا تَقْدِمُوا إِلَّا أَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا﴾ ”اور جو نیکی تم اپنے لیے آگے بھیجو گے اُسے اللہ تعالیٰ کے ہاں موجود پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں زیادہ بڑی ہے“ تم جو نیکیاں کرو گے تمہارے لئے اس مال سے بہتر ہیں جو تم پیچھے چھوڑ جاؤ گے۔

(2) نیکی کا اجر دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ بے شمار گنا ملتا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں کی ہوئی ذرہ بھر بھلائی کے مقابلے میں ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کے گھر میں دنیا کی لذتوں سے کئی گنا زیادہ لذتیں اور شہوات ہیں، اس دنیا میں کی ہوئی بھلائی اور نیکی، آخرت کے دائمی گھر میں بھلائی اور نیکی کی بنیاد، اس کا بیج، اس کی اصل اور اساس ہے۔ (تیسرے حصے: 2865/3)

سوال 8: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا لِلذَّٰلِمِ إِنَّا اللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا، نہایت

جواب: یہی سورت ہے۔ اس میں دو رکوع اور 56 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 74 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے چوتھی سورت ہے۔

سوال 3: اس سورت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ”شہاب سے منقول ہے کہ مجھے ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی جابر بن عبداللہ الانصاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فترۃ الوحی (وحی منقطع ہو جانے والے عرصہ) کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: میں چل رہا تھا کہ اچانک آسمان پر آواز سنی میں نے اپنا سراٹھایا تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غار حرا میں پہلی بار وحی لے کر آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس سے مجھ پر خوف سا طاری ہو گیا، میں اپنے گھر آ گیا اور گھر والوں کو کہا مجھے کپڑا اوڑھنا دو چنانچہ انہوں نے میرے جسم پر کپڑا ڈال دیا اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل کر دی: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ سے ﴿وَالرُّجُزَ فَاهْجُزْ﴾ تک۔ اس قصے کے بعد مسلسل وحی آنا شروع ہو گئی۔

رکوع نمبر 15



﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾

”اے کبل میں لپٹنے والے!“ (1)

سوال: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ”اے کبل میں لپٹنے والے!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ ”اے کبل میں لپٹنے والے!“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے کپڑا اوڑھنے والے یعنی اے اپنی نیند کے

وقت کپڑے میں لپٹنے والے۔ (جامع البیان: 151/29)

(2) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کپڑے سے مراد خلعت نبوت و رسالت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو تقویٰ کے لباس سے

سرفراز کیا تھا اور انہیں علم کی چادر سے مزین کیا تھا۔ (تیسرے القاسمی: 330/16)

﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾

”اٹھو پھر خبردار کرو“ (2)

سوال: ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ ”اٹھو پھر خبردار کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَمَّ فَأَنْذِرُ﴾ ”اٹھو پھر خبردار کرو“ یہاں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنی نیند سے کھڑے ہوں اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والی اپنی مشرک قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ (جامع البیان: 153/29)

(2) سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اپنی قوم کو اللہ کے عذاب، پہلی امتوں کے انجام اور سخت انتقام الہی سے ڈرائیں۔“ (جامع البیان: 153/29)

(3) یعنی اٹھ کھڑے ہوں اہل مکہ کو ڈرائیں اور اسلام نہ لانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وعید سنائیں یا اس کا معنی ہے کہ اپنے بستر سے اٹھ کھڑے ہوں یا اس کا معنی ہے کہ عزم مصمم اور پختہ ارادہ لے کر اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ بھی معنی کہا گیا کہ ان کے درمیان اپنی نبوت کا اعلان کر دیں، یہ بھی معنی کیا گیا ہے کہ ان کے درمیان توحید کا اعلان کر دیں۔ فراء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے آپ کھڑے ہوں اور نماز پڑھیں اور لوگوں کو نماز کا حکم دیں۔ (فتح القدیر: 397/5)

(4) ﴿قَمَّ﴾ ”اٹھو“ یعنی کوشش اور نشاط کے ساتھ کھڑے ہوں۔ ﴿فَأَنْذِرُ﴾ ”پھر خبردار کرو“ یعنی لوگوں کو ایسے اقوال و افعال کے ذریعے سے تنبیہ کیجئے جن سے مقصد حاصل ہو، ان امور کا حال بیان کر کے ڈرائے جن سے متنبہ کرنا مطلوب ہے تاکہ وہ ان کو ان کے ترک کرنے پر زیادہ آمادہ کرے۔ (تیسرے سہی: 2866/3) (5) پھر کیا تھا؟ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور اس زمین پر امانت کا بار اٹھایا۔

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرُ﴾

”اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو“ (3)

سوال: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرُ﴾ ”اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرُ﴾ ”اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو“ یعنی غیر اللہ کو چھوڑ کر اپنی جملہ حاجات کو اللہ تعالیٰ کے حضور ہی پیش کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ (جامع البیان: 153/29)

(2) یعنی تیری سرداری ملکیت اور جمیع امور کو تکبیر کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے یہ (تکبیر) اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت والی صفت ہے یعنی (اللہ اکبر) اللہ تعالیٰ اس امر سے بڑا ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس امر سے بھند ہے کہ اس کی بیوی یا اولاد ہو۔ ابن عربی فرماتے ہیں گویا کہ تکبیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تقدیس اور جملہ عیوب و نقائص سے پاکیزگی بیان کرنا ہے۔ نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے اور نہ ہی اس کے سوا کسی کی عبادت کی جائے اور اس امر کا عقیدہ رکھا جائے کہ تمام تصرفات کا اختیار صرف اس کے پاس ہے اور تمام نعمتیں اس کے پاس موجود ہیں۔“ (فتح القدیر: 397/5)

(3) یعنی توحید کے ذریعے سے اس کی عظمت بیان کیجیے۔ اپنے انذار اور تنبیہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصد بنائیں نیز اس بات کو مد نظر

رکھیں کہ بندے اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اس کی عبادت کریں۔ (تفسیر سعدی: 3/2866)

﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾

”اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو“ (4)

سوال: ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ ”اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ ”اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو“ اس آیت کریمہ کی تاویل (تفسیر) میں اہل تاویل (مفسرین) نے اختلاف کیا ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ اپنے کپڑوں کو نافرمانی اور دھوکہ فریب سے پاک و صاف رکھو۔“ (جامع البیان)

(2) انہوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماعت فرمایا وہ فرماتے ہیں: ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ اس سے مراد ہے گناہوں سے پاک صاف ہونا۔ پھر فرمایا: کپڑوں کی پاکیزگی عرب میں محاورے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔“ (جامع البیان: 29/153)

(3) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ گناہوں سے پاکیزگی اور طہارت مراد ہے۔“ (جامع البیان: 29/154)

(4) قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس سے نافرمانیوں سے پاکیزگی اختیار کرنا مراد ہے۔ عرب لوگ وعدہ خلاف کو کہتے ہیں: دس ثیاب کہ اس نے اپنے کپڑوں کو میلا کر دیا ہے (یعنی ان کو پاک نہیں رکھ سکا) اور جب کوئی آدمی وعدہ پورا کرتا ہے اور اپنی اصلاح کرتا ہے تو اسے عرب لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اپنے کپڑوں کو پاک رکھا ہے (یعنی یہ پاک باز ہے)۔“ (جامع البیان: 29/154)

(5) سیدنا ضحاک رضی اللہ عنہ سے سنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ کے بارے میں وہ فرماتے ہیں کہ نافرمانی کرتے ہوئے اپنے کپڑوں کو مت پہنو۔

(6) سیدنا عامر رضی اللہ عنہ اور عطاء رضی اللہ عنہ دونوں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلطیوں اور خطاؤں سے اپنے آپ کو پاک رکھو۔ دوسرے کہتے ہیں بلکہ اس کا معنی ہے کہ اپنے اوپر اپنی حلال کمائی کے علاوہ کوئی کپڑا نہ اوڑھو۔“ (جامع البیان: 29/154)

(7) ”دوسرے مفسرین کا قول ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ اپنے عملوں کی اصلاح کرو۔“ (جامع البیان: 29/154)

(8) ”ابوزرین اللہ کے اس فرمان ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کو درست کر لو۔ جب کوئی برے اور خمیشت اعمال کا ارتکاب کرتا تھا تو لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ شخص برے اور خمیشت کپڑوں کا حامل ہے اور جب کوئی شخص اچھے اور صالح اعمال کو بجالاتا تھا تو اسے لوگ کہتے تھے کہ فلاں شخص پاک کپڑوں کو زیب تن کرنے والا ہے۔“ (جامع البیان: 29/155)

(9) مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ اللہ کے اس فرمان ﴿وَوَيْسَ آيَاتِكَ فَطَهَّرَ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ نہ تو نجومی ہے نہ تو جادوگر ہے پس تو اس سے اعراض کر جو وہ کہتے ہیں۔“ (جامع البیان: 29/155)

(10) دوسرے مفسرین کا قول ہے کہ بلکہ اس (چادر اور کپڑا) کو پانی سے دھو ڈال اور اس کو نجاست اور پلیدیگی سے پاک کر لے۔“ (جامع البیان: 155/29) (11) اس آیت میں ان راہبانہ تصورات کا پورا رد موجود ہے۔ (تفسیر القرآن: 547/4)

(12) اس آیت کریمہ میں یہ احتمال ہے کہ (ڈیبا ب) ”کپڑے“ سے مراد تمام اعمال ہوں اور ان کی تطہیر سے مراد ہے ان کی تخلص، ان کے ذریعے سے خیر خواہی، ان کو کامل ترین طریقے پر بجالانا اور ان کو تمام مہلکات، مفسدات اور ان میں نقص پیدا کرنے والے امور، یعنی شرک، ریا، نفاق، خود پسندی، تکبر، غفلت وغیرہ سے پاک کرنا ہو، جن کے بارے میں بندہ مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عبادات میں ان سے اجتناب کرے۔ اس میں کپڑوں کی نجاست سے تطہیر بھی داخل ہے کیونکہ یہ تطہیر، اعمال کی تطہیر کی تکمیل ہے، خاص طور پر نماز کے اندر جس کے بارے میں بہت سے علماء کا قول ہے کہ نجاست کو زائل کرنا، نماز کا حق اور اس کی شرائط میں سے ایک شرط ہے، یعنی طہارت اس کی صحت کی شرائط میں سے ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ (ڈیبا ب) سے مراد معروف لباس ہو اور آپ کو ان کپڑوں کی تمام اوقات میں تمام نجاستوں سے تطہیر کا حکم دیا گیا ہے، خاص طور پر نماز میں داخل ہوتے وقت۔ جب آپ ظاہری طہارت پر مامور ہیں کیونکہ ظاہری طہارت، باطنی طہارت کی تکمیل کرتی ہے۔ (تفسیر سہمی: 2866, 2867/3)

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾

”اور ناپاکی سے دُور رہو“ (5)

سوال: ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ ”اور ناپاکی سے دُور رہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہما کے اس فرمان ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ کی تفسیر کرتے ہیں کہ ﴿الرُّجْزُ﴾ سے مراد وہ اللہ اور بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ حکم دیا گیا کہ ان کو چھوڑ دو نہ تو ان کے قریب آؤ اور نہ ان کے پاس آؤ۔“ (جامع البیان: 156/29)

(2) دوسرے مفسرین کا قول ہے بلکہ اس کا معنی ہے کہ گناہوں اور نافرمانیوں کو ترک کر دو۔ (جامع البیان: 156/29)

(3) داعی کے عمومی طور پر دو انجام ہوتے ہیں۔ (i) غرور و فخر اور عظمت، وہ کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم پر روکنے والا ہوں اور خیر کو تمہارے اوپر جاری کرنے والا ہوں۔ (ii) اور یہ لوگ اس داعی کو اذیت پہنچاتے ہیں اور اس کے بارے میں گردش زمانہ کا انتظار کرتے ہیں اور اسے ہر جگہ تلاش کرتے ہیں۔ ایسی صورت حال کا سامنا کرنے والے دعوات کہتے ہیں کیا ہو گیا ہے اس قوم کو ہماری بات ہی نہیں سنتے لہذا ہم ان لوگوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ نعمتوں کی قدر نہیں کرتے اور انعام کرنے والوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔“ (تفسیر ابراہی: 247/10)

(4) ایک احتمال یہ ہے کہ ﴿الرُّجْزُ﴾ سے مراد بت اور مورتی ہوں جن کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کو ترک کر دیں۔ ان سے برأت کا اعلان کریں۔ نیز ان تمام اقوال و افعال سے بے زار ہوں جو ان کی طرف منسوب

ہیں۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ ﴿الرُّحْمَٰنُ﴾ سے مراد تمام اعمال شرا اور اقوال شر ہوں۔ تب آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ تمام چھوٹے اور بڑے، ظاہری اور باطنی گناہ چھوڑ دیں۔ اس حکم میں شرک اور اس سے کم تر گناہ داخل ہیں۔ (تفسیر سہمی: 2867/3)

﴿وَلَا تَمُنُّنَ تَسْتَكْبِرُونَ﴾

”اور احسان نہ کرو کہ تم زیادہ حاصل کرو“ (6)

سوال: ﴿وَلَا تَمُنُّنَ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ ”اور احسان نہ کرو کہ تم زیادہ حاصل کرو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ابراہیم رضی اللہ عنہ اس آیت مبارکہ ﴿وَلَا تَمُنُّنَ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: کوئی شے (اس نیت سے) نہ دو تا کہ اس سے زیادہ حاصل کر سکو۔“ (جامع البیان: 157/29)

(2) ”دیگر اہل علم کا قول ہے کہ اس کا معنی کچھ یوں ہے اپنے عمل سے اپنے رب پر احسان نہ جتلائیں تا کہ آپ زیادہ لے سکیں۔“ (جامع البیان)
(3) ”سیدنا ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تیری نگاہ میں تیرا عمل بڑا نہ ہو کیونکہ تیرا بڑے سے بڑا عمل بھی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کے مقابلے میں قلیل ہے۔“ (جامع البیان: 158/29)

(4) ”سیدنا ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبوت اور ہمارے نازل کردہ قرآن مجید کے ساتھ لوگوں پر احسان نہ جتلاؤ تا کہ ان سے دنیا میں اس کا بہتر بدلہ حاصل کر سکو۔“ (جامع البیان: 158/29)

(5) یعنی آپ نے لوگوں پر جو دینی اور دنیاوی احسانات کیے ہیں انہیں جتلائیں نہیں کہ اس احسان کے بدلے زیادہ حاصل کریں اور ان احسانات کی وجہ سے اپنے آپ کو لوگوں سے افضل سمجھیں بلکہ جب بھی آپ کے لیے ممکن ہو آپ لوگوں پر احسان کریں پھر ان پر اپنے اس احسان کو بھول جائیے۔ جس پر آپ نے احسان کیا ہے اسے اور دوسروں کو برابر سٹیج پر رکھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کسی کو کوئی چیز اس لیے عطا نہ کریں کہ آپ کا ارادہ ہو کہ وہ آپ کو اس سے بڑھ کر بدلہ عطا کرے۔ تب یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔ (تفسیر سہمی: 2867/3)

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾

”اور اپنے رب کے لیے صبر کرو“ (7)

سوال: ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ”اور اپنے رب کے لیے صبر کرو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ ”اور اپنے رب کے لیے صبر کرو“ یعنی اپنے صبر پر اجر کی امید رکھیے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو۔ پس رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے حکم کی اطاعت کی اور اس کی تعمیل کے لیے آگے بڑھے۔ پس آپ ﷺ نے لوگوں کو انجام بد سے ڈرایا اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے آیات پینات اور تمام مطالب الہیہ کو واضح کیا۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کی اور مخلوق کو اس کی تعظیم کی

طرف بلایا، آپ نے اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو ہر قسم کی برائی سے پاک کیا، آپ نے ہر اس ہستی سے برأت کا اظہار کیا جو اللہ تعالیٰ سے دور کرتی تھی اور اس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جاتی تھی، یعنی بتوں، بت پرستوں، شر اور شر پسندوں سے بیزاری کا اعلان کیا۔ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے احسان کے بعد آپ کا احسان ہے بغیر اس کے کہ آپ اس پر ان سے کسی جزا یا شکر گزاری کا مطالبہ کریں۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کی خاطر کامل ترین صبر کیا۔ پس آپ نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اور اس کی نافرمانی سے اجتناب پر اور اس کی تکلیف وہ تضاد قدر پر صبر کیا، یہاں تک کہ آپ اولوالعزم انبیاء و مرسلین پر بھی فوقیت لے گئے۔ ﴿صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ﴾ (تفسیر سعدی: 2867/3)

﴿فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ﴾

”پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی“ (8)

سوال: ﴿فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ﴾ ”پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ﴾ ”پس جب صور میں پھونک ماری جائے گی“ یعنی جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو قبروں سے کھڑا کرنے اور تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر کے حساب کتاب کے لیے جمع کرنے کے لیے صور پھونکا جائے گا۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ط ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اٰخَرٰى فَاِذَا هُمْ قِيٰاَمٌ يَّنظُرُوْنَ﴾ ”اور صور میں پھونکا جائے گا تو وہ بے ہوش ہو کر گر جائے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے چاہا پھر اس میں دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔“ (الامر: 68)

(3) ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ (۱۰۱) فَمَنْ ثَقَلَتْ مَوٰزِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۰۲) وَمَنْ خَفَّتْ مَوٰزِينُهُ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ (۱۰۳) تَلْقٰهُمُ جُوْهُهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كَالْحِجُوْنِ (۱۰۴)﴾ ”پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو اُس دن اُن کے درمیان کوئی قرابت داریاں نہ رہیں گی اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔ پھر وہ شخص جس کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور وہ شخص جس کے پلڑے ہلکے ہوں گے تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اُن کے چہروں کو آگ جھلسا دے گی اور اس میں وہ جبرے نکالنے والے ہوں گے۔“ (المومن: 104، 101)

(4) ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَاِذَا هُمْ مِنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ (۵۱) قَالُوْا اَلَيْسَ لَنَا مَن مِّنْ بَعْدِنَا مِن مَّرْقَدِنَا س ۗ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ (۵۲) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صٰحِيْحَةً وَّاٰحَدًا فَاِذَا هُمْ جٰمِعِيْنَ لَدِيْنَا مُخْضَرُوْنَ (۵۳)﴾ ”اور صور میں پھونکا جائے گا سو یکایک وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف تیزی سے دوڑ پڑیں گے۔ وہ کہیں گے: ”ہائے ہماری بدبختی! کس نے ہمیں

ہماری قبروں سے اٹھایا؟“ یہ وہی ہے جس کا رحمان نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ نہیں ہوگی مگر ایک ہی چیخ تو اچانک وہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے ہوئے ہوں گے۔“ (البیہقین: 51، 53)

(5) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں کیونکر آرام کروں جب کہ صور والے اسرائیل علیہم السلام منہ میں صور لیتے ہوئے اس حکم پر کان لگائے ہوئے ہیں کہ کب پھونکے گا حکم صادر ہو اور اس میں پھونک ماری جائے۔ یہ امر اصحاب رسول پر سخت گزرا، پس آپ ﷺ نے فرمایا، تم کہو: ﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا﴾ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کافی ہے، کیا ہی اچھا کارساز ہے وہ، اللہ تعالیٰ ہی پر ہم نے توکل کیا۔“ (ترمذی: 2431)

﴿فَذَلِكَ يَوْمَ مَعِينِ يَوْمَ عَسِيرٍ﴾

”تو وہ دن بڑا ہی مشکل دن ہوگا“ (9)

سوال: ﴿فَذَلِكَ يَوْمَ مَعِينِ يَوْمَ عَسِيرٍ﴾ ”تو وہ دن بڑا ہی مشکل دن ہوگا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَذَلِكَ يَوْمَ مَعِينِ يَوْمَ عَسِيرٍ﴾ ”تو وہ دن بڑا ہی مشکل دن ہوگا“، یعنی وہ دن ہولناک ہوگا اپنی سختیوں کی وجہ سے بڑا سخت ہوگا۔ (2) وہ ایسا دن ہوگا جس کو برداشت کرنے کی کسی میں طاقت نہ ہوگی۔

﴿عَلَى الْكُفْرَيْنَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾

”کافروں پر آسان نہ ہوگا“ (10)

سوال: ﴿عَلَى الْكُفْرَيْنَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ ”کافروں پر آسان نہ ہوگا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿عَلَى الْكُفْرَيْنَ غَيْرُ يَسِيرٍ﴾ ”کافروں پر آسان نہ ہوگا“ کافر اپنی بھلائی سے مایوس ہو چکے ہوں گے اور انہیں اپنی تباہی اور بربادی کا یقین آجائے گا۔ (2) اس دن کافر کہیں گے ﴿هَذَا يَوْمٌ عَسِيرٌ﴾ ”یہ تو بڑا مشکل دن ہے۔“ (القمر: 8)

﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾

”چھوڑ دو مجھے اور اُس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا“ (11)

سوال: ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾ ”چھوڑ دو مجھے اور اُس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾ ”چھوڑ دو مجھے اور اُس کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا“ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور ہر وہ شخص جو حق سے دشمنی رکھتا ہے اس کے لیے دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے۔

(2) حاکم نے تصحیح کے ساتھ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور ولید بن مغیرہ نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ نے اس کے سامنے قرآن کریم پڑھا گویا کہ اس پر قرآن کریم کا اثر ہوا۔ ابو جہل کو اس چیز کی اطلاع ہوئی تو وہ اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے چچا تیری قوم چاہتی ہے کہ تیرے لیے مال جمع کر دے، کیونکہ تو محمد ﷺ کے پاس جو کچھ ہے اس کو لینے کے لیے جاتا ہے ولید کہنے لگا کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ ابو جہل نے کہا تو اس کے بارے میں کوئی بات کہہ دو جس سے تمہاری قوم کو معلوم ہو جائے کہ تم اس چیز کو پسند نہیں کرتے اور اسے برا سمجھتے ہو۔ ولید کہنے لگے میں کیا کہوں اللہ کی قسم! تم میں کوئی مجھ سے زیادہ شعر جاننے والا نہیں اور نہ مجھ سے زیادہ اس کے رجز اور قصیدے اور اشعار سے واقف ہے اور اللہ کی قسم جو یہ کہتے ہیں اس کے کوئی چیز مشابہ نہیں۔ اللہ کی قسم ان کی باتوں میں مٹھاس ہے اور اس پر رونق ہے اور یہ اپنے اوپر کوروشن کرنے والے ہیں اور مشرق ان کے نیچے ہے اور یہ غالب آئیں گے مغلوب نہیں ہوں گے اور ان کے نیچے جو چیز ہے اس کو ریزہ ریزہ کر دیں گے۔ ابو جہل یہ سن کر کہنے لگا کہ تیری قوم تجھ سے اس وقت تک راضی نہ ہو گی جب تک محمد ﷺ کے بارے میں کچھ کہے۔ تو ولید کہنے لگا مجھے سوچنے کا موقع دو چنانچہ اس نے سوچا تو کہنے لگا یہ دوسروں سے منقول شدہ جادو ہے۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ (تیسرا باب: 430/3)

(3) اللہ تعالیٰ نے ولید کو دھمکی دی ہے کہ میں نے اسے اکیلا، کسی مال اور اہل و عیال کے بغیر پیدا کیا۔ میں نے اسے نعمتیں دیں۔ مال اور اولاد عطا کی، دولت و ثروت دی۔

﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا﴾

”اور میں نے اُسے لمبا چوڑا مال دیا ہے“ (12)

سوال: ﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا﴾ ”اور میں نے اُسے لمبا چوڑا مال دیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا﴾ ”اور میں نے اُسے لمبا چوڑا مال دیا ہے“ یعنی اسے تجارت میں وسعت دی اور وسیع مال دیا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے اسے ہزاروں اشرفیوں کا مالک اور بڑا زمیندار بنا دیا۔ لونڈیاں غلام اور ہر قسم کا مال دے کر رکھیں بنا دیا۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2149)

﴿وَبَنِينَ شُهُودًا﴾

”اور حاضر رہنے والے بیٹے دیئے“ (13)

سوال: ﴿وَبَنِينَ شُهُودًا﴾ ”اور حاضر رہنے والے بیٹے دیئے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَبَنِينَ شُهُودًا﴾ ”اور حاضر رہنے والے بیٹے دیئے“ مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ولید کے دس بیٹے تھے۔ (جامع البیان 29/163) (2) اس کے بیٹے اس کے پاس موجود رہتے اور اس کی شان و شوکت بڑھاتے تھے۔ (3) اس کے بیٹوں میں سے ایک خالد بن ولید بھی تھے۔

﴿وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا﴾

”اور میں نے اس کے لیے سامان تیار کیا، ہر طرح سامان تیار کرنا“ (14)

سوال: ﴿وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا﴾ ”اور میں نے اس کے لیے سامان تیار کیا، ہر طرح سامان تیار کرنا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا﴾ ”اور میں نے اس کے لیے سامان تیار کیا، ہر طرح سامان تیار کرنا“ یعنی اس کی عمر، بیٹوں اور عزت میں کشادگی عطا کی۔ (2) اور میں نے دنیا اور اس کے اسباب پر اسے اختیار دیا، یہاں تک کہ اس کے تمام مطالب آسان ہو گئے اور اس نے ہر وہ چیز حاصل کر لی جو وہ چاہتا تھا اور جس کی اسے خواہش تھی۔ (تفسیر سہمی: 2869/3)
 (3) یعنی طرح طرح کا سامان دے کر کثیر ساز و سامان والا کر دیا۔

﴿ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ﴾

”پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں“ (15)

سوال: ﴿ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ﴾ ”پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ یعنی مال و دولت، بیٹیوں اور بھلائیوں کے باوجود۔
 (2) ﴿يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ﴾ ”وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اُسے اور زیادہ دوں“ وہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا کی طرح اسے آخرت کی نعمتیں بھی حاصل ہوں۔ (3) یعنی اتنا حریص ہے اس کے دل کی حسرت ختم نہیں ہوئی وہ چاہتا ہے کہ اور مال مل جائے۔
 (4) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر ابن آدم کے لیے سونے کی ایک وادی ہو تب بھی دوسری وادی کی خواہش کرے گا۔ اور اس کا منہ مٹی ہی بھرے گی اور اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والے ہی پر رجوع فرماتے ہیں۔“ (مسلم: 2417)

﴿كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتِنَا عَنِيدًا﴾

”ہرگز نہیں! یقیناً وہ ہماری آیات سے سخت دشمنی رکھنے والا ہے“ (16)

سوال: ﴿كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتِنَا عَنِيدًا﴾ ”ہرگز نہیں! یقیناً وہ ہماری آیات سے سخت دشمنی رکھنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ”ہرگز نہیں“ یعنی آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔ (2) معاملہ ایسا نہیں ہوگا جو وہ چاہتا ہے۔
 (3) ﴿إِنَّهُ كَانَ لِأَيْتِنَا عَنِيدًا﴾ ”یقیناً وہ ہماری آیات سے سخت دشمنی رکھنے والا ہے“ یعنی وہ قرآن کی آیات کا دشمن ہے۔
 (4) اس نے ان آیات کو پہچان کر ان کا انکار کر دیا، ان آیات نے اسے حق کی طرف دعوت دی مگر اس نے ان کی اطاعت نہ کی۔ اس نے صرف ان سے روگردانی کرنے اور منہ موڑنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے خلاف جنگ کی اور ان کے ابطال کے لیے بھاگ دوڑ کی۔ (تفسیر سہمی: 2869/3)

﴿سَأَرْهُقُهُ صَعُودًا﴾

”جلد ہی میں اُسے دشوار گزار گھائی پر چڑھاؤں گا“ (17)

سوال: ﴿سَأَرْهُقُهُ صَعُودًا﴾ ”جلد ہی میں اُسے دشوار گزار گھائی پر چڑھاؤں گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَأَرْهُقُهُ صَعُودًا﴾ ”جلد ہی میں اُسے دشوار گزار گھائی پر چڑھاؤں گا“ اب ہم اسے صعود پہاڑ پر چڑھائیں گے۔

(2) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صعود دوزخ میں ایک پہاڑ ہے، دوزخی اس پر ستر برس میں چڑھایا

جائے گا اور پھر دھکیل دیا جائے گا یہی عذاب اس پر ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ (ترمذی: 3326)

﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ﴾

”اُس نے غور و فکر کیا اور بات بنائی“ (18)

سوال: ﴿إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ﴾ ”اُس نے غور و فکر کیا اور بات بنائی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّهُ فَكَّرَ﴾ ”اُس نے غور و فکر کیا“ یعنی اس نے سوچا اپنے دل میں اندازہ لگایا۔

(2) ﴿وَقَدَّرَ﴾ ”اور بات بنائی“ اور اپنے دل میں غور کیا کہ ایسی بات کہے جس سے قرآن کو غلط ثابت کر سکے۔

﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾

”پس ہلاک ہوا! اُس نے کیسی بات بنائی“ (19)

سوال: ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ ”پس ہلاک ہوا! اُس نے کیسی بات بنائی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ ”پس ہلاک ہوا! اُس نے کیسی بات بنائی“ کیونکہ اس نے ایسی تجویز سوچی جو اس کی حدود میں

نہیں، اس نے ایسے معاملے میں ہاتھ ڈالا جو اس کی اور اس جیسے دوسرے لوگوں کی پہنچ میں نہیں۔ (تیسرے حصے: 2869, 2870/3)

(2) صاف معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن مغیرہ پر قرآن کی حقیقت پوری طرح واضح ہو چکی تھی۔ اب وہ جو کچھ پینترے بدل رہا تھا محض اپنے اقتدار

اور جاہ کو محفوظ رکھنے کی خاطر کر رہا تھا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کی اسی ہٹ دھرمی اور کج فکری کا نقشہ پیش کیا ہے۔ (تیسرا حصہ: 550/4)

﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾

”وہ پھر ہلاک ہوا! اُس نے کیسی بات بنائی؟“ (20)

سوال: ﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ ”وہ پھر ہلاک ہوا! اُس نے کیسی بات بنائی؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ﴾ ”وہ پھر ہلاک ہوا! اس نے کیسی بات بنائی“ اللہ تعالیٰ نے اس پر دوبارہ لعنت کی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی مار ہو اس نے کیسی بات بنائی؟

﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾

”پھر اُس نے دیکھا“ (21)

سوال: ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ ”پھر اُس نے دیکھا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ نَظَرَ﴾ ”پھر اُس نے دیکھا“ یعنی اس نے جو کہا اس پر دوبارہ غور و فکر کیا۔ (2) اور یہ کہا گیا کہ اس نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ (المجرم: 10/330)

﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ﴾

”پھر تیوری چڑھائی اور برامہ بنایا“ (22)

سوال: ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ﴾ ”پھر تیوری چڑھائی اور برامہ بنایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ﴾ ”پھر تیوری چڑھائی اور برامہ بنایا“ یعنی اس نے تیوری چڑھا کر، چہرے کے تاثرات کو بگاڑ کر حق سے نفرت کا اظہار کیا۔ (2) اس نے حق سے ہٹ کر غرور کا اظہار کیا۔

﴿ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾

”پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر کیا“ (23)

سوال: ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ﴾ ”پھر اس نے پیٹھ پھیری اور تکبر کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ﴾ ”پھر اس نے پیٹھ پھیری“ یعنی اس نے حق سے منہ موڑا اور اپنے گھر والوں کی طرف چل دیا۔ (فتح القدر: 5/401)
(2) ﴿وَاسْتَكْبَرَ﴾ ”اور تکبر کیا“ یعنی ایمان اور اتباع رسول ﷺ سے تکبر کا اظہار کیا۔

﴿فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ﴾

”پھر کہا: ”یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو پہلے نقل کیا جاتا ہے“ (24)

سوال: ﴿فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ﴾ ”پھر کہا: ”یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو پہلے نقل کیا جاتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ﴾ ”پھر کہا: ”یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو ہے جو پہلے نقل کیا جاتا ہے“ ولید نے کہا یہ قرآن تو نقل

کیا ہوا جادو ہے۔ (2) یعنی یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسانوں میں سے سب سے جھوٹے جادوگر کا کلام ہے۔

﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾

”یہ تو بس ایک انسان کا کلام ہے“ (25)

سوال: ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ ”یہ تو بس ایک انسان کا کلام ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ ”یہ تو بس ایک انسان کا کلام ہے“ ولید نے کہا کہ قرآن انسانی کلام ہے اور انسانوں میں سے بھی سب سے جھوٹے اور شریر جادوگر کا کلام ہے۔

(2) کسی انسان کا ضمیر یہ کیسے تصور کر سکتا ہے کہ وہ کلام جو سب سے عظیم ہے، محتاج اور ناقص مخلوق سے ملتا جلتا ہے۔

﴿سَأْصَلِّيهِ سَقَرٌ﴾

”جلد ہی میں اُسے دوزخ میں داخل کروں گا“ (26)

سوال: ﴿سَأْصَلِّيهِ سَقَرٌ﴾ ”جلد ہی میں اُسے دوزخ میں داخل کروں گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿سَأْصَلِّيهِ سَقَرٌ﴾ ”جلد ہی میں اُسے دوزخ میں داخل کروں گا“ یعنی عنقریب ہم اس کو بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کرنے والے ہیں۔ (2) سقر جنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ﴾

”اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے؟“ (27)

سوال: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ﴾ ”اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ﴾ ”اور تمہیں کس نے خبر دی کہ وہ دوزخ کیا ہے“ یعنی آپ کو خبر نہیں ہے کہ سقر کیا ہے؟ (2) آپ کو کیا معلوم کہ وہ کتنی عظیم آگ ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالَّذِينَ نَسَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۗ كَلَّمْنَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلَهُمْ جُلُودًا ۗ غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ”بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ (النساء: 56)

﴿لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ﴾

”نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی“ (28)

سوال: ﴿لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ﴾ ”نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ﴾ ”نہ وہ باقی رکھے گی اور نہ وہ چھوڑے گی“ یعنی وہ نہ گوشت چھوڑے نہ پٹھے۔ ہر چیز کو برباد کر دے۔
(2) یعنی نہ زندہ چھوڑے اور نہ مار ڈالے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَمَنْ لَا يَمُوتُ فَيُهَا وَلَا يَحْيَى﴾ ”پھر اُس میں نہ وہ مرے گا اور نہ جیے گا۔“ (الاحقاف: 13) (3) یعنی جہنم کوئی ایسی سختی نہیں چھوڑے گی جو عذاب دیے جانے والے کو نہ پہنچے۔

﴿لَوْ اِحْتِ لِّلْبَشْرِ﴾

”کھال کو جھلسا دینے والی ہے“ (29)

سوال: ﴿لَوْ اِحْتِ لِّلْبَشْرِ﴾ ”کھال کو جھلسا دینے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَوْ اِحْتِ لِّلْبَشْرِ﴾ ”کھال کو جھلسا دینے والی ہے“ یعنی جلد کو پھونک کر رکھ دے گی۔ اندر سے گوشت نظر آئے گا پھر اسے بھی پھونک دے گی یہاں تک کہ ہڈیاں جلا دے گی۔
(2) یا کھال کو جھلس کر رات کی سیاہی کی طرح سیاہ فام کر دے گی، کوئلہ بنا کر چھوڑے گی اور کھال ادھیڑ کر رکھ دے گی۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2150)

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾

”اُس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں“ (30)

سوال: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ ”اُس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ ”اُس پر انیس (فرشتے) مقرر ہیں“ یعنی جہنم پر انیس فرشتے داروغوں کے طور پر متعین ہیں جو نہایت سخت اور درشت خو ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جو حکم دیتا ہے وہ نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ (تفسیر صدی: 3/2870)
(2) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ کچھ یہودیوں نے بعض صحابہ سے پوچھا: کیا تمہارا نبی جانتا ہے کہ جہنم کے نگراں کتنے ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے مگر پوچھ کر جان لیں گے، اسی دوران ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا، کہا: اے محمد! آج تو تمہارے ساتھی ہار گئے، آپ ﷺ نے پوچھا: ”کیسے ہار گئے؟“ اس نے کہا: یہود نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا نبی جانتا ہے کہ جہنم کے نگراں کتنے ہیں؟ آپ ﷺ نے پوچھا: ”انہوں نے کیا جواب دیا؟“ اس نے کہا: انہوں نے کہا: ہمیں نہیں معلوم، ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھ کر بتا سکتے

ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ”کیا وہ قوم ہاری ہوئی مانی جاتی ہے جس سے ایسی چیز پوچھی گئی ہو جسے وہ نہ جانتی ہو اور انہوں نے کہا ہو کہ ہم نہیں جانتے جب تک کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ نہ لیں؟“ (اس میں ہارنے کی کوئی بات نہیں ہے) البتہ ان لوگوں نے تو اس سے بڑھ کر بے ادبی و گستاخی کی بات کی، جنہوں نے اپنے نبی سے یہ سوال کیا کہ ہمیں اللہ کو کھلے طور پر دکھا دو، آپ نے فرمایا: ”اللہ کے ان دشمنوں کو ہمارے سامنے لاؤ میں ان سے جنت کی مٹی کے بارے میں پوچھتا ہوں، وہ نرم مٹی ہے،“ جب وہ سب یہودی آگئے تو انہوں نے کہا: اے ابوالقاسم! جہنم کے نگران لوگوں کی کتنی تعداد ہے؟ آپ نے اس طرح ہاتھ سے اشارہ فرمایا: ”ایک مرتبہ دس (انگلیاں دکھائیں) اور ایک مرتبہ نو (کل ۱۹)“ انہوں نے کہا: ہاں، (آپ نے درست فرمایا) اب آپ نے پلٹ کر ان سے پوچھا: ”جنت کی مٹی کا ہے کی ہے؟“ راوی کہتے ہیں: وہ لوگ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر کہنے لگے: ابوالقاسم! وہ روٹی کی ہے، آپ نے فرمایا: ”روٹی میدہ (نرم مٹی) کی ہے“ (ترمذی: 3327)

(3) اس پر 19 داروغہ متعین ہیں جو چوڑے چکے جسم والے اور بے رحم ہیں۔ نہ عذاب دینے سے ٹھکیں، نہ کسی پر ترس کھائیں۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا ۗ لَيْسَتِ يَفْقَهُنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدُّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۗ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَعْلًا ۗ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۗ﴾

﴿وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْبَشَرِ﴾

”اور نہیں بنائے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتے اور ہم نے ان کی تعداد کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنایا ہے جنہوں نے کفر کیا، تا کہ وہ یقین کر لیں جن کو کتاب دی گئی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں اور ایمان والے اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی شک نہ کریں اور تا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفر کرنے والے کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ایسے ہی گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ انسانیت کے لیے سراسر نصیحت ہے“ (31)

سوال 1: ﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً﴾ ”اور نہیں بنائے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً﴾ ”اور نہیں بنائے ہم نے جہنم کے نگران مگر فرشتے“ اللہ تعالیٰ نے جہنم کی دیکھ بال کے لیے فرشتوں کو مقرر کیا ہے جو طاقت ور ہیں۔ (2) اس آیت میں مشرکوں کی مذمت ہے۔

سوال 2: ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَرَدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ ”اور ہم نے اُن کی تعداد کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنایا ہے جنہوں نے کفر کیا، تاکہ وہ یقین کر لیں جن کو کتاب دی گئی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً﴾ ”اور ہم نے اُن کی تعداد کو ان لوگوں کے لیے آزمائش بنایا ہے“ یعنی جنہم کے فرشتوں کی تعداد 19 بتائی گئی ہے تاکہ ہم جان لیں کہ کون تصدیق کرتا ہے اور کون تکذیب کرتا ہے۔

(2) ﴿لِيَسْتَيَقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ ”تاکہ وہ یقین کر لیں جن کو کتاب دی گئی“ یعنی تاکہ وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی اپنی کتاب کے ذریعے جان کر یقین کر لیں کہ قرآن ان کتابوں کی موافقت کرتا ہے۔

(3) کیونکہ اہل کتاب کے پاس جو کچھ ہے، جب قرآن اس کی مطابقت کرے گا تو حق کے بارے میں ان کے یقین میں اضافہ ہوگا۔
(تفسیر سہمی: 3/2870)

(4) ﴿وَيَرَدَّ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے ایمان میں بڑھ جائیں“ یعنی ایمان والے قرآن کریم کو تورات کے موافق پا کر اپنے ایمان میں اضافہ کر لیں۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا مَا أَنْزَلْنَا سُوْرَةً فَرَأَوْهُمْ مِّنْ يَقُولِ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا؟ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَرَأَوْهَا إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ ”اور جب بھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم میں سے کس کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے، سو ان کو ایمان میں اس نے زیادہ کیا ہے اور وہ اس سے بہت خوش ہوتے ہیں“ (البقرہ: 124) ﴿أَلَمْ يَأْتِ الْيَوْمَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ ذُرِّيَّتِهِمُ يَتَوَكَّلُونَ﴾ ”بلاشبہ مومن وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی آیات اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ اُن کو ایمان میں بڑھادیتی ہیں اور وہ اپنے رب پر اعتماد کرتے ہیں۔“ (الانفال: 2)

سوال 3: ﴿وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اور ایمان والے اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی شک نہ کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اور ایمان والے اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی شک نہ کریں“ یعنی یہاں تک کہ وہ کسی شک میں نہ پڑیں اور جان لیں کہ دونوں کتابیں ایک ہی حقیقت پر مبنی ہیں۔

(2) ان جلیل القدر مقاصد کو خردمند لوگ ہی درخور اعتنا سمجھتے ہیں، یعنی یقین میں کوشش، ایمان میں ہر وقت اضافہ، دین کے مسائل میں سے ہر مسئلہ پر ایمان میں اضافہ اور شکوک و ادہام کو دور کرنا جو حق کے بارے میں پیش آتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اپنے رسول پر نازل

کیا ہے، اسے ان مقاصد جلیلہ کو حاصل کرنے کا ذریعہ، سچے اور جھوٹے لوگوں کے درمیان امتیاز کی میزان قرار دیا ہے۔ (تفسیر سہمی: 2870، 2871/3)

سوال 4: ﴿وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ ”اور تاکہ وہ لوگ جن کے

دلوں میں بیماری ہے اور کفر کرنے والے کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ ”اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں

میں بیماری ہے اور کفر کرنے والے کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے“ وہ یہ بات حیرت، شک اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے

کفر کی وجہ سے کہتے ہیں۔ (تفسیر سہمی: 2870، 2871/3)

(2) منافقوں نے یہ بات کہی تھی کہ فرشتوں کی تعداد بیان کرنے کا یہ کون سا موقع ہے؟

سوال 5: ﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اللہ تعالیٰ ایسے ہی گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت

دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اللہ تعالیٰ ایسے ہی گمراہ کر دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت

دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا“ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینا چاہے اسے ہدایت دیتا ہے

اور گمراہ وہی ہوتا ہے جسے وہ گمراہ کر دے۔

(2) اس قسم کی باتوں سے کچھ لوگوں کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اور کچھ لوگ ڈانواؤں میں ہو جاتے ہیں۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَاللَّهُ يَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ ”اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس کے

ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ فاسقوں کے سوا کسی کو گمراہ نہیں کرتا۔“ (البقرہ: 26)

(4) پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت عطا کر دے تو جو کچھ اس نے اپنے رسول پر نازل کیا، اسے اس کے حق میں رحمت اور اس کے دین و ایمان

میں اضافے کا باعث بنا دیتا ہے اور جسے گمراہ کر دے تو جو کچھ اس نے اپنے رسول پر نازل کیا ہے اسے اس کے حق میں ظلمت اور اس کے لیے

بدبختی اور حیرت کا سبب بنا دیتا ہے۔ واجب ہے کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے اسے اطاعت و تسلیم

کے ساتھ قبول کیا جائے۔ (تفسیر سہمی: 2870، 2871/3)

سوال 6: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ﴾ ”اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی

نہیں جانتا۔ اور یہ انسانیت کے لیے سراسر نصیحت ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ﴾ ”اور تیرے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا“ یعنی رب کے بے شمار لشکر ہیں، جن

کی تعداد وہی جانتا ہے۔ (2) فرشتوں اور انسانوں میں سے کوئی بھی رب کے لشکروں کو نہیں جانتا۔

(3) ﴿وَالْأَلْهُو﴾ ”اس کے سوا“ جب تم اللہ کے لشکروں کے بارے میں علم نہیں رکھتے اور اس عظیم علم والے نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے تو تم پر واجب ہے کہ تم اس کی خبر کی کسی شک کے بغیر تصدیق کرو۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حدیث معراج میں ساتویں آسمان کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر بیت المعمور میرے سامنے ظاہر کیا گیا، میں نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے، اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں اور جو ایک مرتبہ نماز پڑھ کر نکل جاتا ہے تو پھر کبھی دوبارہ داخل نہیں ہوتا۔“ (بخاری: 3207)

(5) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان اللہ تعالیٰ کے خوف سے چرچرا رہا ہے اور اسے چرچرا نا ہی چاہیے اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں چار انگل جگہ تقریباً تین انچ ایسی نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی اللہ تعالیٰ کے حضور رکھے سجدہ نہ کر رہا ہو اگر تم وہ باتیں جان لو جو میں جانتا ہوں اور تم ہنتے کم اور روتے زیادہ بیویوں سے تم لطف اندوز نہ ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتے ہوئے میدانوں میں نکل جاتے۔ حدیث کے راوی سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ (ابن ماجہ: 4190)

(6) ﴿وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْمَكْبَرِ﴾ ”اور یہ انسانیت کے لیے سراسر نصیحت ہے“، یعنی نصیحت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں اور اس پر عمل کریں جو چیز انہیں فائدہ دے اور اس کو چھوڑ دیں جو انہیں نقصان دے۔

رکوع نمبر 16

﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ﴾

”ہرگز نہیں! قسم ہے چاند کی!“ (32)

سوال: ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ﴾ ”ہرگز نہیں! قسم ہے چاند کی!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّا وَالْقَمَرِ﴾ ”ہرگز نہیں! قسم ہے چاند کی!“ اللہ تعالیٰ نے چاند کی قسم اس لئے کھائی ہے کہ چاند کے مناظر انسان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں اور انسان پر کئی راز کھلتے ہیں۔ انسان چاندی کے نور میں نہا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احساس اس کو گھیر لیتا ہے۔

(2) چاند اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ، حکمت کاملہ، اس کی بے پایاں رحمت، لامحدود قوت اور اس کے کامل علم پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَالْيَلِ إِذَا دُؤِبِرَ﴾

”اور رات کی! جب وہ جانے لگے“ (33)

سوال: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَأْتِي﴾ ”اور رات کی! جب وہ جانے لگے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَأْتِي﴾ ”اور رات کی! جب وہ جانے لگے“ رات کے جانے کا منظر عجیب ہوتا ہے۔ صبح طلوع ہوتی ہے۔ ایک منظر کا جانا اور دوسرے منظر کا آنا انسان کی توجہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ یہ مناظر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدرت کا احساس دلاتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے۔

﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾

”اور قسم ہے صبح کی! جب وہ روشن ہو“ (34)

سوال: ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾ ”اور قسم ہے صبح کی! جب وہ روشن ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ﴾ ”اور قسم ہے صبح کی! جب وہ روشن ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے یہ قسم اس لئے کھائی ہے کہ روشن ہوتی ہوئی صبح انسان کے شعور کو بیدار کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غفلت میں ڈوبے ہوئے انسانوں کو توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

﴿إِنِّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرَى﴾

”یقیناً وہ (دوزخ) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے“ (35)

سوال: ﴿إِنِّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرَى﴾ ”یقیناً وہ (دوزخ) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنِّهَا لِأَحَدَى الْكُبْرَى﴾ ”یقیناً وہ (دوزخ) بڑی چیزوں میں سے ایک ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں کی قسم کھا کر دوزخ کی بڑائی اور ہولناکی کو بیان کیا ہے اور ان کائناتی مناظر کی طرف توجہ کرنے سے انسان کے دل میں دوزخ کے بارے میں شک نہیں رہ جاتا۔ (2) اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی آگ کے بارے میں واضح فرمایا ہے کہ اس کی آگ بڑی عظیم ہے۔

(3) یعنی بے شک جہنم کی آگ ایک بہت بڑی مصیبت اور غم میں مبتلا کر دینے والا معاملہ ہے۔ پس جب ہم نے تمہیں اس کے بارے میں خبردار کر دیا اور تم اس کے بارے میں پوری بصیرت رکھتے ہو، تب تم میں سے جو چاہے آگے بڑھے اور ایسے عمل کرنے جو اسے اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا کے قریب کرتے ہیں اور اس کے اکرام و تکریم کے گھرتک پہنچاتے ہیں یا وہ اس مقصد سے پیچھے ہٹ جائے جس کے لیے اس کو تخلیق کیا گیا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہے اور نافرمانی کے کام کرے جو جہنم کے قریب کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنِّي وَمَنْ يَشَاءْ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ يَشَاءْ فَلْيُكْفَرْ﴾ اور کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ پھر جو چاہے تو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے تو وہ کفر کرے۔“ (سورہ الکہف: 29) (تفسیر سہمی: 3/2872، 2873)

﴿نَذِيرًا لِلْبَشَرِ﴾

”بشر کے لیے ڈرانے والی ہے“ (36)

سوال: ﴿نَذِيرًا لِلْبَشَرِ﴾ ”بشر کے لیے ڈرانے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿نَذِيرًا لِلْبَشَرِ﴾ ”بشر کے لیے ڈرانے والی ہے“ یعنی انسان کو چوکنا کرنے والی آگ ہے۔

﴿لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ﴾

”تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو آگے بڑھے یا پیچھے ہے“ (37)

سوال: ﴿لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ﴾ ”تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو آگے بڑھے یا پیچھے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ﴾ ”تم میں سے ہر اس شخص کے لیے“ یعنی اے لوگوں جو تم میں سے چاہے۔

(2) ﴿أَنْ يَتَقَدَّمَ﴾ ”کہ آگے بڑھے“ یعنی اطاعت کرے۔ (3) ﴿أَوْ يَتَأَخَّرَ﴾ ”یا پیچھے ہے“ یا نافرمانی کرے۔ (ایضاً تفسیر: 1698)

(4) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا

أَحَاطَ بِهَمَّ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَعِينُوا يُوَاعِزُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ طَبِئْسَ الْمَكْرُابُ ط وَسَاءَ مَا مَرَّ تَفَقُّا﴾

”اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔ یقیناً ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی لپٹیں انہیں گہرے میں لے چکی ہیں اور اگر وہ پانی مانگیں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے

جیسا پانی دیا جائے گا جو چہروں کو بھون ڈالے گا، بڑا ہی برا مشروب ہے اور بہت ہی بری آرام گاہ ہے۔“ (الکہف: 29)

(5) ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ﴾ ”اور بلاشبہ یقیناً ہم نے جان لیا جو تم میں سے بہت

آگے جانے والے ہیں اور بلاشبہ یقیناً ہم نے جان لیا جو بہت پیچھے آنے والے ہیں“ (البحر: 24) جو شخص اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کے راستے میں چلنا چاہے چلے اور جو حق سے پڑھ موڑنا چاہے موڑ لے۔

﴿كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾

”ہر شخص اس کے بدلے میں گروی ہے جو اس نے کمایا“ (38)

سوال: ﴿كُلُّ نَفْسٍ مِمَّا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ ”ہر شخص اس کے بدلے میں گروی ہے جو اس نے کمایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُّ نَفْسٍ﴾ ”ہر شخص“ یعنی قیامت کے دن ہر شخص۔

(2) ﴿بِمَا كَسَبَتْ رَهِيئَةً﴾ ”اس کے بدلے میں گروی ہے جو اس نے کمایا۔“ اپنے اعمال شر اور برے اعمال کے بدلے گروی ہے۔

(3) یعنی اس کی گردن جکڑی ہوئی ہے اور اس کی گردن میں طوق ڈالا ہوا ہے جس کی وجہ سے عذاب اس پر واجب ہو گیا ہے۔

(4) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِّنْ

عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ طُكِّلَ أَمْرِي﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد جو ایمان کے ساتھ ان کے پیچھے

چلی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل میں سے کچھ بھی کمی نہ کریں گے۔ ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے

کمایا گروی رکھا ہوا ہے۔“ (الطور: 21)

(5) سیدنا ابوما لک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”طہارت نصف ایمان کے برابر ہے اور الحمد للہ میزان عدل کو بھر

دے گا۔ اور سبحان اللہ اور الحمد للہ سے زمین و آسمان کی درمیانی فضا بھر جائے گی اور نماز نور ہے اور صدقہ دلیل ہے اور صبر روشنی ہے اور قرآن

تیرے لیے حجت ہوگا یا تیرے خلاف ہوگا ہر شخص صبح کو اٹھتا ہے اپنے نفس کو فروخت کرنے والا ہے یا اس کو آزاد کرنے والا ہے۔“ (مسلم: 534)

﴿إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ﴾

”مگر دائیں بازو والے“ (39)

سوال: ﴿إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ﴾ ”مگر دائیں بازو والے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ﴾ ”مگر دائیں بازو والے“ یعنی مومن آگ سے نجات پائیں گے اور وہ نعمت بھری جنتوں میں ہوں

گے کیونکہ وہ اپنے اعمال کے بدلے میں گروی نہیں ہوں گے بلکہ خوش و خرم اور شاداں و فرحاں ہوں گے۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاصْحَابَ الْيَمِينِ﴾ ”مَا أَصْحَابَ الْيَمِينِ“ (۱) ﴿فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ﴾ (۲) ﴿وَوَطْحٍ مَّنْضُودٍ﴾ (۳) ﴿وَ

ظِلِّ مُمْدُودٍ﴾ (۴) ﴿وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ﴾ (۵) ﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ﴾ (۶) ﴿لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ﴾ (۷) ﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ (۸) ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ

إِنْشَاءً﴾ (۹) ﴿فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ (۱۰) ﴿عُرْبًا أَثْرَابًا﴾ (۱۱) ﴿لِاصْحَابِ الْيَمِينِ﴾ (۱۲) ﴿ثَلَاثَةٌ مِّنَ الْأُولَئِينَ﴾ (۱۳) ﴿وَأُولَىٰ مِّنَ الْآخِرِينَ﴾ (۱۴) ”اور

دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے! وہ بیویوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں۔ اور تہ بہ تہ لگے ہوئے

کیلوں میں ہوں گے۔ اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں۔ اور ایسے پانی میں جو گرایا جا رہا ہے۔ اور کثیر پھلوں میں۔ نہ ختم ہونے والے اور نہ روک

دیے جانے والے۔ اور بلند مندوں میں۔ بلاشبہ ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا ہے۔ پس ہم نے انہیں کنواریاں بنایا ہے۔ شوہر کی

محبوب، ان کی ہم عمر ہیں۔ دائیں ہاتھ والوں کے لیے ہوں گی۔ پہلے لوگوں میں سے ایک بڑا گروہ ہے۔ اور پچھلے لوگوں میں سے بھی ایک

بڑا گروہ ہے۔“ (الواقعة: 27، 40)

﴿فِي جَنَّاتٍ يَكْتَسَاءَ لُونٌ﴾

”جنتوں میں سوال کریں گے“ (40)

سوال: ﴿فِي جَنَّاتٍ يَكْتَسَاءَ لُونٌ﴾ ”جنتوں میں سوال کریں گے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فِي جَنَّاتٍ يَكْتَسَاءَ لُونٌ﴾ ”جنتوں میں سوال کریں گے“ اصحاب الیمین کو جنت میں تمام نعمتیں حاصل ہوں گی۔ وہ جنت کے بالا خانوں میں ہوں گے اور وہاں سے جہنمیوں کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر پوچھیں گے۔
 (2) یعنی جنت کے اندران کو تمام چیزیں حاصل ہوں گی جن کی وہ طلب کریں گے، ان کے لیے کامل راحت وطمینان ہوگا، وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال کریں گے، وہ آپس کی بات چیت میں مجرموں کے بارے میں پوچھیں گے کہ وہ کس حال کو پہنچے ہیں، کیا انھوں نے وہ کچھ پالیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا؟ (تفسیر سعدی: 3/2873)

﴿عَنِ الْمُجْرِمِينَ﴾

”مجرموں سے“ (41)

سوال: ﴿عَنِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”مجرموں سے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: ﴿عَنِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”مجرموں سے“ مجرموں سے مراد دوزخ والے ہیں۔

﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ﴾

”تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا؟“ (42)

سوال: ﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ﴾ ”تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا؟“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿مَا سَأَلَكُمْ فِي سَقَرٍ﴾ ”تمہیں کس چیز نے دوزخ میں داخل کیا؟“ پھر وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم انہیں جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو؟ وہ ان کو جھانک کر دیکھیں گے تو انہیں جہنم کے درمیان اس حال میں پائیں گے کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہوگا تو وہ ان سے کہیں گے: یعنی کس چیز نے تمہیں جہنم میں ڈالا ہے اور کس گناہ کے سبب سے تم جہنم کے مستحق قرار پائے ہو؟ (تفسیر سعدی: 3/2873)
 (2) اس سے مراد ہے کہ کس عمل نے تمہیں دوزخ کا مستحق بنا دیا۔ (3) یعنی تم اس بدترین اور وہشتناک جگہ کیسے آن پہنچے؟

﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصْلُوبِينَ﴾

”وہ کہیں گے: ”ہم نماز ادا کرنے والوں میں سے نہ تھے“ (43)

سوال: ﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ﴾ ”وہ کہیں گے: ”ہم نماز ادا کرنے والوں میں سے نہ تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمَصَلِّينَ﴾ ”وہ کہیں گے: ”ہم نماز ادا کرنے والوں میں سے نہ تھے۔“ یعنی ہم اپنے پیدا کرنے والے کے لیے بھی مخلص نہیں تھے۔ اس کی عبادت نہیں کرتے تھے۔

(2) وہ جواب دیں گے کہ ہم نے دنیا میں رب کی عبادت سے جی چرایا تھا۔ نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔

(3) سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو صبح ہونے تک سویا رہا ہوتا آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ شخص ہے جس کے کانوں (یا کہا کہ کان) میں شیطان پیشاب کر جاتا ہے۔“ (بخاری: 1144)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے سر کے پیچھے رات میں سوتے وقت تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ افسوس پھونک دیتا ہے کہ سو جا ابھی رات بہت باقی ہے پھر اگر کوئی بیدار ہو کر اللہ کو یاد کرنے لگا تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے۔ پھر اگر نماز (فرض یا نفل) پڑھے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے اس طرح صبح کے وقت آدمی چاک و چوبند خوش مزاج رہتا ہے، ورنہ سست اور بد باطن رہتا ہے۔ (بخاری: 1142)

(5) سیدنا سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، ان سے نبی کریم ﷺ نے خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا وہ قرآن کا حافظ تھا مگر وہ قرآن سے غافل ہو گیا تھا اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جایا کرتا تھا۔ (بخاری: 1143)

(6) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم کی گئی ہے۔ اول گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ (صحیح بخاری: 8)

(7) سیدنا بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے (خدا کا یہ) حکم ہوا ہے کہ لوگوں (کافروں) سے اس وقت تک لڑو جب تک وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور نماز درستی سے ادا کریں اور زکوٰۃ دیں جب وہ یہ کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے چنانوں اور اپنے مالوں کو مجھ سے بچا لیا مگر اسلام کے حق سے اور ان (کے دلوں کی باتوں) کا حساب اللہ پر رہے گا۔ (صحیح بخاری: 22) (8) سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مومن آدمی اور شرک و کفر کے درمیان (فرق) نماز کا چھوڑنا ہے۔“ (مسلم: 82)

﴿وَلَمْ نَكُ نَطْعُمُ الْمَسْكِينِ﴾

”اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے“ (44)

سوال: ﴿وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمَسْكِينِ﴾ ”اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَمْ نَكُ نَطْعِمُ الْمَسْكِينِ﴾ ”اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے“ یعنی مالی عبادت سے بھی جی چراتے تھے۔

(2) ہمیں اپنے جیسوں پر ترس نہیں آتا تھا۔ ان کے دکھوں کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ مال پیارا تھا۔ ہم نے کبھی غریبوں

کو وہ کھانا کپڑا نہیں دیا تھا اور نہ کبھی ان کی ضروریات کا خیال رکھا تھا۔ (مختصر ابن کثیر: 2152, 2153)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ (۸) اِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا لِرَيْدٍ

مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا (۹) اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمَ عَبُوسًا قَتَطِيرًا (۱۰) فَوَقَّهْمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمَ نَصْرًا

وَأَسْرًا (۱۱) ”اور وہ باوجود اس (کھانے) کی محبت کے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یقیناً ہم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے

لئے تمہیں کھلاتے ہیں اور نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر یہ بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو سخت منہ

چڑھانے والا، تیوری چڑھانے والا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے۔“

(الدر: 8, 11)

(4) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آدمی نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کونسا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا یہ کہ تم

کھانا کھلاؤ اور جس کو پچاؤ اس کو بھی اور جس کو نہ پچاؤ اس کو بھی الغرض سب کو سلام کرو۔ (بخاری: 12)

﴿وَكُنَّا نَخْوُضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾

”اور ہم فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ فضول بحث کرتے تھے“ (45)

سوال: ﴿وَكُنَّا نَخْوُضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾ ”اور ہم فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ فضول بحث کرتے تھے“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿وَكُنَّا نَخْوُضُ مَعَ الْخَائِضِينَ﴾ ”اور ہم فضول بحث کرنے والوں کے ساتھ فضول بحث کرتے تھے“ یعنی جس سے اللہ

تعالیٰ نے نفرت کی وہ کام کرتے رہے۔ جو جی میں آتا رہا زبان سے کہتے رہے۔

(2) باطل کے ذریعے سے حق کے خلاف جھگڑے کرتے رہے۔ (3) احکام شریعت کا مذاق اڑاتے رہے۔ اور ہر گراہ کے پیچھے لگے رہے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخْوُضُ وَنَلْعَبُ طَقُلْ اَبَالِدِهِ وَآلِيَتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ

تَسْتَهْزِءُونَ (۵) لَا تَعْتَدِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَعَفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوا

مُجْرِمِينَ﴾ ”اور یقیناً اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ درحقیقت بس یونہی ہم ہنس بول رہے تھے اور دل لگی کر رہے تھے۔“

آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ سے اور اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کر رہے تھے؟ بہانے مت بناؤ، بلاشبہ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو ایک گروہ کو ہم ضرور عذاب دیں گے، اس وجہ سے کہ یقیناً وہ مجرم تھے۔“ (التوبہ: 66، 65)

(5) ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمٍ يَكْفِيهِمْ فِي حَوْضٍ يُلْعَبُونَ﴾ (۱۱) ”چنانچہ اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے بڑی تباہی ہے۔ جو فضول بحث میں اچھل کود رہے ہیں۔“ (الطور: 11، 12)

﴿وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾

”اور ہم جزا کے دن کو جھٹلاتے تھے“ (46)

سوال: ﴿وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ ”اور ہم جزا کے دن کو جھٹلاتے تھے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَكُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ ”اور ہم جزا کے دن کو جھٹلاتے تھے“ یعنی جزا سزا کے دن کو جھٹلاتے رہے، نہ ثواب کی تصدیق کی، نہ عذاب کی۔

(2) یہ باطل میں مشغول ہونے کا اثر ہے اور وہ ہے تکذیب حق۔ سب سے بڑے حق میں سے قیامت کا دن ہے جو اعمال کی جزا و سزا، اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور تمام مخلوق کے لیے اس کے عدل پر مبنی فیصلے کا محل ہے۔ ہمارا عمل اسی باطل نیچ پر جاری رہا۔ (تیسرے حصے: 2873/3)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُكْذِبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾ (۱۱) وَمَا يُكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۱﴾ ”جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔ اور اُسے نہیں جھٹلاتا مگر ہر وہ شخص جو حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار ہے۔“ (المطففين: 11، 12)

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (حدیث جبریل علیہ السلام میں) ایمان کی تعریف یہ فرمائی: ”ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور یومِ آخرت پر ایمان لاؤ اور تقدیر پر، خواہ اچھی ہو یا بری ایمان لاؤ۔“ (بخاری: 50)

(5) ﴿يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِبِرِّكَ الْكَرِيمِ﴾ (۱) الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿۲﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿۳﴾ كَلَّا بَلْ تُكْذِبُونَ بِالَّذِينَ ﴿۴﴾ ”اے انسان! اپنے رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا؟ جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر تجھے درست بنایا، پھر تجھے برابر کیا۔ جس صورت میں اُس نے چاہا تجھے جوڑ دیا۔ ہرگز نہیں! بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو۔“ (الغفار: 6، 9)

﴿حَتَّىٰ آتَنَا الْيَقِينَ﴾

”حتیٰ کہ ہم پر موت آگئی“ (47)

سوال: ﴿حَتَّىٰ آتَنَا الْيَقِينَ﴾ ”حتیٰ کہ ہم پر موت آگئی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”حتیٰ کہ ہم پر موت آگئی“ یہاں تک کہ یقینی موت آگئی۔

(2) جب کفر کی حالت میں مر گئے تو امید کا دروازہ بند ہو گیا۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ﴾ ”اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آجائے“ (المجر: 9)

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾

”چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش اُن کو کوئی نفع نہ دے گی“ (48)

سوال: ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ ”چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش اُن کو کوئی نفع نہ دے گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ ”چنانچہ سفارش کرنے والوں کی سفارش اُن کو کوئی نفع نہ دے گی“ گناہ گار اہل توحید کی شفاعت ہوگی۔ ان کو شفاعت فائدہ دے گی۔ مگر وہ ان لوگوں میں سے نہیں ہونگے۔

(2) کیونکہ وہ صرف اسی کی سفارش کریں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور یہ ایسے لوگ ہیں جن کے اعمال سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔ (تفسیر سہمی: 3/2873)

﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذٰكِرَةِ مُعْرِضِينَ﴾

”تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں؟“ (49)

سوال: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذٰكِرَةِ مُعْرِضِينَ﴾ ”تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذٰكِرَةِ مُعْرِضِينَ﴾ ”تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑنے والے ہیں؟“ یعنی وہ قرآن سے منہ موڑنے والے ہیں۔ (2) کافر قرآن اور توحید کی دعوت سے منہ موڑ لیتے ہیں آخر اس کا سبب کیا ہے۔

﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾

”گویا کہ وہ بدکنے والے جنگلی گدھے ہیں“ (50)

سوال: ﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ﴾ ”گویا کہ وہ بدکنے والے جنگلی گدھے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ﴾ ”گویا کہ وہ بدکنے والے جنگلی گدھے ہیں“ یعنی وہ نصیحت سے اتنی نفرت کرتے ہیں گویا کہ شیر سے بدکنے ہوئے جنگلی گدھے ہیں۔ (2) ایک دوسرے سے بدکنے کی وجہ سے وہ تیز بھاگنے لگے ہیں۔ یہ حق سے اس کی نصیحت سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ وہ اس سے منہ موڑنے میں گدھوں کی طرح ہو گئے ہیں۔

﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾

”جوشیر سے بھاگے ہیں“ (51)

سوال: ﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ ”جوشیر سے بھاگے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ﴾ ”جوشیر سے بھاگے ہیں“ یعنی حق کی نصیحت سے منہ موڑنے میں ان کے دلوں کی یہ حالت ہے کہ وہ ڈر کر ایسے بھاگتے ہیں جیسے شکاری شیر سے گدھے بھاگتے ہیں۔

(2) جو کسی شکاری یا کسی تیر انداز سے، جو ان کو نشانے میں لینے کا ارادہ رکھتا ہو یا کسی شیر وغیرہ سے، ڈر کر بھاگے ہیں۔ (تفسیر رحمہ: 2874/3)

﴿بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحُفًا مُنَشَّرَةً﴾

”بلکہ ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں“ (52)

سوال: ﴿بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتِي صُحُفًا مُنَشَّرَةً﴾ ”بلکہ ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ”بلکہ ان میں سے ہر آدمی چاہتا ہے کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے دیے جائیں“ یعنی مشرک کی یہ تمنا ہے کہ اسے بھی کتاب دے دی جائے جیسے نبی ﷺ کو دی گئی۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِحَتَّىٰ نُؤْتِي مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ لَسِيصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارًا ۗ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ لِّمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ ”اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے یہاں تک کہ ہمیں بھی اُس جیسا دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے جہاں وہ اپنی رسالت رکھتا ہے، جن لوگوں نے جرم کیے جلد ہی انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ذلت اور سخت عذاب پہنچے گا اس وجہ سے کہ وہ مکر فریب کرتے تھے۔“ (الانعام: 124)

(2) یہ حق سے سب سے بڑی نفرت ہے۔ (تفسیر رحمہ: 2874/3)

(3) یعنی جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پر ایمان لانے کی دعوت آتی ہے تو نہیں مانتے اور مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم پر بھی ایسی کتابیں نازل کی جائیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔

﴿كَلَّا ط بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ﴾

”ہرگز نہیں! بلکہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے“ (53)

سوال: ﴿كَلَّا ط بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿كَلَّا﴾ ہرگز نہیں یعنی ان کی آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی۔

(2) ﴿بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف نہیں رکھتے اس لیے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

﴿كَلَّا إِنَّهُ تَذَكَّرٌ﴾

”ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے“ (54)

سوال: ﴿كَلَّا إِنَّهُ تَذَكَّرٌ﴾ ”ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے۔“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ”ہرگز نہیں! بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے۔“ یعنی وہ تو نصیحت اور عبرت ہے۔

(2) یعنی یہ سورت نصیحت ہے۔ (3) ابن کثیر کہتے ہیں حق یہ ہے کہ قرآن نصیحت ہے

﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ﴾

”تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے“ (55)

سوال: ﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ﴾ ”تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَمَنْ شَاءَ ذَكَّرْهُ﴾ ”تو جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔“ اب جو چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کر لے۔

(2) اللہ تعالیٰ نے اس کے سامنے سیدھے راستے کو کھول کر بیان کر دیا اور اس کے سامنے دلیل واضح کر دی۔ (تفسیر سہمی: 3: 287/4)

﴿وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾

”اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، وہی اس کا اہل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس

اہل ہے کہ بخش دے“ (56)

سوال: ﴿وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ ”اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، وہی اس کا اہل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس اہل ہے کہ بخش دے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا يَدْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ اور وہ نصیحت حاصل نہیں کریں گے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے کوئی نصیحت بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔“ (الدر: 30)

(2) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سب پر نافذ ہے، کوئی قلیل یا کثیر حادثہ اس کی مشیت سے باہر نہیں۔ اس آیت میں قدریہ کا رد ہے جو بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل نہیں کرتے، نیز اس میں جبریہ کا بھی رد ہے جن کا زعم ہے کہ بندے کی کوئی مشیت ہے نہ حقیقت میں اس کا کوئی فعل ہے وہ تو اپنے افعال پر مجبور محض ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے مشیت اور فعل کا اثبات کیا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ (تفسیر سہلی: 2874/3)

(3) قرآن مجید اسی کے لیے نصیحت بتا ہے جس کے لئے رب العزت چاہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔“ (الہود: 29)

(4) ﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى﴾ وہی اس کا اہل ہے کہ اس سے ڈرا جائے، اللہ تعالیٰ کی کتاب سے متقی ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ وہ اس کی عظیم سلطنت اور اس کے عذاب الیم کو جانتے ہیں۔

(5) ﴿وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ اور وہی اس اہل ہے کہ بخش دے، وہ اپنے توحید پرست بندوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔

(6) یعنی وہ اس کا اہل ہے کہ اس سے تقویٰ اختیار کیا جائے اور اس کی عبادت کی جائے کیونکہ وہی معبود ہے، عبادت صرف اسی کے لائق ہے۔ وہ اس کا بھی اہل ہے کہ جو کوئی اس سے ڈرے اور اس کی رضا کی اتباع کرے، وہ اس کو بخش دے۔ (تفسیر سہلی: 2874/3)

(7) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ ﴿هُوَ أَهْلُ التَّقْوَى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ﴾ وہی (اللہ) ہے جس سے ڈرنا چاہیے، اور وہی مغفرت کرنے والا ہے“ (الدر: ۵۶) کے بارے میں فرمایا: اللہ عزوجل کہتا ہے کہ میں اس کا اہل اور سزاوار ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے، تو جو مجھ سے ڈرا اور میرے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرایا تو مجھے لائق ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ (فی: 3328)

(8) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار بلند برکت والا ہر رات کو اس وقت آسمان دنیا پر آتا ہے جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کوئی مجھ سے دعا کرنے والا ہے کہ میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی مجھ سے مانگنے والا ہے کہ میں اسے دوں کوئی مجھ سے بخشش طلب کرنے والا ہے کہ میں اس کو بخش دوں؟ (بخاری: 1145)

﴿۵﴾ سُورَةُ الْقِيَامَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۱ ﴿﴾ ﴿۲﴾ مَرْكُوعَاتُهَا ۲ ﴿﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس میں کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اس میں دو رکوع اور 40 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے یہ 75 ویں سورت ہے اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر 31 ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے انہوں نے فرمایا: جو شخص قیامت کے بارے میں سوال کرے یا ارادہ رکھے کہ وہ اس کے واقع ہونے کی حقیقت کو سمجھے تو وہ اس سورت کو پڑھے۔ (المحرابوچ: 401/5)

(2) سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ کہتے ہیں قیامت قیامت۔ بندے کی قیامت تو اس کی موت ہے۔ (المحرابوچ: 401/5)

(3) سیدنا ابن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کا جنازہ لایا گیا تو انہوں نے کہا: اس کی قیامت قائم ہوگئی۔ اسی طرح عاقلہ سے روایت ہے۔ (المحرابوچ: 401/5)

رکوع نمبر 17



﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾

”نہیں میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!“ (1)

سوال 1: ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”نہیں میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”نہیں میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی!“ رب العزت نے قیامت کی قسم کھائی ہے۔ جب قیامت آئے گی ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ پھر رب العزت کے حکم سے حضرت اسرافیل دوبارہ صور پھونکیں گے تو سب لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا کیا جائے گا۔ اس وقت سب لوگ اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔

﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَاۡمَةِ﴾

اور میں قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی! (2)

سوال: ﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَاۡمَةِ﴾ ”اور قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی!“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللّٰوَاۡمَةِ﴾ ”اور قسم کھاتا ہوں بہت ملامت کرنے والے نفس کی!“، نفس لواۡمہ مؤمن کا نفس ہے

کیونکہ وہ اپنے نفس کو ملامت کرتا ہی رہتا ہے کہ یہ بات کیوں کہی؟ یہ نوالہ کیوں کھایا؟ یہ خیال دل میں کیوں آیا؟ اور کافر دردمندانہ اقدام اٹھاتا چلا جاتا ہے وہ کیوں اپنی خواہش کو دباے؟ (سراج المیر: 2154/2)

(2) اس سے مراد تمام نیک اور بد نفوس ہیں۔ نفس کو اس کے کثرت تردد، اسے ملامت کرنے اور اپنے احوال میں سے کسی حال پر بھی اس کے عدم ثبات کی بنا پر (کو ائمۃ) سے موسوم کیا گیا ہے، نیز اس بنا پر اس کو (کو ائمۃ) کہا گیا ہے کہ یہ موت کے وقت انسان کو اس کے افعال پر ملامت کرے گا مگر مومن کا نفس اسے دنیا ہی میں اس کو تباہی، تفسیر اور غفلت پر ملامت کرتا ہے جو حقوق میں سے کسی حق کے بارے میں اس سے ہوتی ہے۔ (تفسیر سہی: 2875/3)

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُجْمَعَ عِظَامُهُ﴾

”کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے؟“ (3)

سوال 1: ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُجْمَعَ عِظَامُهُ﴾ ”کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُجْمَعَ عِظَامُهُ﴾ ”کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے“ یعنی کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کے بکھرے اجزا کو زندہ کرنے اور جمع کرنے پر قدرت نہیں رکھیں گے؟ (2) انسان کا ہر دور میں یہ مسئلہ رہا ہے وہ اپنی جہالت کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اندازہ نہیں لگا پاتا اور دوبارہ زندہ ہونے کو بعید سمجھتا ہے۔ (3) عاص بن وائل السہمی قبر سے ہڈیوں کو نکال کر لایا اور کہنے لگا: محمد ﷺ! تم کہتے ہو کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا تو لو انہیں زندہ کر کے دکھاؤ۔ اس پر رب العزت نے فرمایا: ﴿قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ﴾ اس نے کہا کہ اُن ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا حالانکہ وہ بوسیدہ ہوں گی (س: 78)

(4) ہڈیاں بدن کا سہارا ہیں۔ ہڈیوں کے ڈھانچے پر ہی گوشت چڑھایا جائے گا۔ انسان کتنا ظالم ہے! اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کو بعید سمجھتا ہے۔

﴿بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَعَانَهُ﴾

”کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی پور پور تک کو درست کر دیں“ (4)

سوال 1: ﴿بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَعَانَهُ﴾ ”کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی پور پور تک کو درست کر دیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَنْ نُسَوِّيَ بَعَانَهُ﴾ ”کیوں نہیں! ہم اس پر قادر ہیں کہ اُس کی پور پور تک کو درست کر دیں“ رب العزت

نے اپنے ارشاد کے ذریعے اپنی قدرت کا غلط اندازہ لگانے والوں کی بات کو رد کیا ہے۔ کیوں نہیں ہم ان اجزاء کو جمع کریں گے اور ہم قدرت رکھتے ہیں کہ جوڑ جوڑ اور ذرے ذرے کو درست کر کے زندہ کریں تو جب چھوٹے اور باریک اعضاء کو درست کرنے پر وہ قدرت رکھتا ہے تو بڑی ہڈیوں کے ساتھ کیا ہوگا؟

(2) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں وہ کسی دلیل کی بنیاد پر نہیں کرتے ان کا ارادہ محض قیامت کو جھٹلانا ہوتا ہے۔

(3) سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پہلی امتوں میں سے ایک آدمی کا ذکر کیا اور فرمایا: ”اللہ نے اسے مال اور اولاد سب کچھ دیا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں تمہارے لیے کیسا باپ ثابت ہوا؟ انہوں نے کہا کہ بہترین باپ۔ اس پر اس نے کہا، لیکن تمہارے باپ نے اللہ کے ہاں کوئی نیکی نہیں کی، اگر اللہ نے مجھے پکڑ لیا تو سخت عذاب دے گا، تو دیکھو کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے جلا دینا، یہاں تک کہ جب میں کوئلہ ہو جاؤں تو اسے خوب پیس لینا اور جس دن تیز آندھی آئے تو اس میں میری یہ راکھ اڑا دینا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس پر اس نے اپنے بیٹوں سے پختہ وعدہ لیا اور اللہ کی قسم! ان لڑکوں نے ایسا ہی کیا، پھر انہوں نے اس کی راکھ کو تیز ہوا کے دن اڑا دیا۔ تو اللہ عزوجل نے ”کن“ (ہوجا) کا لفظ فرمایا تو وہ فوراً ایک آدمی بن کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ نے فرمایا، اے میرے بندے! تجھے کس بات نے اس پر آمادہ کیا کہ تو نے یہ کام کروایا؟ اس نے کہا، تیرے خوف نے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تو اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی سزا نہیں دی، بلکہ اس پر رحم کیا۔“ (بخاری: 7508)

﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ﴾

”بلکہ انسان یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آئندہ بھی نافرمانی کرتا رہے“ (5)

سوال 1: ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ﴾ ”بلکہ انسان یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آئندہ بھی نافرمانی کرتا رہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ﴾ ”بلکہ انسان یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ آئندہ بھی نافرمانی کرتا رہے“ یعنی یہی ایک گناہ نہیں بلکہ انسان آگے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے اور گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے صرف اس امید پر کہ گناہ کر لوں، مرنے سے پہلے توبہ کر لوں گا، لیکن افسوس نادان کو یہ خبر نہیں کہ موت اچانک آجائے گی۔ اس بات کی کون ضمانت دے سکتا ہے کہ مرنے سے پہلے توبہ نصیب ہو جائے گی یا قیامت سے انسان قدم قدم پر فسق و فجور میں مبتلا نظر آتا ہے۔ پھونک پھونک کر قدم نہیں اٹھاتا بڑا سر چڑھا ہے منٹ منٹ پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔ نفس کی شرارت سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جسے اللہ محفوظ رکھے۔ گناہوں میں جلدی ہے اور توبہ میں لیت و لعل یا کافر قیامت کو جھٹلاتا ہے اور حساب کا قائل نہیں اس لیے دل کھول کر گناہ کرتا ہے۔ (اسراج الہیر 2: 2155)

(2) فجر کے معنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا ہے۔ یعنی انسان یہ چاہتا ہے کہ آگے بھی جھوٹی زندگی، گناہوں بھری زندگی اختیار کرتا رہے۔

(3) سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ گناہوں میں پڑنا چاہتا ہے۔ (4) یعنی کافر چاہتا ہے کہ قیامت کو جھٹلاتا ہی رہے۔ (جامع البیان: 188/29)

﴿يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾

”وہ پوچھتا ہے: ”کب ہوگا قیامت کا دن؟“ (6)

سوال: ﴿يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”وہ پوچھتا ہے: ”کب ہوگا قیامت کا دن؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَسْئَلُ أَيَّانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”وہ پوچھتا ہے: ”کب ہوگا قیامت کا دن؟“ یہ سوال انکار، استہزاء اور قیامت کے معاملے

کو ہلکا کرنے کے لیے ہے۔ (ابن القاسم: 1702)

(2) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو قیامت کے بارے میں سوال کرے وہ یہ سورت پڑھ لے۔ (جامع البیان: 189/29)

(3) وہ یہ سوال اس لیے کرتا ہے کہ اپنے قائل نہ ہونے کو ظاہر کر دے۔ رب العزت نے بہت سے مقامات پر اس بے دلیل جھٹلانے کا ذکر

فرمایا ہے جیسا کہ سورہ یونس میں فرمایا: ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا

اگر تم سچے ہو؟ (یونس: 48)

(4) سورہ المؤمنون فرمایا: ﴿هَيَّاهَاتَ هَيَّاهَاتَ لِمَا تُوْعَدُونَ﴾ (۴۱) اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ

بِمَبْعُوثِينَ﴾ (۴۲) ”بجید بالکل ہی بعید ہے جو تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیا کی زندگی، ہم نہیں مرتے اور جیتتے ہیں اور ہم

ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔“ (36/37)

(5) بنی اسرائیل میں فرمایا: ﴿وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ كُنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ (۴۳) قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ

حَدِيدًا (۴۴) أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ

الْيَدِ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِينًا﴾ (۴۵) ”اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ

ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم نئی پیدائش پر ضرور اٹھائے جانے والے ہیں؟ آپ کہہ دیں تم پتھر یا لوہا بھی ہو جاؤ یا کوئی اور مخلوق جو تمہارے

دلوں میں اس سے بھی بڑی ہو۔ تو جلد ہی وہ کہیں گے کہ کون ہے جو ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ آپ کہہ دیں وہی ذات جس نے تمہیں پہلی

بار پیدا کیا، تو جلد ہی وہ آپ کے سامنے تعجب سے سر ہلائیں گے اور کہیں گے تو یہ کب ہوگا؟ آپ کہہ دیں امید ہے کہ وہ قریب ہو۔“ (49/51)

(6) سورہ الملک میں فرمایا: ﴿وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (۴۶) قُلِ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا آتَانَا إِلَهُ

مُبِينٌ﴾ (۴۷) فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّمَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَدْعُونَ﴾ (۴۸) ”اور وہ کہتے ہیں اگر تم

سچے ہوتویہ وعدہ کب (پورا) ہوگا کہہ دو یقیناً اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور حقیقتاً میں کھلا ڈرانے والا ہوں۔ پس جب وہ اُس کو قریب سے دیکھیں گے تو اُن کے چہرے بگڑ جائیں گے جنہوں نے کفر کیا اور کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس کو تم مانگا کرتے تھے۔“ (25:27)

﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾

”پھر جب آنکھیں پتھر جابھیں گی“ (7)

سوال: ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ ”پھر جب آنکھیں پتھر جابھیں گی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ﴾ ”پھر جب آنکھیں پتھر جابھیں گی“ یعنی جب قیامت برپا ہوگی تو خوف اور دہشت کی وجہ سے آنکھیں پتھر جابھیں گی جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ (۳۱) ”مُھْطِعِينَ مُقْنِعِينَ رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ“ ”اور آپ اللہ تعالیٰ کو ہرگز غافل خیال نہ کریں اس سے جو ظالم کرتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس حالت میں کہ تیز دوڑنے والے، اپنے سروں کو اوپر اٹھانے والے ہوں گے ان کی نگاہ ان کی اپنی جانب ہی نہیں لوٹے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔“ (ابراہیم: 42، 43)

(3) عظیم خوف اور دہشت کی وجہ سے دل زور زور سے دھڑک رہے ہوں گے اور لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

﴿وَحَسَفَ الْقَبْرُ﴾

”اور چاند گہنا جائے گا“ (8)

سوال: ﴿وَحَسَفَ الْقَبْرُ﴾ ”اور چاند گہنا جائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَحَسَفَ الْقَبْرُ﴾ ”اور چاند گہنا جائے گا“ یعنی چاند بے نور ہو جائے گا اور اس کی روشنی اور طاقت زائل ہو جائے گی۔

(2) چاند گہن میں آجائے گا اور اس کا نور چھن جائے گا۔ (صخر ابن عبید: 2155/2)

﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾

”اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا“ (9)

سوال: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ ”اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ ”اور سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا“ جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا ہے، وہ کبھی

اکٹھے نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو جمع کرے گا، چاند گہنا جائے گا اور سورج کو بے نور کر دیا جائے گا اور ان دونوں کو آگ میں پھینک دیا جائے گا تاکہ بندے دکھ لیں کہ چاند اور سورج بھی اللہ تعالیٰ کے مسخر ہیں تاکہ جو لوگ ان کی عبادت کرتے تھے وہ دکھ لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ (تفسیر سہمی: 2876/3)

(2) سورج اور چاند دونوں کو لپیٹ کر اکٹھا کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالشَّمْسُ وَضُحَاهَا﴾ (1) وَالْقَمَرُ إِذَا تَلَّهَا (2) ﴿﴾ ”قسم ہے سورج اور اُس کی دھوپ کی! اور چاند کی جب وہ اُس کے پیچھے آئے!“ (احسن: 12، 13) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن سورج اور چاند دونوں تاریک (بے نور) ہو جائیں گے۔“ (بخاری: 3200)

(4) سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن سورج نزدیک کیا جائے گا، یہاں تک کہ ایک میل پر آجائے گا۔“ (پھر) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لوگ (اپنے اپنے اعمال کے موافق) پسینے میں ڈوبے ہوں گے، کوئی تو وہ ہوگا جو اپنے پسینے میں ٹخنوں تک ڈوبا ہوگا، کوئی ان میں سے نصف پنڈلی تک، کوئی ان میں سے اپنے گھٹنوں تک، کوئی ان میں سے اپنی سرین تک، کوئی ان میں سے پہلو تک، کوئی ان میں سے اپنے کندھوں تک، کوئی ان میں سے اپنی گردن تک اور کوئی ان میں سے اپنے منہ تک (اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا)۔“ (مسند احمد: 22248)

﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ﴾

”اُس دن انسان کہے گا: ”بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟“ (10)

سوال: ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ﴾ ”اُس دن انسان کہے گا: ”بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُ﴾ ”اُس دن انسان کہے گا: ”بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟“ انسان حیرت اور دہشت سے کہے گا جہنم سے فرار کی کوئی جگہ ہے؟ کیا اس سے کوئی جائے پناہ ہے؟

(2) اسی لیے رب العزت نے فرمایا: ﴿اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَهُمْ لَمَمَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ مُّلْجَا يَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ تَكْوِيْنٍ﴾ ”اپنے رب کی پکار پر لیک کہو قبل اس سے کہ وہ دن آئے جس کے اللہ تعالیٰ سے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔ اُس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ ہی انکار کی کوئی صورت ہوگی۔“ (اشوری: 47)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ تین طریق سے لوگوں کا حشر کیا جائے گا۔ ایک (گروہ میں) تو امید رکھنے والے اور ڈرنے والے ہوں گے اور (دوسرا گروہ) ان لوگوں کا ہوگا جو دو دو اور تین تین اور چار چار اور دس دس ایک ایک اونٹ پر (سوار) ہوں گے اور باقی لوگوں کو آگ اکٹھا کرے گی، جہاں وہ آرام لیں گے وہیں وہ بھی آرام لے گی اور جہاں سے وہ رات گزاریں گے وہیں وہ

بھی رات گزارے گی اور جہاں وہ صبح کریں گے وہیں وہ بھی صبح کرے گی اور جہاں وہ شام کریں گے وہیں وہ بھی شام کرے گی۔“ (یعنی ان کو میدانِ حشر میں پہنچا دے گی)۔ (بخاری: 6522)

﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾

”ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے“ (11)

سوال: ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾ ”ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿كَلَّا لَا وَزَرَ﴾ ”ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے“ یعنی یہاں جائے پناہ کا کیا کام! یہاں نجات کی کوئی صورت نہیں۔
(2) یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں چھپ سکیں، جہاں پہنچانے نہ جا سکیں۔

﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾

”اُس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے“ (12)

سوال: ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾ ”اُس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ﴾ ”اُس دن تیرے رب کے پاس ہی ٹھہرنے کی جگہ ہے“ اس دن تمام بندوں کا ٹھکانا رہی کے پاس ہوگا۔ (2) رب کے پاس سب کو ٹھہرایا جائے گا تاکہ سب کے اعمال کا حساب لیا جاسکے۔
(3) ابن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہل جنت کو جنت میں اور اہل جہنم کو جہنم میں ٹھہرایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا قول پڑھا: ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ لَو كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصلی زندگی ہے، کاش وہ جانتے ہوتے۔“ (الحکیرت: 64) (جامع البیان: 193/29)

﴿يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾

”اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے“ (13)

سوال: ﴿يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ ”اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿يُنَبِّئُ الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ ”اُس دن انسان کو بتایا جائے گا جو کچھ اُس نے آگے بھیجا اور جو اُس نے پیچھے چھوڑا ہے“ قیامت کے دن تمام اعمال انسان کے سامنے ہوں گے۔ انسان کو اس کے پہلے وقت اور آخری وقت کے، چھوٹے بڑے سب اعمال کی خبر دی جائے گی۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظُنُّمْ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ اور جو بھی انہوں نے کیا تھا وہ سب اس کو سامنے پائیں گے اور آپ کا رب کسی ایک پر ظلم نہیں کرتا۔“ (الف: 49)

(3) ابن زید رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان کو خبر دی جائے گی جو اس نے عمل کرنے چھوڑ دیے اور جو اس نے نہیں کیے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے جو کام اس نے چھوڑے اور جو آگے بھیجے ہر خیر اور شر سے آگاہ کیا جائے گا۔ (جامع البیان: 194, 195/29)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (۷) وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (۸)﴾ ”تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اُس کو دیکھ لے گا“ (الزلزال: 7, 8)

﴿بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾

”بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے“ (14)

سوال: ﴿بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾ ”بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿بَلِ الْإِنْسَانِ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ﴾ ”بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب دیکھنے والا ہے“ اس دن انسان اپنے اعمال پر خود گواہ ہوگا۔ وہ اپنے اعمال کو خوب پہچانتا ہوگا۔

(2) ابن زید رحمہ اللہ نے فرمایا: انسان اپنے نفس پر گواہ ہوگا اور یہ آیت پڑھی ﴿اقْرَأْ كِتَابَكَ ط كَفَىٰ بِتَقْفِيكَ الْيَوْمَ عَلَيْنَا حَسِيبًا﴾ ”پڑھا اپنا نامہ اعمال! آج کے دن تم اپنے اوپر خود حساب لینے والے کافی ہو۔“ (بنی اسرائیل: 14) (جامع البیان: 195/29)

﴿وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرُهُ﴾

”اگر چہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے“ (15)

سوال: ﴿وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرُهُ﴾ ”اگر چہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَلَوْ أَلْفَىٰ مَعَادِيرُهُ﴾ ”اگر چہ وہ اپنی معذرتیں پیش کرے“ انسان کو اس کی معذرت فائدہ نہیں دے گی کیونکہ اس کے اعضاء اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَيَوْمَ مَعِدٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعَدِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ ”تو اُس دن جن لوگوں نے ظلم کیا اُن کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور نہ ہی اُن سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔“ (الروم: 57)

(2) اس دن انسان اپنے نفس کی طرف کتنا ہی جھٹا کرے، کتنی ہی دلیلیں دے، سب رد کر دی جائیں گی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَدِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ لِلْعَتَّةِ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ ”جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور اُن کے لیے لعنت ہے اور اُن کے لیے بدترین گھر ہوگا۔“ (نافر: 52)

﴿لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾

”آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں“ (16)

سوال: ﴿لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ ”آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ ”آپ اپنی زبان کو اس کے ساتھ حرکت نہ دیں کہ اُس میں جلدی کریں“ نبی ﷺ کو وحی سیکھنے کے آداب بتائے جا رہے ہیں۔ نبی ﷺ وحی کو یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی پڑھا کرتے تھے۔ جب سیدنا جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو ان کے فارغ ہونے سے پہلے، ان کی تلاوت کے ساتھ ساتھ تلاوت شروع کر دیتے۔ رب العزت نے حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو پوری توجہ سے سنیں۔ اس وقت یاد کرنے کی کوشش نہ کریں۔

(2) سورہ طہ میں فرمایا: ﴿فَتَعَلَى اللَّهِ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ ”پس اللہ تعالیٰ بے حد بلند ہے، بادشاہ حقیقی ہے، اور آپ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کریں، اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس کی وحی پوری کی جائے اور آپ دعا کریں اے میرے رب! مجھے علم میں زیادہ کر!“ (طہ: 114)

(3) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول قرآن کے وقت بہت سختی محسوس کیا کرتے تھے اور اس کی علامتوں میں سے ایک یہ تھی کہ یاد کرنے کے لیے آپ اپنے ہونٹوں کو ہلاتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں: ﴿لَا تُحْزِنُكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ﴾ (۱۱) ”اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ“ (۱۲) ”فَاِذَا قَرَأَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ“ (۱۳) ”اپنی زبان کو حرکت نہ دو تا کہ تم اُسے جلدی (یاد) کر لو۔ یقیناً ہم پر ہے اس کا جمع کرنا اور اُس کا پڑھنا دینا۔ پھر جب ہم اُس کو پڑھیں تو اُس کے پڑھنے کی پیروی کرو۔“ چنانچہ ان آیات کے نزول کے بعد جب جبریل علیہ السلام آتے تو آپ خاموش رہتے اور جب چلے جاتے تو آپ اسی طرح پڑھ کر سنا دیتے جس طرح اللہ نے آپ کو سنا یا ہوتا۔ (بخاری: 5، مسلم: 1004)

(4) اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جلدی کے کام قابلِ مذمت ہیں اگرچہ دینی امور میں ہی کیوں نہ ہوں۔ (تفسیر نمبر: 288/15)

﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾

”یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمے ہے“ (17)

سوال: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ ”یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمے ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ ”یقیناً اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمے ہے“ رب العزت نے نبی ﷺ پر یہ

واضح فرمایا کہ آپ کے دل میں قرآن مجید کے علم کے حصول کی جو حرص ہے، اس کے بھول جانے کا جو خوف ہے تو آپ کے سینے میں وحی کو محفوظ کر دینا اور دوسروں تک پہنچانے کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ ﷺ کی زبان سے اس قرآن کی وضاحت کروانے کی ہم ضمانت دیتے ہیں۔

(2) ان چار آیات میں آپ ﷺ کے لیے تین باتوں کی ذمہ داری لی گئی۔ (i) وحی کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ کرنا۔ (ii) اس کی تلاوت کرانا (iii) اس کی تفسیر کرانا۔

﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾

”تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کرو“ (18)

سوال: ﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ ”تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کرو“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَإِذَا قَرَأَهُ فَأَتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ ”تو جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ اس کے پڑھنے کی پیروی کرو“ یعنی جب ہم آپ کے سامنے سیدنا جبرائیل علیہ السلام سے اس وحی کی تلاوت کروائیں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے تو آپ ﷺ ان کی قرأت کی پیروی کریں یعنی خوب غور سے سنتے رہیں۔ (2) پھر جب وہ تلاوت مکمل کر لیں تو ہماری بتائی ہوئی قرأت کے مطابق پڑھیں۔

﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾

”پھر یقیناً ہم ہی پر ہے اس کا بیان کرنا بھی“ (19)

سوال: ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ ”پھر یقیناً ہم ہی پر ہے اس کا بیان کرنا بھی“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ ”پھر یقیناً ہم ہی پر ہے اس کا بیان کرنا بھی“ یعنی وحی کو سمجھنے میں جو مشکل ہوگی۔ اس کے معانی کا بیان ہمارے ذمے ہے۔ (2) رب العزت نے قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ یہ حفاظت کا بلند ترین درجہ ہے۔ (3) نبی ﷺ نے اپنے رب کے احکامات پر عمل کیا۔ اس کے بعد جب سیدنا جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو آپ ﷺ خاموش رہتے اور پوری توجہ سے وحی کو سنتے جب وہ قرأت سے فارغ ہو جاتے تو آپ ﷺ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کے بتانے کے مطابق تلاوت کرتے۔

(4) اس آیت کریمہ میں علم حاصل کرنے کے لیے ادب سکھایا گیا ہے کہ معلم نے جس مسئلہ کو شروع کیا ہو، اس سے معلم کے فارغ ہونے سے پہلے طالب علم کو جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ جب وہ اس مسئلہ سے فارغ ہو جائے تو پھر طالب علم کو جو اشکال ہو اس کے بارے میں معلم سے سوال کرے۔ اسی طرح جب کلام کی ابتدا میں کوئی ایسی چیز ہو جس کو رد کرنا واجب ہو یا کوئی ایسی چیز جو مستحسن ہو تو اس کلام سے فارغ ہونے سے

قبل اس کو رد یا قبول کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ اس میں جو حق یا باطل ہے وہ اچھی طرح واضح ہو جائے اور اسے اچھی طرح سمجھ لے تاکہ اس میں صواب کے پہلو سے کلام کر سکے۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کے سامنے جس طرح قرآن کے الفاظ کو بیان فرمایا ہے، اسی طرح آپ نے اس کے معانی کو بھی ان کے سامنے بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر سدی 3: 2878)

(5) قرآن مجید کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان سے کی ہے۔ نبی ﷺ کی زبان سے، ان کے عمل سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی جو وضاحت ہوتی ہے اُسے حدیث کہتے ہیں۔ حدیث بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے الہام ہے۔ حدیث کو ماننا اسی طرح ضروری ہے جس طرح قرآن مجید کو ماننا ضروری ہے۔

﴿كَلَّابِلٌ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾

”ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہو“ (20)

سوال: ﴿كَلَّابِلٌ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَلَّابِلٌ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾ ”ہرگز نہیں! بلکہ تم جلد حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہو“ یعنی تمہاری غفلت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے منہ موڑنے کا سبب یہ ہے کہ تم جلد حاصل ہونے والی لذتوں اور شہوتوں کے حصول میں مصروف رہتے ہو۔

(2) قیامت کو نہ ماننے اور حق کی مخالفت کا بنیادی سبب یہ ہے کہ لوگ دنیا کی زندگی کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور آخرت کو بھول جاتے ہیں۔

(3) تم دنیا کے لیے دن رات اس لیے بھاگ دوڑ کرتے ہو کہ تمہارے سامنے حقیقت بدل گئی ہے۔ تم نے دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا بڑے خسارے میں رہے۔

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ نُؤْتُواوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۗ وَالْآخِرَةَ خَيْرًا ۗ وَالْبٰقِي ۗ﴾ ”بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔“ (الہٰل 16: 17)

﴿وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾

”اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو“ (21)

سوال: ﴿وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾ ”اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ﴾ ”اور تم آخرت کو چھوڑ دیتے ہو“ تم نے آخرت کے لیے عمل کرنا چھوڑ دیا۔ آخرت کی نعمتوں کے بارے میں تم نے غور ہی نہیں کیا۔ گویا تمہارا ان میں کوئی حصہ ہی نہیں، گویا تم ان کے لیے پیدا ہی نہیں کیے گئے۔

(2) اگر تم نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہوتی اور تم نے ایک صاحب بصیرت اور عقل مند شخص کی طرح انجام پر غور کیا ہوتا تو تم کامیاب ہوتے،

ایسا نفع حاصل کرتے جس کے ساتھ خسارہ نہ ہوتا اور تمہیں ایسی نوز و فلاح حاصل ہوتی جس کی مصاحبت میں بدبختی نہیں ہوتی۔ (تفسیر سہمی: 2879/3)

(3) سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اکثر لوگوں نے جلد ملنے والی دنیا کو اختیار کر لیا مگر جس پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا اسے بچا لیا۔ (تفسیر مرآئی: 267/10)

﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا آتَاهُ رَبُّهُ﴾

”بعض چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے“ (22)

سوال: ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا آتَاهُ رَبُّهُ﴾ ”بعض چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا آتَاهُ رَبُّهُ﴾ ”بعض چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے“ رب العزت نے آخرت کو ترجیح دینے کی دعوت دی ہے کہ قیامت کے دن کئی چہرے حسین، بارونق اور خوب صورت ہوں گے کیونکہ ان کی رو میں دنیا میں ایمان اور عمل صالح کے نور سے چمکی ہوں گی۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا آتَاهُ رَبُّهُ﴾ ”کئی چہرے اُس دن تروتازہ ہوں گے۔“ (العاشیہ: 8)

(3) چہروں کی رونق کا سبب ان کے اخلاقِ حسنہ، دلوں کا اطمینان اور روحوں کی لذت ہوگی۔

﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾

”اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے“ (23)

سوال: ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ ”اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ ”اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے“ یعنی وہ اپنے مرتبے کے مطابق اپنے رب کا دیدار کریں گے۔

(2) سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنتیوں میں ادنیٰ درجہ والا اپنے باغ اور بیویوں اور خادموں اور تختوں کو ہزار برس کی راہ سے دیکھتا ہے اور ان میں سے بڑے مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو اللہ کے چہرے کی طرف صبح و شام دیکھتا ہے۔ پھر رسول اللہ نے یہ آیت پڑھی: ﴿وَجُودًا يُؤْمِنُ بِمَا آتَاهُ رَبُّهُ﴾ سے آخر تک یعنی بہت سے چہرے اس دن تازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ (ترمذی: 3330)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں کوئی دشواری آتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول نہیں پھر فرمایا! کیا جس وقت بادل نہ ہوں کیا تمہیں سورج دیکھنے میں کوئی دشواری ہوتی ہے؟ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر تم اسی طرح اپنے رب کا دیدار کرو گے۔ (بخاری: 7437، مسلم: 451)

(4) سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے

فرمائیں گے کہ کیا تم مزید کچھ چاہتے ہو؟ وہ جنتی عرض کریں گے (اے اللہ) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کیا؟ کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نجات نہیں دی؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ ان کے اور اپنے درمیان سے پردے اٹھا دے گا اور جنتی اللہ کا دیدار کریں گے تو ان کو اس دیدار سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں ہوگی۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ﴾ ”جن لوگوں نے نیکی کی انھی کے لیے نہایت اچھا بدلہ اور کچھ زیادہ ہے۔“ (اور کچھ زیادہ سے رب تعالیٰ کا دیدار مراد ہے)۔ (مسلم: 449، 450)

(5) سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ مومنوں پر (قیامت کے دن) مسکراتا ہوا تجلی فرمائے گا۔“ (مسلم: 469)

(6) لوگ اپنے مرتبے کے مطابق رب العزت کا دیدار کریں گے۔ کچھ لوگ ہر صبح و شام کریں گے کچھ لوگ ہر جمعہ ایک مرتبہ دیدار کریں گے۔ جب وہ اپنے رب کریم کے بے پناہ جمال والے کریم چہرے کا دیدار کریں گے تو ساری لذتیں بھول جائیں گے جو انہیں حاصل ہوں گی۔ انہیں دیدار سے ایسی لذت ملے گی جس کا الفاظ میں اظہار ممکن نہیں۔ ان کے چہرے خوب صورت اور بارونق ہوں گے اور ان میں اضافہ ہوتا ہی چلا جائے گا۔ یا ذالجلال والاكرام: ”ہم آپ سے سوال کرتے ہیں اس نظر کا جو تیرے چہرے کے دیدار کا شرف حاصل کرے، اس لذت کا جو ہمارے دل حاصل کریں، اس اطمینان اور رونق کا جو ہمارے چہروں کا مقدر بنے۔“

﴿وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مَّيِّدَةٌ ۖ بَاسِرَةٌ﴾

”اور کچھ چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے“ (24)

سوال: ﴿وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مَّيِّدَةٌ ۖ بَاسِرَةٌ﴾ ”اور کچھ چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مَّيِّدَةٌ ۖ بَاسِرَةٌ﴾ ”اور کچھ چہرے اُس دن بگڑے ہوئے ہوں گے“ قیامت کے دن کچھ چہرے اداس، سبھے ہوئے، بے رونق اور ذلیل ہوں گے۔ (2) اس دن نافرمانوں کے چہروں کا رنگ فق ہو جائے گا۔ انہیں یقین ہوگا کہ اب ایسی مصیبت آنے والی ہے جو کر توڑ دے گی۔ وہ جہنم میں جھونکے جانے کے انتظار میں ہوں گے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مَّيِّدَةٌ ۖ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۖ تَرَهَقَهَا قَتَرَةٌ ۖ (۳۰) أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرَةُ الْفٰجِرَةُ ۖ (۳۱)﴾ ”اور اُس دن کچھ چہروں پر خاک اُڑ رہی ہوگی۔ اُن پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی لوگ کافر، بدکردار ہیں۔“ (ص: 40، 42)

(3) سورہ آل عمران میں فرمایا: ”جس دن کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے، تو وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے پوچھا جائے گا کہ) کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا؟ تو اب عذاب چکھو اس وجہ سے کہ تم کفر کیا کرتے تھے۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے، سو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔“ (آل عمران: 106، 107)

(4) ﴿وَوُجُوهُ يَوْمَئِذٍ مَّيِّدَةٌ ۖ خَاشِعَةٌ﴾ ”کئی چہرے اُس دن ذلیل ہوں گے۔“ (الغاشیہ: 2)

﴿تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾

”گمان کر رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا“ (25)

سوال: ﴿تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾ ”گمان کر رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿تَنْظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ﴾ ”گمان کر رہے ہوں گے کہ اُن کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا“ یعنی جن کے چہرے بے رونق ہوں گے وہ یقین کر لیں گے کہ اب سخت عقوبت اور کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے۔

(2) ان کے چہرے جہنم کے عذاب کے یقین کی وجہ سے اڑے ہوئے ہوں گے۔

﴿كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾

”ہرگز نہیں! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی“ (26)

سوال: ﴿كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾ ”ہرگز نہیں! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ﴾ ”ہرگز نہیں! جب جان ہنسلیوں تک پہنچ جائے گی“ اللہ رب العزت قریب المرگ شخص کے حالات بیان کر کے اپنے بندوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب روح ہنسی کی ہڈی یعنی حلق تک پہنچ جائے گی۔ التراقی سے مراد وہ ہڈیاں ہیں جنہوں نے سینے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس وقت کی تکلیف کا اندازہ مرنے والا ہی کرتا ہے۔ یا ارحم الراحمین سکر مات موت حق ہے۔ موت کی بے ہوشیوں میں بھی توحید پر قائم رکھنا۔ (2) اس وقت کا آنا یقینی ہے جب انسان ہر سبب تلاش کرتا ہے جس سے شفا مل جائے۔

﴿وَوَقِيلَ مَنْ سَعَىٰ رَاقٍ﴾

”اور کہا جائے گا: ”کون ہے دم کرنے والا؟“ (27)

سوال: ﴿وَوَقِيلَ مَنْ سَعَىٰ رَاقٍ﴾ ”اور کہا جائے گا: ”کون ہے دم کرنے والا؟“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَوَقِيلَ مَنْ سَعَىٰ رَاقٍ﴾ ”اور کہا جائے گا: ”کون ہے دم کرنے والا؟“ کیونکہ اسباب عادیہ پر ان کی امیدیں منقطع ہو کر اسباب الہیہ پر لگ گئی ہیں مگر جب قضا و قدر کا فیصلہ آجاتا ہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ (تیسرہ ص 3/2880)

(2) ﴿فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ (۸۶) وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ (۸۷)﴾ ”پھر کیوں نہیں! جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔“ (الواقفہ: 83، 84)

(3) ثابت بنانی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ثابت نے کہا ابو حمزہ! (سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی کنیت) میری طبیعت خراب ہو گئی ہے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے کہا پھر کیوں نہ میں تم پر وہ دعا پڑھ کر دم کر دوں جسے رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ ثابت نے

کہا کہ ضرور کیجئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ دعا پڑھ کر دم کیا۔ ﴿اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ مُدَّ هَبِ الْبَاسِ اشْفِ أُنْتِ الشَّافِي لَا شَافِيَ إِلَّا أَنْتَ، شِفَاءٌ لَا يُغَادِرُ سَقَمًا﴾ اے اللہ! لوگوں کے رب! تکلیف کو دور کر دینے والے! شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں، ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری بالکل باقی نہ رہے۔ (بخاری: 5742)

(4) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے چند صحابہ درحالت سفر عرب کے ایک قبیلہ پر گزرے۔ قبیلہ والوں نے ان کی ضیافت نہیں کی کچھ دیر بعد اس قبیلے کے سردار کو بچھونے کاٹ لیا، اب قبیلہ والوں نے ان صحابہ سے کہا کہ آپ لوگوں کے پاس کوئی دوا یا کوئی جھاڑنے والا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا تم لوگوں نے ہمیں مہمان نہیں بنایا اور اب ہم اس وقت تک دم نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے لیے اس کی مزدوری نہ مقرر کر دو۔ چنانچہ ان لوگوں نے چند بکریاں دینی منظور کر لیں پھر (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) سورہ فاتحہ پڑھنے لگے اور اس پر دم کرنے میں منہ کا تھوک بھی اس جگہ پر ڈالنے لگے۔ اس سے وہ شخص اچھا ہو گیا چنانچہ قبیلہ والے بکریاں لے کر آئے لیکن صحابہ نے کہا کہ جب تک ہم نبی کریم ﷺ سے نہ پوچھ لیں یہ بکریاں نہیں لے سکتے پھر جب نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ سورہ فاتحہ سے دم بھی کیا جاسکتا ہے، ان بکریوں کو لے لو اور اس میں میرا بھی حصہ لگاؤ۔ (بخاری: 5736)

(5) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے مرض الوفا میں اپنے اوپر معوذات (سورہ الفلق والناس اور سورہ اخلاص) کا دم کیا کرتے تھے پھر جب آپ ﷺ کے لئے دشوار ہو گیا تو میں ان کا دم آپ پر کیا کرتی تھی اور برکت کے لئے نبی ﷺ کا ہاتھ آپ کے جسم مبارک پر پھیر لیتی تھی۔ پھر میں نے اس کے متعلق پوچھا کہ نبی ﷺ کس طرح دم کرتے تھے، انہوں نے بتایا کہ اپنے ہاتھ پر دم کر کے ہاتھ کو چہرے پر پھیرا کرتے تھے۔ (بخاری: 5735)

(6) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ نبی کریم ﷺ مریض کے لئے (کلمے کی انگلی زمین پر لگا کر) یہ دعا پڑھتے تھے ﴿بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةٌ أَرْضِيْنَا بِرَبِّقَةٍ بَعْضُنَا لِيُشْفَى بِوَسْقِيْمُنَا يَا ذَنْ رَبَّنَا﴾ اللہ کے نام کی مدد سے ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے کسی کے تھوک کے ساتھ تاکہ ہمارا مریض شفاء پائے ہمارے رب کے حکم سے۔ (بخاری: 5745)

(7) سیدنا عثمان بن ابوالعاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درد کی شکایت کی جسے وہ اپنے جسم میں اسلام لانے کے وقت سے محسوس کرتے تھے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا: اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ جہاں تو اپنے جسم سے درد محسوس کرتا ہے اور تین مرتبہ بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ هَذَا مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ﴾ میں اللہ کی ذات اور قدرت سے ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جسے میں محسوس کرتا ہوں اور جس سے خوف کرتا ہوں۔“ (مسلم: 5737)

(8) سیدنا بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اس بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے دم میرے سامنے پیش کرو اور ایسے دم میں کوئی حرج نہیں جس میں شرک نہ

(ہو۔ مسلم: 5732)

(9) سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس دس آدمیوں پر مشتمل ایک وفد بیعت کے لیے حاضر ہوا، آپ نے ان میں سے نو سے بیعت لے لی مگر ایک سے بیعت نہ لی۔ انہوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے نو آدمیوں سے بیعت لے لی اور ایک کو چھوڑ دیا؟ آپ نے فرمایا: ”اس نے تعویذ پہنا ہوا ہے۔“ اس نے اپنا ہاتھ ڈال کر تعویذ کاٹ ڈالا، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی بیعت لے لی، نیز فرمایا: ”جس نے تعویذ لٹکا یا اس نے شرک کیا۔“ (مسند احمد: 17432)

﴿وَوَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾

”اور وہ یقین کرے گا کہ یقیناً اب جدائی کا وقت ہے“ (28)

سوال: ﴿وَوَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ ”اور وہ یقین کرے گا کہ یقیناً اب جدائی کا وقت ہے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَوَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ﴾ ”اور وہ یقین کرے گا کہ یقیناً اب جدائی کا وقت ہے“، یعنی جب روح کھینچ کر حلق میں آ کر ایک جائے گی تو یقین آ جائے گا کہ جدائی کا وقت ہے اپنے گھر والوں سے، مال اور اولاد سے جدائی کا۔
 (2) کیونکہ موت کو کوئی روک نہیں سکتا اس لیے جدائی کا یقین آ جائے گا۔

﴿وَالْتَقَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾

”اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی“ (29)

سوال: ﴿وَالْتَقَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ ”اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَالْتَقَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ﴾ ”اور پنڈلی سے پنڈلی جڑ جائے گی“، یعنی تمام سختیاں جمع ہو کر لپٹ جائیں گی، معاملہ بہت بڑا اور کرب بہت سخت ہو جائے گا، خواہش ہوگی کہ بدن سے روح نکل جائے جو اس سے لپٹی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہے۔ (تفسیر سہمی: 2880/3)
 (2) یعنی آخرت اور دنیا دونوں مل جاتے ہیں دنیا کی آخری گھڑی اور آخرت کی پہلی گھڑی ہوتی ہے جس کی وجہ سے حسرت اور غم پر غم بڑھ جاتا ہے مگر جس پر رحمن اپنا فضل فرمائے یا خود شدت موت سے مرنے والے کی ٹانگ پر ٹانگ چڑھ جاتی ہے یا ٹانگوں سے بھی جان نکل جاتی ہے اور ٹانگیں مرنے والے کو اٹھا نہیں سکتیں۔ یہی وہ ٹانگیں تھیں جن سے کبھی بھاگا پھرتا تھا یا کفن میں دونوں ٹانگیں ملا کر لپیٹ دی جاتی ہیں۔ یا دو کام جمع ہو جاتے ہیں ادھر عزیز نہلا دھلا کر قبر میں اتار رہے ہیں اور ادھر فرشتے روح کو لے کر آسمان پر چڑھ رہے ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2188/2)

﴿إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ﴾

”اُس دن تیرے رب کی طرف رواں لگی ہے“ (30)

سوال: ﴿إِنِّي رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسْأُوقُ﴾ ”اُس دن تیرے رب کی طرف رواں گئی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنِّي رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسْأُوقُ﴾ ”اُس دن تیرے رب کی طرف رواں گئی ہے“ یعنی اب رب ہی کے پاس جانا ہے۔ فرشتے روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کو زمین میں لوٹا دو۔ میں نے مٹی سے اسے پیدا کیا، مٹی میں ہی لوٹاؤں گا اور دوسری بار پیدا کروں گا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدًا كُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتُهُ رُسُلْنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ﴾ ”اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی ایک پر موت آتی ہے، ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔“ (الانعام: 61)

(2) پس روح کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جایا جائے گا تاکہ وہ اسے اعمال کی جزا دے اور اس کے کرتوتوں کا اعتراف کرائے۔ یہ جزو تو بیخ جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے دلوں کو اس منزل کی طرف لے جاتی ہے جس میں اس کی نجات ہے اور ان امور سے روکتی ہے جس میں اس کی ہلاکت ہے مگر وہ معاند حق جسے آیات کوئی فائدہ نہیں دیتیں، وہ اپنی گمراہی، کفر اور عناد پر جما رہتا ہے۔ (تفسیر سہمی: 3/2880)

رکوع نمبر 18

﴿فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى﴾

”سونہ اُس نے سچ مانا اور نہ نماز پڑھی“ (31)

سوال: ﴿فَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّى﴾ ”سونہ اُس نے سچ مانا اور نہ نماز پڑھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَلَا صَدَقَ﴾ ”سونہ اُس نے سچ مانا“ یعنی اے انسان جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکے گا نہ تو نے اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی، نہ اس کے فرشتوں کی، نہ اس کی کتابوں کی، نہ اس کے رسولوں کی، نہ آخرت کے دن کی، نہ ہی اس کی اچھی اور بری تقدیر کی۔ (2) ﴿وَلَا صَلَّى﴾ ”اور نہ نماز پڑھی“ اور نہ اس نے اپنے رب کے لیے نماز پڑھی جو اس پر فرض تھی۔ (تفسیر سہمی: 15/295)

(3) نہ وہ اپنے دل سے ایمان لایا اور نہ اس نے اپنے بدن کے عمل سے تصدیق کی۔ (تفسیر قرطبی: 10/84)

﴿وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى﴾

”بلکہ اُس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا“ (32)

سوال: ﴿وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى﴾ ”بلکہ اُس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَكِنْ كَذَّبَ﴾ ”بلکہ اُس نے جھٹلایا“ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تصدیق نہیں کی اور اپنے اوپر عائد فرض نماز نہیں پڑھی۔ (2) ﴿وَتَوَلَّى﴾ ”اور منہ پھیرا“ یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پیٹھ پھیر لی۔ (جامع البیان: 29/210)

(3) اس نے نماز، زکوٰۃ اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ہدایت حاصل کرنے سے منہ پھیرا۔ (الاساس: 6270/11)

﴿ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ﴾

”پھراکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا“ (33)

سوال: ﴿ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ﴾ ”پھراکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ﴾ ”پھراکڑتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف چلا گیا“ یعنی دنیا میں اس کا حصہ اتنا ہے کہ وہ اپنے رب سے بے خوف ہے، حق کو جھٹلانے پر دلیر ہے۔ نیک اعمال سے دور بھاگتا ہوا، اکڑتا، اتراتا ہوا گھر پہنچ جاتا تھا۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا﴾ ”بلاشبہ وہ اپنے گھر والوں میں خوش تھا۔“ (الانشاق: 13)

(3) ﴿وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ﴾ ”اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس پلٹے ہیں تو مزے لیتے ہوئے واپس پلٹے ہیں تھے۔“ (المطففين: 31)

﴿أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾

”تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ (34)

سوال: ﴿أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ”تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ”تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ اس کلمے کی اصل یہ ہے ”أَوْلَاكَ اللَّهُ مَا تَكْرَهُهُ“ اللہ تجھے ایسی چیز سے دوچار کرے جو تجھے ناپسند ہو۔ (2) یعنی تیری زندگی، موت، تہی دامنی اور محرومی پر افسوس ہے۔ اترانے والے، جھٹلانے والے کے لیے زبردست ڈراوا ہے۔ (مخبرین کثیر: 2/2159)

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿كُلُوا وَتَمَتُّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ تُجْرِمُونَ﴾ ”سو تم تھوڑا سا کھا لو اور فائدہ اٹھا لو، بلاشبہ تم ہی مجرم ہو۔“ (المرسلات: 46)

﴿ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾

”پھر تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ (35)

سوال: ﴿ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ”پھر تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ”پھر تیرے لیے یہی لائق ہے، پھر یہی لائق ہے“ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے آیات: ﴿أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ﴿ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ﴿ثُمَّ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ﴾ ان کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے

بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ ابو جہل سے فرمائے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے بھی انھیں قرآن مجید میں نازل فرمادیا۔ (سنن نسائی: 11638)

(2) ان آیات میں یہ احکام اور ان کی تکرار وعید اور ڈراوے کے لیے ہیں۔

﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾

”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے یونہی بغیر پوچھے چھوڑ دیا جائے گا؟“ (36)

سوال: ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾ ”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے یونہی بغیر پوچھے چھوڑ دیا جائے گا؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى﴾ ”کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اُسے یونہی بغیر پوچھے چھوڑ دیا جائے گا؟“ یعنی کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے دنیا میں یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا، نہ اسے نیکی کا حکم دیا جائے گا، نہ برائی سے روکا جائے گا اور آخرت میں اس کے اعمال کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ نہ اسے ثواب دیا جائے گا، نہ عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور حکمت کے خلاف ہے۔ مومن اور کافر اطاعت گزار اور نافرمان برابر نہیں ہو سکتے۔

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِيُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ﴾ ”یقیناً قیامت آنے والی ہے، قریب ہے کہ میں اُسے چھپاؤں تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ دیا جائے جو اس نے کوشش کی۔“ (طہ: 15)

(3) ﴿أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ﴾ ”کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے زمین میں فساد پھیلانے والوں کی طرح کر دیں؟ کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں جیسا کر دیں؟“ (ص: 28)

(4) یقیناً اسے دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ دنیا میں بھی اسے شریعت کی پابندی کرنی ہوگی اور آخرت میں اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ موت کے بعد کی زندگی برحق ہے۔

﴿أَلَمْ يَكْ نُطْفِقَهُ مِنْ مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾

”کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو گرایا جاتا ہے؟“ (37)

سوال: ﴿أَلَمْ يَكْ نُطْفِقَهُ مِنْ مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾ ”کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو گرایا جاتا ہے؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿أَلَمْ يَكْ نُطْفِقَهُ مِنْ مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ﴾ ”کیا وہ منی کا قطرہ نہ تھا جو گرایا جاتا ہے؟“ اللہ رب العزت نے انسان کو اس کی تخلیق یا دد لائی ہے کہ انسان جو اپنے رب سے بے پروا ہو جاتا ہے، اکثر تباہ اور اپنے آپ کو جواب دہ نہیں سمجھتا۔ وہ غور تو کرے حقیر پانی کا کمزور نطفہ ہی تو

تھا جو ماں کے رحم میں ڈالا گیا۔ نہ اس میں زندگی تھی اور نہ کوئی حقیقت۔

﴿ثُمَّ كَانَ عِلْقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى﴾

”پھر وہ جما ہوا خون بنا پھر اُس نے پیدا کیا اور پھر درست بنا دیا“ (38)

سوال: ﴿ثُمَّ كَانَ عِلْقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى﴾ ”پھر وہ جما ہوا خون بنا پھر اُس نے پیدا کیا اور پھر درست بنا دیا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿ثُمَّ كَانَ عِلْقَةً﴾ ”پھر وہ جما ہوا خون بنا“ اللہ رب العزت نے واضح فرمایا ہے کہ نطفے کو اس نے علقہ خون کا لوتھڑا بنایا۔
 (2) ﴿فَخَلَقَ فَسَوَّى﴾ ”پھر اُس نے پیدا کیا اور پھر درست بنا دیا“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کتنے مراحل سے گزار کر اس کی تخلیق کی۔ بے شکل کی بوٹی کو شکل بھی دی۔ اس کے وجود کو ہڈیوں کے ڈھانچے پر سیدھا کھڑا کیا اور اسے شکل و صورت والا بنایا پھر اس میں روح پھونکی اور صحیح سالم انسان کی صورت میں دنیا میں بھیج دیا۔

﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى﴾

”پھر اُس نے اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں“ (39)

سوال: ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى﴾ ”پھر اُس نے اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: ﴿فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَى﴾ ”پھر اُس نے اس سے مرد اور عورت کی دو قسمیں بنائیں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو مرد اور عورت کی صورت میں دنیا میں بھیجا تا کہ نسل انسانی کا سلسلہ جاری رہے۔

﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُلْحِقَ الْمَوْتَى﴾

”کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے؟“ (40)

سوال: ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُلْحِقَ الْمَوْتَى﴾ ”کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَدِيرٍ عَلَىٰ أَنْ يُلْحِقَ الْمَوْتَى﴾ ”کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ کرے“ اللہ رب العزت نے اپنی بے مثال کارگیری یعنی پانی کے ایک قطرے سے جیٹا جاگتا، چلتا پھرتا صحیح سالم انسان بنانے سے یہ دلیل دی ہے کہ کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ اسی انسان کو فنا کرے پھر دوبارہ اپنے مقررہ وقت پر پیدا فرمادے۔
 (2) جب اس نے ایک بے بنیاد چیز کو جیٹا جاگتا انسان بنا دیا تو انسان کو فنا کر کے دوبارہ بنا دینا تو بہت ہی آسان ہے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ﴾ ”اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے، پھر وہی اُس کا اعادہ کرے گا اور وہ اُس پر آسان ترین ہے۔“ (الروم: 27)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكْ شَيْئًا﴾ (۱۰) ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْضُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنَنْحَضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا﴾ (۱۱) ”اور کیا انسان یا شیطان کہتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے بھی اسے پیدا کیا تھا حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو شیاطین سمیت ضرور اکٹھا کریں گے پھر ہم ضرور انہیں جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل گرے ہوئے حاضر کریں گے۔“ (مریم: 67، 68)

﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾

”ہم نے انسان کو بلاشبہ ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اُس کو خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنایا“ (2)

سوال: ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ﴾ ”ہم نے انسان کو بلاشبہ ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ﴾ ”ہم نے انسان کو بلاشبہ ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا“، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا آغاز مرد اور عورت کے پانی سے کیا۔

(2) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مرد کا پانی سفید، گاڑھا اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے، ان میں سے جو غالب آجائے یا سبقت کر جائے اسی سے (بچے کی) مشابہت ہوتی ہے۔“ (مسلم: 710)

(3) ﴿نَّبْتَلِيهِ﴾ ”تاکہ ہم اسے آزمائیں“ ہم اس کے ذریعے سے اس کو آزما تے ہیں تاکہ ہم جان لیں کہ آیا وہ اپنی پہلی حالت کو چشم بصیرت سے دیکھ اور اس کو سمجھ سکتا ہے یا اس کو بھول جاتا ہے۔ اور اس کو اس کے نفس نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ (تفسیر صدی: 2881، 2882/3)

(4) رب العزت نے فرمایا: ﴿يَبْتَلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔“
(الملك: 2) ﴿فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ ”سو ہم نے اُس کو خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا بنایا“ انسان کو کان اور آنکھیں اس لیے عطا کیں کہ امتحان کا مقصد پورا ہو، وہ کانوں سے حق کی دعوت سنے اور آنکھوں سے دیکھ بھال کرتی کا راستہ اختیار کرے۔ یعنی ان دونوں قوتوں سے برائی اور بھلائی میں فرق کر سکے۔

﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾

”بلاشبہ ہم نے اُس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا ناشکر“ (3)

سوال: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ ”بلاشبہ ہم نے اُس کو راستہ دکھا دیا خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا ناشکر“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ﴾ ”بلاشبہ ہم نے اُس کو راستہ دکھا دیا“، یعنی ہم نے حق کا راستہ کھول کر دکھا دیا۔ اب ہدایت اور

گرا ہی خیر اور شر کا راستہ واضح ہو گیا رب العزت نے فرمایا: ﴿وَهَذَا يَهْدِيهِ النَّجْدَيْنِ﴾ ”اور ہم نے اُس کو دو راستے بتا دیے ہیں۔“ (البلد: 10) اس مقصد کے لیے رب العزت نے رسول بھیجے، کتابیں بھیجیں اور وہ راستہ دکھایا جو سیدھا اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے۔

(2) رب العزت نے راستہ واضح بھی کیا، اس کی رغبت بھی دلائی اور ان نعمتوں کے بارے میں واضح فرمایا جو اسے رب کے پاس پہنچنے پر حاصل ہوں گی۔

(3) رب العزت نے اس راستے سے بھی خبردار کیا ہے جو ہلاکت کے گھر تک پہنچاتا ہے۔ اور اس سے ڈرایا ہے کہ اگر اس راستے پر چلو گے تو کیا سزا ملے گی۔

(4) جیسا کہ قوم شمود کے بارے میں فرمایا: ﴿وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَعَبُوا الْعَلَمَىٰ عَلَىٰ الْهُدَىٰ فَأَخَذْنَا مَطْبَعَهُمُ الْعَذَابَ الْهُونَ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اور جو شمود تھے تو ہم نے انہیں ہدایت کا راستہ دکھا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر اندھے رہنے کو پسند کیا تو اُن کو رسوائی کے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا، اُس کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے۔ (سج: 17)

(5) ﴿إِنَّمَا شَاكِرًا وَإِنَّمَا كَفُورًا﴾ ”خواہ وہ شکر کرنے والا ہو یا ناشکر“ اللہ رب العزت نے یہ واضح فرمایا کہ کیسے ہدایت پانے کے بعد بندے دو قسموں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اول: اس نعمت پر شکر ادا کرنے والا بندہ جس سے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہرہ مند کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کو ادا کرنے والا جن کی ذمہ داری کا بوجھ اللہ تعالیٰ نے اس پر ڈالا ہے۔ ثانی: نعمتوں کی ناشکری کرنے والا، اللہ تعالیٰ نے اس کو دینی اور دنیاوی نعمتوں سے بہرہ مند کیا مگر اس نے ان نعمتوں کو ٹھکرا دیا اور اپنے رب کے ساتھ کفر کیا اور اس راستے پر چل نکلا جو ہلاکت کی گھاٹیوں میں لے جاتا ہے۔ (تیسرہ سہی: 2885/3)

(6) ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَن شَاءَ فَلْيُكْفِرْ﴾ ”اور آپ کہہ دیں تمہارے رب کی جناب سے یہی حق ہے پھر جو چاہے سو وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو وہ کفر کرے۔“ (الکہف: 29)

(7) نبی ﷺ نے فرمایا: ”صبح صبح ہر شخص اپنا نفس فروخت کرتا ہے پھر یا تو اسے تباہ کر ڈالتا ہے، یا آزاد کر لیتا ہے۔“ (مسلم) یعنی یہ اس کے اعمال ہیں جن سے وہ تباہ بھی ہوتا ہے اور جہنم سے آزاد بھی ہوتا ہے۔

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا﴾

”یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے“ (4)

سوال: ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا﴾ ”یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلْسِلًا﴾ ”یقیناً ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں تیار کر رکھی ہے“ اللہ رب العزت نے ان لوگوں کے انجام کے بارے میں واضح فرمایا ہے جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی اور ان کے لیے جہنم کی آگ کی زنجیریں تیار ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے۔
 ﴿ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ﴾ ”ایک ایسی زنجیر میں جس کی پیمائش ستر ہاتھ ہے اس کو جکڑ دو۔“ (الاحقاف: 32)
 (2) ﴿وَاعْلَلَّا﴾ ”اور طوق“ یعنی وہ طوق جن کے ذریعے ان کے ہاتھوں اور ان کی گردنوں کو ایک ساتھ باندھ کر انہیں جکڑ دیا جائے گا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِذِ الْعِلُّ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ﴾ (۱) ”فی الْحَمِيمِ“ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۲﴾“ ”جب طوق اور زنجیریں ان کی گردنوں میں ہوں گے، وہ گھسیٹے جا رہے ہوں گے۔ کھولتے ہوئے پانی میں، پھر وہ آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔“ (مومن: 72، 71)

(3) ﴿وَسَجَّيْرًا﴾ ”اور بھڑکتی آگ“ جہنم کی آگ لوگوں کے ساتھ بھڑکے گی اور ان کے بدنوں کو جلا دے گی جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَأْتِيهِمْ نَضُجَّتْ جُلُودُهُمْ بَلَدًا لَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ”بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔“ (النساء: 56)

﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا﴾

”یقیناً نیک لوگ ایسے ساغر سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی“ (5)

سوال: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا﴾ ”یقیناً نیک لوگ ایسے ساغر سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) خوش نصیب لوگوں کے استقبال کے بارے میں رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ﴾ ”یقیناً نیک لوگ“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فرماں بردار، اپنے ایمان، اقوال، اور احوال میں سچے لوگ۔ (ابیر التھامیر: 1706)
 (2) وہ جن لوگوں کے دل نیک ہیں کیونکہ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی محبت اور اخلاق جمیلہ ہیں۔ پس اس سبب سے ان کے اعمال بھی نیک ہیں انہوں نے ان کو نیک اعمال میں استعمال کیا ہے۔ (تفسیر سدی: 3/2883، 2884)
 (3) ابرار سے مراد سچے اور مقرب لوگ ہیں اور وہ صدیقین ہیں۔ (قرطبی: 19/93)
 (4) ﴿يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا﴾ ”ایسے ساغر سے پئیں گے جس میں کافور کی آمیزش ہوگی“ خوش نصیب لوگوں کا

استقبال کیسے ہوگا؟ ان کی تواضع جس مشروب سے کی جائے گی اس میں کافور کی آمیزش ہوگی تاکہ وہ اس کی گرمی کو ختم کر کے ٹھنڈا کر دے۔ یہ کافور انتہائی لذیذ ہوگا۔ دنیا کے کافور سے مختلف ہوگا۔

﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا﴾

”ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ بہا لے جائیں گے اس کو خوب بہا کر لے جانا“ (6)

سوال: ﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا﴾ ”ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ بہا لے جائیں گے اس کو خوب بہا کر لے جانا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا﴾ ”ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے وہ بہا لے جائیں گے اس کو خوب بہا کر لے جانا“ یعنی اللہ کے بندے شراب پئیں گے اس کے ختم ہونے کا اندیشہ نہیں ہوگا۔ ہمیشہ جاری رہنے والا چشمہ ہوگا۔

(2) پانی اور شراب پینے کے لیے انہیں دریا پر جانا نہیں پڑے گا بلکہ ان کے محلات کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ جس طرف چاہیں گے نہریں نکال لیں گے کبھی باغات کی طرف، کبھی محلات کے اندرونی حصوں کی طرف لے جائیں گے۔

﴿يَوْمَ فُؤَنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾

”جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی آفت بہت زیادہ پھیل جانے والی ہے“ (7)

سوال: ﴿يَوْمَ فُؤَنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ ”جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی آفت بہت زیادہ پھیل جانے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَوْمَ فُؤَنَ بِالنَّذْرِ﴾ ”جو اپنی نذر پوری کرتے ہیں“ نعمتوں سے کلام کا رخ نیک لوگوں کے افضل اعمال کی طرف موڑ دیا گیا۔ ان کے کاموں اور نعمتوں کی رغبت دلانے کے لیے۔ (ایرانغابیر: 1708، 1707)

(2) یعنی وہ دنیا میں اطاعت کے کام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ و صدقات اپنے رب کی قربت کے لیے انجام دیتے تھے اور نذروں اور معاہدوں کو اپنے اوپر لازم کر لیتے تھے۔

(3) نذر کسی پر واجب نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی ایسا کام خود اپنے آپ پر واجب کر لے۔ تو جو نذروں کو پورا کرتے رہے وہ فرائض کو بدرجہ اولیٰ پورا کرتے ہوں گے۔

(4) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نذر انسان کو کوئی ایسی چیز نہیں دیتی جو اس کے مقدر میں نہ ہو، البتہ اللہ تعالیٰ اس

کے ذریعے بخیل سے اس کا مال نکلو اتنا ہے اور اس طرح وہ چیزیں صدقہ کر دیتا ہے جس کی اس سے امید نہیں کی جاسکتی تھی۔ (بخاری: 6694)

(5) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے جاہلیت میں نذرمانی تھی کہ مسجد حرام میں ایک رات کا اعکاف کروں گا نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نذر پوری کرو۔ (بخاری: 6697)

(6) سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ایک نذر کے بارے میں پوچھا جو ان کی والدہ کے ذمہ باقی تھی اور ان کی موت نذر پوری کرنے سے پہلے ہو گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے نذر پوری کر دیں چنانچہ بعد میں یہی طریقہ مسنون قرار پایا۔ (بخاری: 6698)

(7) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صاحب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ میری بہن نے نذرمانی تھی کہ حج کریں گی لیکن اب ان کا انتقال ہو چکا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ان پر کوئی قرض ہوتا کیا تم اسے ادا کرتے؟ انہوں نے عرض کی، ضرور ادا کرتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پھر اللہ کا قرض بھی ادا کر دو کیونکہ وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کا قرض ادا کیا جائے۔ (بخاری: 6699)

(8) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص کو کھڑے دیکھا۔ نبی ﷺ نے اس کے متعلق پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ یہ ابو اسراہیل نامی ہیں۔ انہوں نے نذرمانی ہے کہ کھڑے ہی رہیں گے، بیٹھیں گے نہیں، نہ کسی چیز کے سایہ میں بیٹھیں گے اور نہ کسی سے بات چیت کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ بات کریں، سایہ کے نیچے بیٹھیں اٹھیں اور اپنا روزہ پورا کر لیں۔ (بخاری: 6704)

(9) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کعبہ کے پاس سے گزرے تو کعبہ کا ایک شخص اس طرح طواف کر رہا تھا کہ دوسرا شخص اس کے ناک میں رسی باندھ کر اس کے آگے سے اس کی راہ نمائی کر رہا تھا۔ نبی ﷺ نے وہ رسی اپنے ہاتھ سے کاٹ دی پھر حکم دیا کہ ہاتھ سے اس کی راہ نمائی کرو۔ (بخاری: 6703)

(10) ”سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معصیت میں نذر کا مکمل کرنا درست نہیں اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔“ (ابوداؤد: 3290)

(11) ﴿لَكُمْ لِيَقْضُوا تَفْعَلَهُمْ وَلِيُؤْفُوا نَذْوَرَهُمْ وَلِيُظَلُّوا قَوْلًا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ ”پھر چاہیے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا خوب طواف کریں۔“ (ابو داؤد: 29)

(12) سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی کریم ﷺ سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، اس کے بعد ان کا جو اس کے قریب ہوں گے، اس کے بعد وہ جو اس کے قریب ہوں“ عمران نے بیان کیا کہ مجھے یاد نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے کے بعد دو کا ذکر کیا تھا یا تین کا۔ فرمایا: ”پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو نذر مانے گی اور اسے پورا نہیں کرے گی خیانت کرے گی

اور ان پر اعتماد نہیں رہے گا، وہ گواہی دینے کے لیے تیار رہیں گے جبکہ ان سے گواہی کے لیے کہا بھی نہیں جائے گا اور ان میں موٹا پانچام ہو جائے گا۔“ (صحیح بخاری: 6695)

(13) ﴿وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانُ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا﴾ ”اور اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس کی آفت بہت زیادہ پھیل جانے والی ہے“ نیک لوگوں کے اعمال کے پیچھے جو ذہن کام کرتا ہے اس کی وضاحت ہے کہ وہ اس دن کا خوف رکھتے تھے جس کی برائی ہمہ گیر ہے۔ انہیں خوف تھا کہ اللہ کے سامنے حاضری کے وقت انہیں کوئی برائی نہ پہنچ جائے اس لیے انہوں نے ہر وہ راستہ چھوڑ دیا جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تک پہنچانے والا تھا۔

(14) مستطیر (مادہ - ط ی ر) بمعنی چار سو پھیلی ہوئی آفت۔ پوری پوری فضا کو متاثر کرنے والی تکلیف اور مصیبت۔ جس دن سورج بالکل زمین کے قریب لے آیا جائے گا اور حرارت اور گھبراہٹ کے مارے لوگوں کا برا حال ہوگا۔ اس دن کے شر سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو پہلے ہی اس دن کے شر سے ڈر کر اللہ کے فرمانبردار بن کر رہے ہوں گے۔ (تیسیر القرآن: 56714)

﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

اور وہ باجود اس (کھانے) کی محبت کے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں“ (8)

سوال: ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ ”اور وہ باجود اس (کھانے) کی محبت کے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾ ”اور وہ باجود اس (کھانے) کی محبت کے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں“ جنت کی لذتیں ان کے لیے ہیں جو اپنا مال اللہ کی خوشی کے لیے اس کی محبت میں ضرورت مندوں پر لگاتے ہیں۔ (2) وہ مال کی محبت کے باوجود مستحق اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

(3) وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو اپنے نفس کی محبت پر مقدم رکھتے ہیں اور مال کو اس کے راستے میں خرچ کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَإِذِ الْمَالُ عَلَىٰ حُبِّهِ كَوَى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتِيمَ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَنِّ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّادِقِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالطَّرَآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ”اور مال دے اس کی محبت کے باوجود رشتے داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلاموں کو چھڑانے میں اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی اور اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں جب وہ عہد کریں اور تنگ دستی، تکلیف اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں، یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچ کہا اور یہی متقی لوگ ہیں۔“ (البقرہ: 177)

(4) اللہ کے یہاں کسی کو نیکی کا اعلیٰ مقام نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنا محبوب مال اس کے راستے میں خرچ نہ کرے۔

(5) ابن منذر نے ابن جریر سے ﴿وَأَسِيدًا﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسلمانوں میں سے کسی کو قید نہیں کیا کرتے تھے لیکن یہ آیت کافروں کے قیدیوں کے بارے نازل ہوئی ہے۔ کافر عذاب میں ان کو قید کر لیا کرتے تھے تو رسول اکرم ﷺ ان کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن عباس: 439/3) (تفسیر القرطبی: 130/19)

(6) ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (۱) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ (۲) فَكُ رَقَبَةً (۳) أَوْ إِطْعَمُ فِي يَوْمٍ مَسْغَبَةً (۴) يَبِيحًا ذَا مَقْرَبَةً (۵) أَوْ مَسْكِيئًا ذَا مَتْرَبَةٍ (۶)﴾ ”سو وہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔ اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کا چھڑانا۔ یا بھوک والے دن کھانا کھلانا۔ کسی رشتہ دار یتیم کو۔ یا خاک نشین محتاج کو۔“ (البلد: 11,16)

(7) سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ اندھے تھے اس لیے اپنے مصلیٰ سے دروازے تک ایک دھاگا باندھ رکھا تھا۔ جب کوئی مسکین آتا تو ٹوکری سے کچھ کھجوریں لے لیتے اور دھاگے کے سہارے سے دروازہ تک آ کر اس کو دے دیتے گھر کے لوگوں نے کہا ”ہم آپ کا یہ کام کر سکتے ہیں“ بولے ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسکین کو دینا بری جگہ پر گرنے سے محفوظ رکھتا ہے۔“ ایک دن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی حالت میں ایک مسکین نے سوال کیا انہوں نے لوٹڈی سے کہا کہ ”وہ روٹی اس کو دے دو“ اس نے کہا ”افطار کس چیز سے کریں گی؟“ بولیں ”دے دو“ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھیجا دیا، لوٹڈی کو بلا کر کہا ”لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے۔“ (سیرۃ الصحابہ: 186/5)

(9) سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”قیدیوں کو آزاد کراؤ، بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو۔“ (بخاری: 3046)

(10) تندرستی اور حالت بخل کا صدقہ بڑی فضیلت والا ہے۔ جب تمہیں مال کی محبت، حرص اور حاجت ہو اس وقت کا صدقہ کرنا افضل ہے۔

(11) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اس وقت مشرک ہی قیدی تھے۔ آپ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کی خاطر داری کا حکم دیا تھا۔ انہیں مسلمان اپنے سے اچھا کھانا کھلاتے تھے۔ (مختصر ابن کثیر: 2162/2) (12) اسیر سے مراد غلام بھی ہیں۔

(13) غلاموں، کمزوروں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کے لیے آپ ﷺ نے بہت نصیحتیں فرمائیں حتیٰ کہ جب آپ ﷺ دنیا سے کوچ کر رہے تھے۔ اس وقت آخری وصیت نماز اور غلاموں کا خیال رکھنے سے متعلق کی۔

﴿إِنَّمَا نَطْعُمُكُمْ لَوْ جِهَ اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾

”یقیناً ہم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں اور نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر یہ“ (9)

سوال: ﴿إِنَّمَا نَطْعُمُكُمْ لَوْ جِهَ اللَّهُ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾ ”یقیناً ہم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تمہیں

کھلاتے ہیں اور نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر یہ“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَأَمَّا نُظَمِكُمْ لِيُوجِبَ اللَّهُ﴾ ”یقیناً ہم صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے تمہیں کھلاتے ہیں“ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے حصول کے لیے تمہارے ساتھ حسن معاملہ کر رہے ہیں۔

(2) ﴿لَا تُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا﴾ اور ہم نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ ہی شکر یہ“ ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں کوئی مالی جزا دو، نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم لوگوں کے سامنے ہماری تعریفیں بیان کرو۔

(3) ابن جبیر کہتے ہیں: ”اللہ کی قسم وہ اپنی زبان سے کچھ نہ کہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلی جذبہ کو دیکھ کر ان کی تعریف فرمائی تاکہ دوسروں میں بھی رغبت پیدا ہو۔“ (ابن کثیر) (اشرف المصنفین)

﴿إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾

”بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو سخت منہ چڑھانے والا، تیوری چڑھانے والا ہوگا“ (10)

سوال: ﴿إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ ”بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو سخت منہ چڑھانے والا، تیوری چڑھانے والا ہوگا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا﴾ ”بے شک ہم اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو سخت منہ چڑھانے والا، تیوری چڑھانے والا ہوگا“ یعنی ہم آپ کے ساتھ حسن سلوک صرف اس لیے کرتے ہیں کہ نہایت سخت اور شر والے دن اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے اور ہمارے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ فرمائے۔

(2) ﴿قَمْطَرِيرًا﴾ ”تیوری چڑھانے والا ہوگا“ اس دن جو نہایت تنگ، سخت پریشان کن ہوگا۔

(3) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: اے عائشہ! قیامت کے دن سب لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، بغیر ختنہ کے جمع کیے جائیں گے۔“ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! مرد اور عورت ایک ساتھ ہوں گے تو کیا وہ ایک دوسرے کو دیکھیں گے نہیں؟ آپ نے فرمایا: ”اے عائشہ! (اس دن) ایسی مصیبت طاری ہوگی کہ کوئی کسی کو نہیں دیکھے گا۔“ (مسلم: 7198) (4) اس دن کافروں کے چہرے سے سخت پریشانی نکلے گی۔ دہشت، خوف، تلخی اور سخت پریشانی ہوگی۔

﴿فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرًا وَسُرُورًا﴾

”چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے“ (11)

سوال: ﴿فَوْقَهُمُ اللَّهُ شَرُّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّهْمُ نَصْرًا وَسُرُورًا﴾ ”چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا

اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَوَفَّيْتَهُمُ اللَّهُ شَرَّ ذَلِكِ الْيَوْمِ﴾ ”چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُس دن کی مصیبت سے انہیں بچایا“ اللہ تعالیٰ انہیں اس دن کی گھبراہٹ سے اور اس کی برائی سے بچالیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَرَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ ”انہیں بڑی گھبراہٹ نکلے گی اور فرشتے اُن کے استقبال کو آئیں گے۔ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم وعدہ دیے جاتے تھے۔“ (الانعام: 103)

(2) ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِمَّنْ هَاجَ وَهُمْ مِنْ فَرَجٍ يَوْمَئِذٍ أَمْرُونَ﴾ ”جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اُس کے لیے اس سے بہتر ہے، اور وہ اُس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔“ (اہل: 89)

(3) ﴿وَلَقَّهْمُ نَصْرًا وَسُرُورًا﴾ ”اور انہیں تازگی اور خوشی عطا فرمائی ہے“ پس انہیں وہ عظیم گھبراہٹ غم زدہ نہیں کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کرتے ہوئے کہیں گے: ”یہ وہ دن ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا تھا۔“ (تیسرے حصے: 2885/3)

(4) حسن کا قول ہے کہ چہروں پر تازگی ہوگی اور دلوں میں سرور ہوگا جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَجُودًا يَوْمَئِذٍ نَاصِرًا﴾ (الیٰ رَبِّهَا نَاصِرًا) ﴿بَعْضُ چہرے اُس دن تازہ ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے۔“ (القیامہ: 22, 23)

(5) ﴿وَجُودًا يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرًا﴾ (صَاحِبَةً مُّسْتَبْشِرًا) ﴿”کچھ چہرے اُس دن چمکنے والے ہوں گے۔ مسکراتے ہوئے، ہشاش بشاش۔“ (ص: 38, 39) (6) اللہ تعالیٰ ان کے لیے ظاہری اور باطنی نعمتیں اکٹھی کر دے گا۔

﴿وَجَزَاهُمْ مِمَّا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا﴾

”اور اس کی وجہ سے جو انہوں نے صبر کیا بدلے میں انہیں جنت اور ریشم دیا“ (12)

سوال: ﴿وَجَزَاهُمْ مِمَّا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا﴾ ”اور اس کی وجہ سے جو انہوں نے صبر کیا بدلے میں انہیں جنت اور ریشم دیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَزَاهُمْ مِمَّا صَبَرُوا﴾ ”اور اس کی وجہ سے جو انہوں نے صبر کیا“ اللہ تعالیٰ انہیں صبر کی وجہ سے جنت اور اس کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

(2) یعنی ان کی جزا اس سبب سے ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کیا اور استطاعت بھرنیک عمل کیے اور اس سبب سے کہ انہوں نے برائیوں سے اجتناب پر صبر کیا اور ان کو چھوڑ دیا اور اس سبب سے بھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تکلیف دہ قضا و قدر پر صبر کیا اور اس ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ (تیسرے حصے: 2885/3)

(3) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: صبر چار چیزوں کا نام ہے۔ ان میں سے پہلا صبرِ صدمے کے پہلے موقع پر ہے اور فرائض کی ادائیگی پر صبر اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور سے اجتناب پر صبر اور مصائب پر صبر۔ (تفسیر قرطبی: 136/19)

(4) ﴿جَنَّاتٌ﴾ ”جنت“ یعنی وہ اعلیٰ مقام ہے جہاں ہر قسم کی نعمتیں، سلامتی اور عافیت ہوگی۔

(5) ﴿وَأَحْرِيًّا﴾ ”اور ریشم“ ریشم ان کا ظاہری لباس ہوگا جو ان کے حالات پر دلالت کرتا ہے۔

(6) رب العزت نے اہل جنت کے لباس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلِبَاسُ هُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ ”اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔“ (الحج: 23)

﴿مُتَّكِعِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرِيرًا﴾

”وہاں وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ اُس میں وہ شدید دھوپ دیکھیں گے اور نہ ہی بخ سردی“ (13)

سوال: ﴿مُتَّكِعِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرِيرًا﴾ ”وہاں وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے، نہ اُس میں وہ شدید دھوپ دیکھیں گے اور نہ ہی بخ سردی“ اہل جنت کی نشست اور جنت کا موسم کیسا ہوگا اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) اہل جنت کے گھروں ان کے مشروبات، خدمت گاروں اور ان کے لباس اور سدا بہار نعمتوں کے بارے میں اس آیت اور اگلی آیت میں ذکر ہے۔

(2) ﴿مُتَّكِعِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ ”وہاں وہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے“ جنت کی نشست کیسی ہوگی؟ اہل جنت ایسے تختوں پر بیٹھیں گے جن پر سجاوٹ والے کپڑے بچھائے جائیں گے۔

(3) ﴿لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمَهْرِيرًا﴾ ”نہ اُس میں وہ شدید دھوپ دیکھیں گے اور نہ ہی بخ سردی“ جنت کا موسم ہمیشہ خوشگوار رہے گا۔ سدا بہار موسم نہ پریشان کن گرمی، نہ تکلیف دہ سردی۔

(4) ﴿شَمْسٌ﴾ سے مراد دھوپ کی ایسی حدت ہے جو جسم کو ناگوار گزرتی ہے اور ﴿زَمَهْرِيرًا﴾ سے مراد شدت کی سردی ہے۔ جنت کا موسم دونوں انتہاؤں سے پاک ہوگا۔

﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا﴾

”اور جنت کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے۔ اور اُس کے خوشے اُن کے بالکل تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا“ (14)

سوال: ﴿وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا وَذُلَّتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا﴾ ”اور جنت کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے۔ اور اُس کے

خوشے اُن کے بالکل تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا، جنت کے پھل کیسے ہوں گے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَذَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلُّهَا﴾ اور جنت کے سائے اُن پر جھکے ہوں گے، جنت کے پھل کیسے ہوں گے؟ جنتی درختوں کی شاخیں لدی پھدی اور جھکی ہوئی ہوں گی۔ جب کبھی جنتی ان میں سے کوئی پھل توڑنا چاہیں گے وہ ان کے سامنے جھک جائیں گی۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿مُتَّكِئِينَ عَلَى فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَجَنَّا الْجَحْتَمِينَ ذَانٍ ﴿٥٥﴾ فَيَأْتِي آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبِينَ﴾ وہ مسندوں پر تکیہ لگائے ہوں گے جن کے استرموٹے ریشم کے ہوں گے اور دونوں بانحوں کے تروتازہ پھل بالکل ہی قریب ہوں گے۔ تو اے جن و انس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟“ (الرحمن: 54، 55)

(2) ﴿وَذَلَّلْتَ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا﴾ اور اس کے خوشے اُن کے بالکل تابع کر دیے جائیں گے، خوب تابع کیا جانا، جنت کے پھل چاہنے والوں کے قریب کر دیئے جائیں گے۔ وہ کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے، حتیٰ کہ لیٹے ہوئے بھی انہیں حاصل کر سکیں گے۔

﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِّنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا﴾

”اور اُن پر چاندی کے برتن اور پیالے پھرائے جائیں گے جو شیشے کے ہوں گے“ (15)

سوال: ﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِّنْ فَضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا﴾ اور اُن پر چاندی کے برتن اور پیالے پھرائے جائیں گے جو شیشے کے ہوں گے، اہل جنت کے برتن کیسے ہوں گے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِأَيَّةٍ مِّنْ فَضَّةٍ﴾ اور اُن پر چاندی کے برتن پھرائے جائیں گے، اہل جنت کے برتن ایسی چاندی کے ہوں گے جو شیشے کی طرح شفاف ہوگی۔

(2) ﴿وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرًا﴾ اور پیالے جو شیشے کے ہوں گے، یعنی ایسے گلاس ہوں گے جو شیشے کی طرح چمکتے ہوں گے کہ ان کے اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گا۔ ان چاندی کے بلوری گلاسوں کی دنیا میں کوئی مثال نہیں۔

﴿قَوَارِيرًا مِّنْ فَضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا﴾

”شیشہ بھی چاندی سے بنا ہوگا، انہوں نے اس کا اندازہ رکھا ہے، خوب اندازہ رکھنا“ (16)

سوال: ﴿قَوَارِيرًا مِّنْ فَضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا﴾ شیشہ بھی چاندی سے بنا ہوگا، انہوں نے اس کا اندازہ رکھا ہے، خوب اندازہ رکھنا، کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿قَوَارِيرًا مِّنْ فَضَّةٍ﴾ شیشہ بھی چاندی سے بنا ہوگا، یعنی شیشہ اپنی چمک، صفائی اور سفیدی میں چاندی کی طرح ہوگا اور اس کا رنگ چاندی جیسا ہوگا۔ (بخاری: 430/5)

(2) ﴿قَدَرُوا مَا تَقْدِرُونَ﴾ ”انہوں نے اس کا اندازہ رکھا ہے، خوب اندازہ رکھنا“ اہل جنت کے برتن ایسے تم اور مقدار میں آئیں گے جس کا اندازہ انہوں نے اپنے دلوں میں کیا ہوگا۔

﴿وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَان مِرَاجُهُآ زُجْجِيْلًا﴾

”اور انہیں جنت میں ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں سوٹھ کی آمیزش ہوگی“ (17)

سوال: ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَان مِرَاجُهُآ زُجْجِيْلًا﴾ ”اور انہیں جنت میں ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں سوٹھ کی آمیزش ہوگی“ جنت کے مشروبات کی وضاحت اس آیت کی روشنی میں کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا﴾ ”اور انہیں جنت میں ایسے جام پلائے جائیں گے“ اہل جنت کو چاندی کے بلوریں اور نایاب گلاسوں میں پر کیف اور پاکیزہ شراب پلائی جائے گی۔

(2) ﴿كَان مِرَاجُهُآ زُجْجِيْلًا﴾ ”جن میں سوٹھ کی آمیزش ہوگی“ زُجْجِيْل عُوْطْھ اور خشک اُدرک کو کہتے ہیں۔ اس کی آمیزش سے تلخی پیدا ہوتی ہے جو خوشگوار ہوتی ہے۔ جنت کی شراب میں زنجبیل کی آمیزش کی جائے گی جس سے اس کا ذائقہ اور خوشبودار و خوشگوار ہو جائیں گے۔

﴿عَيْنًا فِيهَا تُسْمِي سَلْسَبِيْلًا﴾

”اُس میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے“ (18)

سوال: ﴿عَيْنًا فِيهَا تُسْمِي سَلْسَبِيْلًا﴾ ”اُس میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَيْنًا فِيهَا تُسْمِي سَلْسَبِيْلًا﴾ ”اُس میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل رکھا گیا ہے“ زنجبیل جنت کی ایک نہر ہے جس کو سلسبیل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بڑی تیز چلتی ہے اور اس کی رواں گی قائم رہتی ہے جس کی شراب ہلکی اور زود ہضم ہے۔ (مضربین کثیر: 2/2164)

(2) اس کو یہ نام اس کے آسانی کے ساتھ حاصل ہونے، اس کی لذت اور اس کی خوبصورتی کی وجہ سے دیا گیا ہے۔ (تفسیر سہی: 3/2886)

﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّحَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا﴾

”اور اُن کے آس پاس کسں لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے، جب آپ انہیں دیکھیں گے

تو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں“ (19)

سوال: ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّحَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا﴾ ”اور اُن کے آس پاس کسں لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے، جب آپ انہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے

موتی ہیں، اہل جنت کے خدمت گار اور غلام کیسے ہوں گے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ﴾ ”اور ان کے آس پاس کسن لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہنے والے ہوں گے“ اہل جنت کے خدمت گار، جنتی بچے ان کی خدمت کے لیے آتے جاتے ہوں گے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی عمر پر رہیں گے یعنی کسن اور نوخیز۔ ان کا حسن و جمال اور خوب صورتی برقرار رہے گی۔

(2) ﴿وَإِذَا رَأَوْا آيَاتَهُمْ حَسِبَتْهُمُ لُجُؤًا مِّنْهُنَّ﴾ ”جب آپ انہیں دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں“ اہل جنت کے غلام بیش قیمت لباس میں ان کی خدمت کے لیے مقرر کیے جائیں گے۔ ان کو دیکھ کر یوں لگے گا جیسے جنت میں سفید تر و تازہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اس سے خوب صورت مثال ناممکن ہے۔ حسین و جمیل، ظاہری اور باطنی اوصاف سے آراستہ اہل جنت کی خدمت میں منتشر جیسے کسی نے تر و تازہ خوب صورت موتی مزین فرش پر بکھیر دیے ہوں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكَنُونٌ﴾ ”اور ان کے لیے نو عمر غلام پھر رہے ہوں گے گویا وہ چھپا کر رکھے موتی ہوں۔“ (المور: 24)

(3) یہ اہل جنت کی لذتوں کی تکمیل ہے کہ خدمت گاروں کا نظارہ بھی دل خوش کر دے۔

(4) خدمت گار اہل جنت کی آرام گاہوں میں وہ چیزیں لے کر آئیں گے جن کو وہ طلب کریں گے۔

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا﴾

”اور جب آپ دیکھیں گے تو وہاں بڑی نعمت اور عظیم بادشاہت آپ دیکھیں گے“ (20)

سوال: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا﴾ ”اور جب آپ دیکھیں گے تو وہاں بڑی نعمت اور عظیم بادشاہت آپ دیکھیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمْرًا﴾ ”اور جب آپ دیکھیں گے تو وہاں“، یعنی جب آپ اہل جنت کو جنت کی سدا بہار اور باکمال نعمتوں میں دیکھیں گے۔

(2) ﴿رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا﴾ ”تو وہاں بڑی نعمت اور عظیم بادشاہت آپ دیکھیں گے“، یعنی آپ کو جنت کا گوشہ گوشہ نعمتوں، راحت، سرور اور نور سے معمور نظر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان و شوکت نظر آئے گی۔

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا ان کی صورت چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہوگی اور جوان کے بعد داخل ہوں گے وہ بہت روشن ستارے کی طرح ہوں گے، ان سب کے دل (بوجہ باہمی محبت کے) مثل ایک شخص کے دل کے ہوں گے نہ ان میں اختلاف ہوگا اور نہ دشمنی، ان میں سے ہر ایک کے لیے ایسی حسین و جمیل اور

نازک مزاج دو، دو بیویاں ہوں گی، جن کی پنڈلیوں کا گودا گوشت کے اندر سے دکھائی دے گا، وہ صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کریں گے نہ کبھی بیمار ہوں گے نہ ان کی ناک میں کوئی آلائش آئے گی، نہ تھوکیں گے۔ ان کے برتن سونے اور چاندی کے اور کنگھے سونے کے ہوں گے اور ان کی انگلیٹھیوں کا ایندھن الوہ کا ہوگا اور ان کا پسینہ مشک جیسا ہوگا۔“ (بخاری: 3246)

(4) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ سب سے آخر میں جو آدمی جہنم سے نکالا جائے گا اور جنت میں بھیجا جائے گا، اس سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ”جا جنت میں داخل ہو جا، میں نے تجھے جنت میں وہ دیا جو مثل دنیا کے ہے، بلکہ اس سے بھی دس گناہ زیادہ۔“ (بخاری: 6571)

(5) جنت کے باغات، مشروبات، خدمت گار، ماحول عیش، رب کائنات کے خطاب کا سماع، اس کے قرب کی لذت، اس کے اقتدار کی قوت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہی بادشاہ ہے جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں۔

﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوْاْ اَسْوَدَ مِنْ فِضَّةٍ وَّسَفَّهُمْ

رَبَّهُمْ شَرَّ اَبَا طَهْوَرًا﴾

”اُن پر سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا رب

انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا“ (21)

سوال: ﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ وَحُلُّوْاْ اَسْوَدَ مِنْ فِضَّةٍ وَّسَفَّهُمْ رَبَّهُمْ شَرَّ اَبَا طَهْوَرًا﴾
”اُن پر سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور اُن کا رب پاکیزہ شراب پلائے گا“ نیک لوگوں کا لباس اور زیورات اور ان کی تواضع کیسے ہوگی۔ آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ﴾ ”اُن پر سبز باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے“ یعنی ان کو باریک اور دبیز ریشم کے سبز لباس پہنائے جائیں گے۔ سندس موٹے اور دبیز ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور استبرق باریک ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں۔

(2) ﴿وَحُلُّوْاْ اَسْوَدَ مِنْ فِضَّةٍ﴾ ”اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے“ مردوں اور عورتوں کو ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے، یہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے کیونکہ اپنے قول اور اپنی بات میں اس سے بڑھ کر کوئی سچا نہیں۔ (تیسری صدی: 2887/3) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿جَلَدْتُ عَدْنٍ يَدْخُلُوْنَ كَهَا يُحَلُّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسْوَدَ مِنْ ذَهَبٍ وَلَوْ لَوَا وَّلَبَّاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ﴾ ”ہمیشہ کی جنتیں جن میں وہ داخل ہوں گے، ان میں انہیں سونے کے کنگن اور موٹی پہنائے جائیں گے اور ان میں اُن کا لباس ریشم ہوگا۔“ (فاطر: 33)

(3) ﴿إِنَّ اللَّهَ يَدْخُلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُجْلُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ ”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیکیاں کیں، انہیں اللہ تعالیٰ جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں وہاں انہیں سونے کے نگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا لباس ریشم ہوگا۔“ (الحج: 23)

(4) ﴿وَسَفَّهُمْ رَبُّهُمْ شَرًّا بِآطَهُمْ﴾ ”اور ان کا رب انہیں پاکیزہ شراب پلانے گا“ جسمانی سرور جو لباس فاخرہ اور زیورات سے ملے گا، اس کے ساتھ ساتھ ان کا رب انہیں کیف اور سرور والی خوش ذائقہ، پاکیزہ شراب پلانے گا، وہ شراب خود بھی پاک ہوگی اور پینے والوں کو بھی پاک کر دے گی۔ پیٹ کی آلائشوں سے بھی اور حسد، کینے، غصے اور دوسرے برے اخلاق سے پاک کر دے گی۔

﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا﴾

”بلاشبہ یہی تمہارے لیے ہمیشہ کا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش ہمیشہ کے لیے قابل قدر ہے“ (22)

سوال: ﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا﴾ ”بلاشبہ یہی تمہارے لیے ہمیشہ کا بدلہ ہے اور تمہاری کوشش ہمیشہ کے لیے قابل قدر ہے“ اہل جنت کی حوصلہ فزائی اور عزت و توقیر کیسے کی جائے گی، وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً﴾ ”بلاشبہ یہی تمہارے لیے ہمیشہ کا بدلہ ہے“ یعنی یہ جنت تمہارے ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے تمہیں دی گئی ہے۔ (2) اہل جنت کی عزت و اکرام کے لیے احسان کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔

(3) ﴿وَكَانَ سَعْيَكُمْ مَشْكُورًا﴾ ”اور تمہاری کوشش ہمیشہ کے لیے قابل قدر ہے“ یعنی تم نے دنیا میں جو اعمال کیے وہ قبول ہو گئے۔

(4) سیدنا قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہوڑے اعمال کی بھی تدریسی کی ہے۔ (المعراج: 10/369)

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَتُودُوا أَنْ تَتَّكُمُ الْجِنَّةُ أَوْ تَتَّبِعُوا هَاتَيْنِ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”اور ہم ان کے سینوں سے ہر قسم کا کینہ نکال دیں گے، ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے: ”الحمد للہ“ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہمیں اللہ تعالیٰ ہی نے اس کے لئے ہدایت دی اور اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی بھی ہدایت نہ پاتے، بلاشبہ یقیناً ہمارے رب کے رسول یقیناً حق ہی لائے تھے“ اور وہ پکارے جائیں گے: ”یہ جنت کہ جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کا بدلہ ہے جو تم عمل کرتے تھے۔“ (الاعراف: 43)

(6) ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ﴾ ”مزے سے کھاؤ پو اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے تھے۔“ (المات: 24)

رکوع نمبر 20

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا﴾

”یقیناً ہم ہی نے آپ پر قرآن اتارا ہے، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا“ (23)

سوال: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا﴾ ”یقیناً ہم ہی نے آپ پر قرآن اتارا ہے، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا“ اہل جنت کی نعمتوں کے بعد جنت تک لے جانے والے قرآن کی نعمت کا ذکر فرمایا، وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا﴾ ”یقیناً ہم ہی نے آپ پر قرآن اتارا ہے، تھوڑا تھوڑا کر کے اتارنا“ اللہ رب العزت نے اپنا خاص احسان یا دد لایا ہے کہ یہ قرآن آہستہ آہستہ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ اس میں وعدے اور وعیدیں ہیں جن کی انسانوں کو ضرورت ہے۔

(2) اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے جس کی وجہ سے یکبارگی قرآن نازل نہیں کیا گیا بلکہ وقت اور حالات کی ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل کیا گیا۔ (3) قرآن نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور ان کی امت کو معزز بنایا۔

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آيْمًا أَوْ كَفُورًا﴾

”چنانچہ اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو، اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی بات نہ مانو“ (24)

سوال: ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آيْمًا أَوْ كَفُورًا﴾ ”چنانچہ اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو، اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی بات نہ مانو“ قرآن عظیم کے احکامات پر عمل کرنے کے لیے صبر و ثبات کا حکم دیا گیا، وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ﴾ ”چنانچہ اپنے رب کے فیصلے تک صبر کرو“ یعنی اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ثابت قدم رہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔

(2) ﴿وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آيْمًا أَوْ كَفُورًا﴾ ”اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی بات نہ مانو“ کا فر یا منافق آپ کو روکنا چاہیں تو ان کی بات کو نہ مانیں اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے رہیں۔

(3) ﴿وَلَا تُطِعْ﴾ معاندین حق کی اطاعت نہ کیجئے جو چاہتے ہیں کہ آپ کو راہ حق سے روک دیں۔ یعنی جو گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنے والا ہے اور نہ (اطاعت کریں) ﴿كَفُورًا﴾ کیونکہ کفار، فجور اور فسق کی اطاعت حتمی طور پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے کیونکہ یہ لوگ صرف اسی چیز کا حکم دیتے ہیں جسے ان کے نفس پسند کرتے ہیں۔ (سہی: 3/2887, 2888)

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾

”اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو“ (25)

سوال: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ ”اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو“ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرنے کے لیے ذکر اور پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، وضاحت کریں؟

جواب: (1) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے اور ذکر کی کثرت کے لیے صبر مدگار ثابت ہوتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ ”اور اپنے رب کا نام صبح و شام یاد کرو“ یعنی صبح و شام اپنے رب کا نام لیتے رہو اور صبح کی نماز اور ظہر، عصر، مغرب کی نماز اس کی رضا مندی کے لیے ادا کریں۔ (2) عشاء کی نماز کے علاوہ رات سونے کے بعد دوبارہ اٹھ کر تہجد پڑھیں۔ (3) اس میں فرض، نوافل، ذکر، تسبیح، تہلیل، تکبیر سب آجاتے ہیں۔

(4) ”بکرہ“ سے مراد پہلے پہر یا صبح کی نماز ہے اور ”اصیلا“ زوال آفتاب سے غروب آفتاب کے وقت کو کہتے ہیں یہ ظہر اور عصر کی نمازیں ہوئیں۔ اور اس سے اگلی آیت میں رات سے مراد شام اور عشاء کی نمازیں ہیں۔ اور ”لیلا طویلا“ سے مراد تہجد کی نماز ہے جو آپ ﷺ پر فرض تھی۔ (تیسرا قرآن: 572/4)

﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾

”اور رات کے کچھ حصے میں اُس کے لیے سجدہ کرو اور لمبی رات تک اُس کی تسبیح کیا کرو“ (26)

سوال: ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾ ”اور رات کے کچھ حصے میں اُس کے لیے سجدہ کرو اور لمبی رات تک اُس کی تسبیح کیا کرو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ﴾ ”اور رات کے کچھ حصے میں اُس کے لیے سجدہ کرو“ یعنی مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ (ابراہیم: 1710)

(2) ﴿وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾ ”اور لمبی رات تک اُس کی تسبیح کیا کرو“ یعنی رات کو رب کا کثرت سے ذکر کریں اور کثرت سے سجدے کریں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١﴾ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢﴾ نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿٣﴾ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ ﴿٤﴾ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿٥﴾﴾ ”اے چادر اوڑھنے والے! رات کو قیام کرو مگر کم۔ آدھی رات یا اُس سے تھوڑا کم کر لو۔ یا اُس پر کچھ اضافہ کر لو اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“ (الزلزلہ: 1، 4)

(3) ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ تَأْفِيلًا لَكَ فِي عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ ”اور رات کے کچھ حصے میں پھر اس کے

ساتھ بے دار رہیں یہ آپ کے لیے زائد عبادت ہے، قریب ہے آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کر دے۔“ (نبی اسرائیل: 79)

(4) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کی نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ آپ کے قدم پھٹ جاتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اتنی زیادہ مشقت کیوں اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا پھر میں شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؟ عمر کے آخری حصہ میں (جب طویل قیام دشوار ہو گیا تو) آپ ﷺ بیٹھ کر رات کی نماز پڑھتے اور جب رکوع کا وقت آتا تو کھڑے ہو جاتے (اور تقریباً تیس یا چالیس آیتیں اور پڑھتے) پھر رکوع کرتے۔ (بخاری: 4837)

(5) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔“ (مسلم: 2755)

(6) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”صرف دو آدمی ہی قابل رشک ہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا (اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) اور وہ اس کے ساتھ دن اور رات کے اوقات میں قیام کرتا ہے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور وہ اسے دن اور رات کے اوقات میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتا ہے۔“ (مسلم: 1894)

﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾

”بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں“ (27)

سوال: ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾ ”بے شک یہ لوگ جلدی ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہیں اور ایک بھاری دن کو اپنے پیچھے چھوڑ دیتے ہیں“ دنیا سے محبت کرنے والوں کی ترجیحات کی غلطی کو کیسے واضح کیا گیا ہے، بیان کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ﴾ ”بے شک یہ لوگ“ یعنی وہ لوگ جنہوں نے نبی ﷺ کو اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو جھٹلایا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئیں۔ انہیں ترغیبات دی گئیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا پھر بھی ان کی ترجیحات نہیں بدلیں۔

(2) ﴿يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ﴾ ”جلدی ملنے والی چیز سے محبت رکھتے ہیں“ وہ دنیا ہی سے محبت کرتے ہیں، دنیا کی قیدی اسی پر مطمئن رہتے ہیں جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ ”بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔“ (الاعلیٰ: 16)

(3) ﴿وَيَذَرُونَ﴾ ”اور چھوڑ دیتے ہیں“ یعنی عمل کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔

(4) ﴿وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا﴾ ”ایک بھاری دن کو اپنے پیچھے“ یعنی آگے جو قیامت کا دن آنے والا ہے جو بڑا بھاری دن ہے، جس کی مقدار ہمارے حساب سے پچاس ہزار سال ہے، اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(5) دنیا میں الجھ کر آخرت کو چھوڑ دینا عقل مندی نہیں ہے۔ دنیا کی محبت تو ہر خطا کی بنیاد ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿أَزْهَدَ فِي الدُّنْيَا يُبَيِّتُكَ اللهُ، وَأَزْهَدَ فِيهَا عِنْدَ النَّاسِ يُبَيِّتُكَ النَّاسُ﴾ دنیا سے بے رغبتی اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے رغبتی اختیار کرو گے تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔ (ابن ماجہ)

﴿تَحْنُ خَلْقَهُمْ وَشَدَّدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا﴾

”ہم ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط باندھے ہیں اور ہم جب چاہیں گے بدل کر ان جیسے لوگ لے آئیں گے، بدل کر لانا“ (28)

سوال: ﴿تَحْنُ خَلْقَهُمْ وَشَدَّدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا﴾ ”ہم ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط باندھے ہیں اور ہم جب چاہیں گے بدل کر ان جیسے لوگ لے آئیں گے، بدل کر لانا“ موجودہ زندگی موت کے بعد کی زندگی کی دلیل ہے اس آیت کی روشنی میں وضاحت کریں؟
جواب: (1) اللہ رب العزت نے موت کے بعد کی زندگی پر تخلیق کی ابتداء سے عقلی دلیل دی ہے ﴿تَحْنُ خَلْقَهُمْ﴾ ”ہم ہی نے انہیں پیدا کیا ہے“ یعنی ہم انسان کے خالق ہیں اسے عدم سے وجود میں لائے ہیں۔

(2) ﴿وَشَدَّدْنَا أَسْرَهُمْ﴾ ”اور ہم ہی نے ان کے جوڑ بند مضبوط باندھے ہیں“ یعنی ہم نے اس کی تخلیق کو تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے ظاہری اور باطنی اعضاء، اس کے اعصاب، رگیں، پٹھے، اس کے پورے جسم کو مکمل کیا اب وہ جو چاہے کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔
(3) ﴿وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا﴾ ”اور ہم جب چاہیں گے بدل کر ان جیسے لوگ لے آئیں گے، بدل کر لانا“ جب ہم اس حالت میں وجود میں لائے ہیں تو موت کے بعد دوبارہ جزا سزا دینے کے لیے زندہ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔
(4) ہم نے انہیں قیامت کے بعد دوبارہ اٹھنے کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ انہیں ان کے اعمال کی جزا سزا دی جائے۔
(5) جس ہستی نے دنیا میں مختلف مراحل سے گزارا ہے اس کی شان کے لائق نہیں کہ انہیں بے کار چھوڑ دے۔

(6) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ أَهْلِيهَا النَّاسِ وَيَأْتِ بِأَخْرَيْنَ ۗ وَكَانَ اللهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ قَدِيرًا﴾ ”اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اے لوگو! اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر ہمیشہ سے پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔“ (النساء: 133)

(7) ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهُ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ اِنْ يَشَآءُ يُدْهِبْكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۗ وَمَا ذٰلِكَ عَلَىٰ اللهُ بِعَزِيْزٍ ۙ﴾ ”کیا آپ نے دیکھا نہیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بلاشبہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھی دشوار نہیں ہے۔“ (ابراہیم: 19، 20)

﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾

”بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ بنالے“ (29)

سوال: ﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ ”بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ بنالے“ قرآن نصیحت ہے اس کا راستہ اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے، اس کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ﴾ ”بلاشبہ یہ تو ایک نصیحت ہے“ یعنی یہ قرآن ایک ایسی نصیحت ہے جس سے ایمان لانے والا فائدہ اٹھاتا ہے۔

(2) قرآن میں ترغیب اور ترہیب ہے جو اس کے راستے پر چلنے اس کے لیے ترغیب اور جو قرآن کے بتائے ہوئے راستے سے بھاگے اس کے لیے ترہیب ہے۔

(3) ﴿فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا﴾ ”تو جو چاہے اپنے رب کی طرف (جانے والا) راستہ بنالے“ قرآن کا راستہ رب تک پہنچاتا ہے، قرآن مجید کے ذریعے رب العزت نے واضح فرمادیا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا، ہدایت کیا ہے اور گمراہی کیا ہے۔ اب جو چاہے یہ راستہ اختیار کر لے۔ (4) اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ (احشاء البیان: 398/8)

﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

”اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ (30)

سوال: ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اس آیت کی روشنی میں واضح کریں؟

جواب: (1) ﴿وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ ”اور تم نہیں چاہتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے، اس کی اطاعت کے لیے آپ کا اختیار کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔

(2) ہدایت اور ایمان پر کوئی قدرت نہیں رکھتا جب تک اللہ تعالیٰ نہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون ہدایت کا مستحق ہے۔ حق رکھنے والے کے لیے وہ راہیں آسان فرمادیتا ہے۔

(3) سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے: تمام بنی آدم کے دل رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں، جسے چاہتا ہے اسے پھیر دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: ”اے اللہ! دلوں کے پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔“ (مسلم: 6750)

(4) ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے“ اللہ تعالیٰ حکیم ہے ہدایت پانے والے کی ہدایت اور گمراہ کی گمراہی میں اس کی حکمت پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے علم کلی سے ہدایت اور گمراہی کا فیصلہ کرتا ہے۔

﴿يَدْخُلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

”وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ (31)

سوال: ﴿يَدْخُلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لیے اُس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿يَدْخُلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ﴾ ”وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے“ یعنی اپنی مشیت سے جس کے لیے چاہتا ہے سعادت کے اسباب فراہم کرتا ہے اور اسے سعادت کے راستوں پر چلنے کی توفیق دیتا ہے اور اپنی عنایات سے خاص کرتا ہے۔

(2) ﴿وَالظَّالِمِينَ﴾ ”اور ظالموں کے لیے“ یعنی وہ لوگ جنہوں نے ہدایت کی بجائے بدبختی کو پسند کیا۔

(3) ﴿أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اُس نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے“ ان کے ظلم اور زیادتی کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿سُورَةُ الْمُرْسَلَاتِ مَكِّيَّةٌ ۝ ۳۳﴾ ﴿رُكُوعُهَا ۲﴾

سوال 1: یہ سورت کہاں نازل ہوئی؟ اس کے کتنے رکوع اور کتنی آیات ہیں؟

جواب: یہ سورت ہے۔ اس کے 2 رکوع اور 50 آیات ہیں۔

سوال 2: مصحف میں ترتیب اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا کیا نمبر ہے؟

جواب: مصحف میں ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 72 اور نزولی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر 33 ہے۔

سوال 3: اس سورت کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: (1) نبی ﷺ نے مغرب کی نماز میں سورۃ المرسلات کی تلاوت کی۔ (بخاری: 763)

(2) نبی ﷺ نے اس سورت سے گہرا اثر لیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ بوڑھے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، اور عم یقسا لون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا“ یعنی ان میں جو

قیامت کی خبریں ہیں اور عذاب کی آیتیں ہیں ان سے میں بوڑھا ہو گیا۔ (ترمذی: 3297)

(3) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورہ والموسلات نازل ہوئی۔ ہم نے اسے آپ کے منہ سے یاد کر لیا۔ اس وحی سے آپ کے دہن مبارک کی تازگی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک سانپ نکل پڑا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: اسے زندہ نہ چھوڑو۔ بیان کیا کہ ہم اس کی طرف بڑھے لیکن وہ نکل گیا۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے شر سے بچ گئے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔ (صحیح بخاری: 4931)

رکوع نمبر 21



﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾

”قسم اُن ہواؤں کی جو معروف معمول کے مطابق بھیجی جاتی ہیں“ (1)

سوال: ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا﴾ ”قسم اُن ہواؤں کی جو معروف معمول کے مطابق بھیجی جاتی ہیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَالْمُرْسَلَاتِ﴾ ”قسم اُن ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں“ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اور اعمال کی جزا و سزا پر فرشتوں کی قسم کھائی ہے۔ (2) ﴿الْمُرْسَلَاتِ﴾ سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کائنات کی تدبیر اور اپنے احکامات کی ترسیل کے لیے رسولوں کے پاس بھیجتا ہے۔ وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے کوئی و قدری معاملات کی تدبیر کرتے ہیں۔

(3) ﴿عُرْفًا﴾ ”معروف معمول کے مطابق“ عرفاً (الْمُرْسَلَاتِ) سے حال ہے، یعنی ان کو محض ناشائستہ اور بے فائدہ کام کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ ان کو عرف، حکمت اور مصلحت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر سعدی: 2890/3)

﴿فَالْغَصِيَّتِ عَصْفًا﴾

”پھر اُن کی جو طوفان بن کر تیز چلنے والی ہیں“ (2)

سوال: ﴿فَالْغَصِيَّتِ عَصْفًا﴾ ”پھر اُن کی جو طوفان بن کر تیز چلنے والی ہیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فَالْغَصِيَّتِ عَصْفًا﴾ ”پھر اُن کی جو طوفان بن کر تیز چلنے والی ہیں“ اس سے بھی مراد فرشتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے، ان کا وصف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو تیز ہوا کی مانند جلدی سے آگے بڑھ کر اخذ کرتے ہیں اور نہایت سرعت سے اس کے احکام کو نافذ کرتے ہیں یا اس سے مراد سخت ہوائیں ہیں جو نہایت تیز چلتی ہیں۔ (تفسیر سعدی: 2890/3)

(2) عاصفة زنائے کی ہوا کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد ہوائیں ہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2168)

﴿وَالنَّهْرُ بِتَنْهَرٍ﴾

”اور اُن کی! جو بادلوں کو پھیلا دینے والی ہیں، خوب پھیلاتا“ (3)

سوال: ﴿وَالنَّهْرُ بِتَنْهَرٍ﴾ ”اور اُن کی! جو بادلوں کو پھیلا دینے والی ہیں، خوب پھیلاتا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَالنَّهْرُ بِتَنْهَرٍ﴾ ”اور اُن کی! جو بادلوں کو پھیلا دینے والی ہیں، خوب پھیلاتا“ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں کہ انھیں جس چیز کے پھیلانے کے انتظام پر مقرر کیا گیا ہے اس کو پھیلاتے ہیں یا اس سے مراد بادل ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ زمین کو سرسبز کرتا ہے اور اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اس کو دوبارہ زندگی عطا کرتا ہے۔ (تفسیر سعدی: 3/2890.2891)
 (2) اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہیں کیا۔ ہوائیں بادلوں کو پھیلاتی ہیں۔ بارش زمین پر پھیلتی ہے، فرشتے کتابیں پھیلاتے ہیں۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو پھیلاتی ہے۔ (جامع البیان: 29/245)

﴿فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا﴾

”پھر اُن کی جو! پھاڑ کر جدا کر دینے والی ہیں پھاڑ کر جدا کرنا“ (4)

سوال: ﴿فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا﴾ ”پھر اُن کی جو! پھاڑ کر جدا کر دینے والی ہیں پھاڑ کر جدا کرنا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فَالْفَرْقَتِ فَرْقًا﴾ ”پھر اُن کی جو! پھاڑ کر جدا کر دینے والی ہیں پھاڑ کر جدا کرنا“ اور وہ قرآن حکیم کی آیات ہیں جو حق اور باطل کو جدا کرنے والی ہیں۔ (ابن القایم: 1712)
 (2) ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ساتھ نازل ہوتے ہیں جو حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی میں فرق کرنے والا ہے۔ (جامع البیان: 245/29)
 (3) سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو مسعود رضی اللہ عنہما اور ابوصالح رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ملائکہ ہیں جو حق اور باطل، حلال اور حرام کے درمیان فرق واضح کرتے ہیں۔ (المحرر الوجیز: 5/417)

﴿فَالْمَلَقِيَّتِ ذِكْرًا﴾

”پھر اُن کی! جو اللہ کی یاد ڈالنے والی ہیں“ (5)

سوال: ﴿فَالْمَلَقِيَّتِ ذِكْرًا﴾ ”پھر اُن کی! جو اللہ کی یاد ڈالنے والی ہیں“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فَالْمَلَقِيَّتِ ذِكْرًا﴾ ”پھر اُن کی! جو اللہ کی یاد ڈالنے والی ہیں“ یعنی فرشتے جو انبیاء پر وحی نازل کرتے ہیں جس سے وہ

نصیحت کرتے ہیں۔ (ابیر القاسم: 1711)

(2) اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو افضل ترین احکام کا القاء کرتے ہیں۔ یہ وہ ذکر ہے جس کے ذریعے سے اللہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے اس میں ان کے سامنے ان کے منافع اور مصالح کا ذکر کرتا ہے اور اسے انبیاء و مرسلین کی طرف بھیجتا ہے۔ (تیسرہ سہی: 2891/3)

(3) بعض مفسرین نے فالہیقیت ذکر اسے بھی ہوائی مراد لی ہے کیونکہ آواز بھی ہوا کے ذریعہ ہی لوگوں کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ اگر ہوا نہ ہوتی تو جی کی آواز نہ لوگوں کے کانوں تک پر سکتی تھی اور نہ ہی اس سے وہ کچھ نصیحت حاصل کر سکتے تھے اور بعض مفسرین نے اس سے مراد فرشتے لیے ہیں جو جی کو پیغمبروں کے دلوں میں ڈالتے ہیں یا دوسرے لوگوں کے دلوں میں القاء والہام کا سبب بنتے ہیں۔ (تیسرا قرآن: 574/4)

﴿عُذْرًا أَوْ نَذْرًا﴾

”عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے“ (6)

سوال: ﴿عُذْرًا أَوْ نَذْرًا﴾ ”عذر کے لیے یا ڈرانے کے لیے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿عُذْرًا﴾ ”عذر کے لیے“ اس وحی سے لوگوں کے عذر ختم ہو جاتے ہیں۔

(2) ﴿أَوْ نَذْرًا﴾ ”یا ڈرانے کے لیے“ ماننے والوں کو تنبیہ ہو جاتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کریں گے تو وہ اپنا عذاب نازل کر دے گا۔ (3) عذر سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے لیے عذر اور نذر سے مراد مومنین کے لیے ڈراؤ اور جس سے وہ نفع اٹھاتے ہیں اور اس سے نصیحت پکڑتے ہیں۔ (جامع البیان: 246/21)

(4) یعنی لوگوں کا عذر رفع کرنے اور ان کو تنبیہ کرنے کے لیے، تاکہ وہ لوگوں کو خوف کے ان مقامات سے ڈرائیں جو ان کے سامنے ہیں، ان کے عذر منقطع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ پر ان کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔ (سہی: 289/3)

﴿إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَوَاقِعٍ﴾

”بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ لازماً واقع ہونے والی ہے“ (7)

سوال: ﴿إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَوَاقِعٍ﴾ ”بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ لازماً واقع ہونے والی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّمَا تُوْعَدُونَ﴾ ”بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے“ یعنی موت کے بعد اعمال کی جزا سزا کے لیے جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(2) ﴿لَوَاقِعٍ﴾ ”وہ لازماً واقع ہونے والی ہے“ وہ کسی شک کے بغیر واقع ہوگا۔ یعنی جب قیامت کا دن آئے گا تو کائنات میں بہت بڑی تبدیلیاں آئیں گی۔ آسمان پھٹ جائے گا، تارے جھڑ جائیں گے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، زمین چٹیل میدان کی طرح ہو جائے گی جس میں کوئی نشیب و فراز نہیں ہوں گے۔ اس دن مقررہ وقت پر رسولوں کو لایا جائے گا اور ان کے اور ان کی امتوں کے درمیان فیصلہ ہوگا۔

(3) یعنی قیامت کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ سب اگلے پچھلے لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

﴿فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ﴾

”پھر جب ستارے مٹا دیے جائیں گے“ (8)

سوال: ﴿فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ﴾ ”پھر جب ستارے مٹا دیے جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ﴾ ”پھر جب ستارے مٹا دیے جائیں گے“ قیامت کے بڑے بڑے حادثات میں سے ایک یہ ہوگا کہ تاروں کی روشنی بجھ جائے گی۔

(2) تاروں کے بارے میں یہ بھی فرمایا: ﴿وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ﴾ ”اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے“ (الاحقار: 2)

(3) ﴿وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَفَرَّتْ﴾ ”اور جب ستارے بکھر جائیں گے“ (الانفطار: 2)

﴿وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ﴾

”اور جب آسمان کھولا جائے گا“ (9)

سوال: ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ﴾ ”اور جب آسمان کھولا جائے گا“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ﴾ ”اور جب آسمان کھولا جائے گا“ قیامت کے بڑے حادثات میں سے ایک یہ بھی ہوگا کہ آسمان پھاڑ دیا جائے گا۔ اس میں دراڑیں پڑ جائیں گی اور وہ بوڑھے ہو کر کناروں سے گر جائیں گے۔

(2) رب العزت نے اس ہولناک حادثے کے بارے میں ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ ”جب آسمان پھٹ جائے گا“ (الانشقاق: 1)

(3) ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ﴾ ”جب آسمان پھٹ جائے گا۔“ (الانفطار: 1)

﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾

”اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے“ (10)

سوال: ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ ”اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ﴾ ”اور جب پہاڑ اڑا دیے جائیں گے“ قیامت کے حادثات کا اثر پہاڑوں پر بھی ہوگا، پہاڑ ریزہ ریزہ کر کے اڑا دیے جائیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا﴾ ”اور وہ تم سے

﴿لِيَوْمِ الْفَضْلِ﴾

”فیصلے کے دن کے لیے“ (13)

سوال: ﴿لِيَوْمِ الْفَضْلِ﴾ ”فیصلے کے دن کے لیے“ کی وضاحت کریں؟

- جواب: (1) ﴿لِيَوْمِ الْفَضْلِ﴾ ”فیصلے کے دن کے لیے“، یعنی وہ دن جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کے درمیان فیصلے کرے گا۔
 (2) یعنی مخلوقات کے درمیان فیصلے کے لیے اس دن اللہ تعالیٰ انبیاء اور ان کی جھٹلانے والی امتوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے گا۔
 (3) یعنی مخلوق کے درمیان ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ ہوگا اور جنت والے جنت میں اور جہنم والے جہنم میں جائیں گے۔

﴿وَمَا آذْرَكَ مَا يَوْمَ الْفَضْلِ﴾

”اور تمہیں کس چیز نے معلوم کروایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے“ (14)

سوال: ﴿وَمَا آذْرَكَ مَا يَوْمَ الْفَضْلِ﴾ ”اور تمہیں کس چیز نے معلوم کروایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

- جواب: (1) ”اور تمہیں کس چیز نے معلوم کروایا کہ فیصلے کا دن کیا ہے“ جس دن زمین و آسمان بدل ڈالے جائیں گے اور سب لوگ اللہ واحد و قہار کے سامنے پیش ہو جائیں گے وہ دن فیصلے کا ہوگا۔ اس دن کی اہمیت جتانے کے لیے فرمایا تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟
 (2) یعنی وہ فیصلہ جو خوش نصیبوں اور بد نصیبوں کے درمیان ہوگا۔ اور ہر ایک سے فرداً حساب ہوگا۔

﴿وَيَلِّ يَوْمَ مَعِينِ لِلْمُكْتَبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (15)

سوال: ﴿وَيَلِّ يَوْمَ مَعِينِ لِلْمُكْتَبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

- جواب: (1) اللہ تعالیٰ نے اس دن کو جھٹلانے والوں کو وعید سنائی ہے۔ ﴿وَيَلِّ يَوْمَ مَعِينِ لِلْمُكْتَبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے۔ (2) یعنی عذاب کے فیصلے کے دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہوگی۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ، اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا۔ (3) یعنی انہیں کتنی حسرت ہوگی، ان کا عذاب کتنا سخت اور ان کا ٹھکانا کتنا برا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ کیا، ان کے لیے قسم کھائی مگر انہوں نے اسے سچ نہ جانا، اس لیے وہ سخت عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ (تفسیر سہدی: 2891/3)

﴿أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ﴾

”کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا“ (16)

سوال: ﴿أَلَمْ نُهَبِكِ الْأَوَّلِينَ﴾ ”کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَلَمْ نُهَبِكِ الْأَوَّلِينَ﴾ ”کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا“ یعنی ماضی میں جن لوگوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کو جھٹلایا مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود وغیرہ۔ (تفسیر قی: 19/17)

(2) رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلِعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ ”ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور یقیناً آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں۔“ (ارعد: 34)

﴿ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ﴾

”پھر ہم ان ہی کے پیچھے دوسروں کو لاتے ہیں“ (17)

سوال: ﴿ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ﴾ ”پھر ہم ان ہی کے پیچھے دوسروں کو لاتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْآخِرِينَ﴾ ”پھر ہم ان ہی کے پیچھے دوسروں کو لاتے ہیں“ پھر ہم آخر میں آنے والے ان لوگوں کو ان کے بعد ہلاک کریں گے جو جھٹلائیں گے۔ ہر مجرم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سابقہ سنت بھی یہی ہے اور آئندہ سنت الہی بھی یہی ہوگی۔ ان کے لیے سزا جتنی ہے تو تم جو کچھ دیکھتے اور جو کچھ سنتے ہو اس سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے؟ (سعدی: 2891، 2892/3)

(2) یعنی ان کے بعد ہم نے ان جیسے پچھلوں کو پیدا کیا۔

﴿كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾

”ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں“ (18)

سوال: ﴿كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾ ”ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كَذَلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ﴾ ”ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں“ یعنی جو بھی اپنے رب سے بغاوت اور سرکشی کریں ان مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ (تفسیر قی: 19/17)

(2) ہر مجرم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت ہے اور آئندہ بھی یہی ہوگی۔

﴿وَيَلِّ يَوْمَئِذٍ لِلْكَذِبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (19)

سوال: ﴿وَيُنزلُ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿وَيُنزلُ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ یعنی جب ہلاکت کا وقت آئے گا جھٹلانے والوں کی بڑی بربادی ہوگی۔ (ابراہیم: 1713) (2) تباہی ہے اس دن ان لوگوں کے لیے جو واضح اور کھلی نشانیوں اور عذاب کا مشاہدہ کر کے بھی جھٹلاتے ہیں۔

﴿الْمَ نَخْلُقُكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾

”کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا“ (20)

سوال: ﴿الْمَ نَخْلُقُكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ ”کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿الْمَ نَخْلُقُكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ﴾ ”کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا“ اللہ رب العزت نے اپنا احسان یاد دلایا ہے کہ اے انسان! کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی کے قطرے سے پیدا نہیں کیا؟ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ بھی نہیں تھا۔
 (2) سیدنا بسیرین بن جاش القرظی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر اپنا لعاب ڈالا اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ابن آدم! بھلا تو مجھے کیا عاجز کر سکے گا، میں نے تو تجھے اس جیسی (حقیر) چیز سے پیدا کیا ہے۔“ (مسند: 17860)

﴿فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾

”پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا“ (21)

سوال: ﴿فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾ ”پھر ہم نے اُسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا“ کی وضاحت کریں؟
 جواب: (1) ﴿فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾ ”پھر ہم نے اُسے رکھا“ یعنی ہم نے اس پانی کو رکھا۔
 (2) ﴿فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ﴾ ”ایک محفوظ جگہ میں“ یعنی رحم جیسے محفوظ قلعے میں، یعنی نطفے جیسے حقیر پانی کو رحم میں ٹھہرایا جہاں وہ نشوونما پاتا ہے۔ (3) رحم مرد اور عورت کی مٹی کی قرار گاہ ہے۔ رحم اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نطفے کا محافظ اور پرورش کرنے والا بن جاتا ہے۔

﴿إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾

”معلوم اندازے تک“ (22)

سوال: ﴿إِلَىٰ قَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾ ”معلوم اندازے تک“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنَّا قَدَرْنَا مَعْلُومًا﴾ ”معلوم اندازے تک“ اور وہ ولادت کا زمانہ ہے۔ (2) مرد اور عورت کا پانی مختلف شکلوں میں مقررہ مدت یعنی 6 سے 9 ماہ تک ماں کے رحم میں رکھا جاتا ہے۔

﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ﴾

”پس ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی خوب اندازہ کرنے والے ہیں“ (23)

سوال: ﴿فَقَدَرْنَا فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ﴾ ”پس ہم نے اندازہ کیا تو ہم کیا ہی خوب اندازہ کرنے والے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿فَقَدَرْنَا﴾ ”پس ہم نے اندازہ کیا“ یعنی رحم میں نطفے کے قرار کا وقت ہم نے مقرر کیا ہے۔ ان تارکیوں میں نطفہ، علقہ یعنی خون کے لوتھڑے میں بدلتا ہے پھر مضغ گوشت کی بوٹی میں بدلتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں روح پھونکتے ہیں۔ اس پورے عرصے کے دوران بچے کے لیے سارے انتظامات ہم کرتے ہیں۔

(2) ﴿فَنِعْمَ الْقَدِرُونَ﴾ ”تو ہم کیا ہی خوب اندازہ کرنے والے ہیں“ اس سے مراد خود اللہ تعالیٰ ہیں کیونکہ اللہ رب العزت کا اندازہ اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (24)

سوال: ﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی مٹی پلید ہوگی۔ (مضرب بن کثیر: 2170/2) (2) اس دن ہلاکت ہے ان جھٹلانے والوں کے لیے جنہوں نے آیات کے واضح ہوجانے اور عبرت ناک چیزیں اور کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد جھٹلایا۔ (سعدی: 3/2892)

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا﴾

”کیا ہم نے زمین کو سینے والی نہیں بنایا؟“ (25)

سوال: ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا﴾ ”کیا ہم نے زمین کو سینے والی نہیں بنایا؟“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا﴾ ”کیا ہم نے زمین کو سینے والی نہیں بنایا؟“ یعنی کیا ہم نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر کے تم پر انعام نہیں کیا؟ (2) کفاتا: کفت بمعنی کسی چیز کو جمع کر کے اسے اپنے قبضہ میں لے لینا، سنبھال لینا، سمیٹ لینا اور کفیت بمعنی توشہ دان جس

میں خوراک اور سامان خوراک سنبھال کر رکھتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اور موت اور دوبارہ زندگی زمین ہی سے وابستہ ہے۔ (تیسرا قرآن 14: 577) (3) یعنی تم زمین پر گھر بنا کر رہتے ہو اور مرکز زمین کے پیٹ میں چلے جاتے ہو اور زمین تمہیں چھپا لیتی ہے۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2170)

﴿أَحْيَاءٌ وَأَمْوَاتًا﴾

”زندوں کو اور مردوں کو بھی“ (26)

سوال: ﴿أَحْيَاءٌ وَأَمْوَاتًا﴾ ”زندوں کو اور مردوں کو بھی“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿أَحْيَاءٌ﴾ ”زندوں کو“ گھروں میں (2) ﴿وَأَمْوَاتًا﴾ اور مردوں کو بھی“ اور مردوں کو قبروں میں پس جس طرح گھر اور محلات، بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کا احسان ہیں اسی طرح قبریں بھی ان کے حق میں رحمت اور ان کے لیے ستر ہیں کہ ان کے اجساد درندوں وغیرہ کے لیے کھلے نہیں پڑے رہتے۔ (سعدی: 3/2892)

(3) تم زمین کی پشت استعمال کرتے ہو اور تمہارے مردے اس کا پیٹ۔ (مختصر ابن کثیر: 2/2170)

﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوْاسِيَ شُمُوحٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً فُرَاتًا﴾

”اور اُس میں ہم نے بلند و بالا پہاڑ بنائے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا“ (27)

سوال: ﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوْاسِيَ شُمُوحٍ وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً فُرَاتًا﴾ ”اور اُس میں ہم نے بلند و بالا پہاڑ بنائے اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَجَعَلْنَا فِيهَا﴾ ”اور اُس میں ہم نے بنائے“ یعنی زمین میں۔ (2) ﴿رَوْاسِيَ شُمُوحٍ﴾ ”بلند و بالا پہاڑ“ یعنی بلند پہاڑ۔ (3) یعنی ہم نے ان کے اندر پہاڑ رکھ دیے جو زمین کو ٹھہرائے رکھتے ہیں تاکہ زمین اہل زمین کے ساتھ ڈھلک نہ جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اسے مضبوط اور بلند، یعنی طویل و عریض پہاڑوں کے ذریعے سے ٹھہرا دیا۔ (سعدی: 3/2893)

(4) ﴿وَأَسْقَيْنُكُمْ مَاءً فُرَاتًا﴾ ”اور ہم نے تمہیں میٹھا پانی پلایا“ یعنی ہم نے تمہیں خوش ذائقہ اور میٹھا پانی پلایا۔

(5) رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا أَقْرَبُ بِتِلْكَ الْمَاءِ الَّذِي تَشْرَبُونَ﴾ (۱۸) ”انتم آ کر لے لو کہ وہ زمین آمیز پانی ہے جو تم پیتے ہو؟ کیا اسے بادلوں سے تم نے نازل کیا ہے یا اُس کے نازل کرنے والے ہم ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اُسے سخت کھاری بنا دیں پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے“ (الوقت: 68-70)

(6) میٹھا پانی آسمان کا ہے، بارش کا پانی جو شیریں ہوتا ہے کیسے رب العزت نے اس کا cycle چلایا ہے۔ سمندروں کا پانی بھاپ بن کر

اور پر کی نضا میں پہنچتا ہے، کیسے ٹھنڈا ہو کر بادلوں کی شکل اختیار کرتا ہے اور ہوا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسے علاقے میں پہنچاتی ہیں جہاں بارش برساتا طے ہو۔ اس طرح انسانوں کو پانی پلانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (28)

سوال: ﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں ان کے مقابلے میں انہوں نے جھٹلانے کا رویہ اختیار کیا۔ (2) اگر تم جھٹلانے پر اڑے رہے تو تمہاری بڑی بربادی ہے۔

﴿إِنظَلِقُوا إِلَى مَا كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾

”تم چلو اُس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے“ (29)

سوال: ﴿إِنظَلِقُوا إِلَى مَا كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ ”تم چلو اُس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿إِنظَلِقُوا﴾ ”تم چلو“ یہ قیامت کے دن جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا۔
(2) ﴿إِلَى مَا كُنتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ﴾ ”اُس (عذاب) کی طرف جس کو تم جھٹلاتے تھے“ کافروں سے جو قیامت اور جزا و سزا کو جھٹلاتے ہیں کہا جائے گا کہ جاؤ جہنم میں جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

﴿إِنظَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِئْبٍ ثَلَاثِ شُعَبٍ﴾

”تم چلو ایک سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے“ (30)

سوال: ﴿إِنظَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِئْبٍ ثَلَاثِ شُعَبٍ﴾ ”تم چلو ایک سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنظَلِقُوا إِلَى ظِلِّ ذِئْبٍ ثَلَاثِ شُعَبٍ﴾ ”تم چلو ایک سائے کی طرف جو تین شاخوں والا ہے“ یعنی جہنم کے تین شاخوں والے خوفناک دھوئیں میں گھٹتے رہو۔ (2) جہنم کی آگ کے شعلے جب بھڑکیں گے تو ان کے ساتھ دھواں بھی ہوگا۔ یہ شعلے اور اٹھ کر تین حصوں میں بٹ جائیں گے۔ ان کے ساتھ دھواں بھی ہوگا۔

﴿لَا ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ﴾

”نہ سایہ کرنے والا ہے اور نہ وہ شعلوں سے (بچانے کے) کام آسکتا ہے“ (31)

سوال: ﴿وَلَا ظَلِيلٌ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ﴾ ”نہ سایہ کرنے والا ہے اور نہ وہ شعلوں سے (بچانے کے) کام آسکتا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا ظَلِيلٌ﴾ ”نہ سایہ کرنے والا ہے“ دوزخ کے دھوئیں کا سایہ محض سایہ معلوم ہوگا، خشیت میں وہ سایہ نہیں ہوگا کہ انسان آرام سے بیٹھ سکے اور آگ کی گرمی سے بچ کر ٹھنڈک محسوس کر سکے۔ (2) وہ دھواں کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کا عذاب۔

(3) ﴿وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ﴾ ”اور نہ وہ شعلوں سے (بچانے کے) کام آسکتا ہے“ دھوئیں کا سایہ آگ کے شعلوں سے نہیں بچائے گا۔ بلکہ آگ کے شعلے دائیں بائیں سے لپکیں گے جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿لَهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذَلِكَ يُخَوِّفُ اللَّهَ بِهِ عِبَادَهُ لِيُعَابِدُوهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كَيْدَ النَّاسِ هَدِيدٌ﴾ ”ان کے اوپر بھی آگ کے ساتبان ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی، یہ وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، اے میرے بندو! پس مجھ ہی سے ڈرو۔“ (المر: 16)

(4) ﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذَلِكَ نُجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ ”ان کے لیے جہنم کا کچھونا ہے اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہے اور ہم ظالموں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“ (المراف: 41)

﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ﴾

”بلاشبہ وہ آگ محل جیسی چنگاریاں پھینکے گی“ (32)

سوال: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ﴾ ”بلاشبہ وہ آگ محل جیسی چنگاریاں پھینکے گی“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّهَا﴾ ”بلاشبہ وہ“ یعنی آگ۔ (2) ﴿تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ﴾ ”وہ آگ محل جیسی چنگاریاں پھینکے گی“ یعنی جہنم کے خوف ناک شعلوں سے قلعوں کی مانند انگارے اڑ رہے ہوں گے جو محلات کی طرح بڑے اور بلند ہوں گے۔

﴿كَأَنَّهُ جِلْتٌ صُفْرٌ﴾

”گویا وہ زرد اونٹ ہیں“ (33)

سوال: ﴿كَأَنَّهُ جِلْتٌ صُفْرٌ﴾ ”گویا وہ زرد اونٹ ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿كَأَنَّهُ﴾ ”گویا وہ“ یعنی شعلے۔ (2) ﴿جِلْتٌ صُفْرٌ﴾ ”زرد اونٹ ہیں“ گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ (3) یہ سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں جن میں ایسے رنگ کی جھلک ہے جو زردی مائل ہے، یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جہنم کی آگ، اس کے شعلے، اس کے انگارے اور اس کی چنگاریاں تاریک اور سیاہ رنگ کی ہوں گی، ان کا منظر نہایت کریہہ اور ان کی حرارت انتہائی سخت ہوگی۔ ہم

اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں جہنم اور ان اعمال سے عافیت عطا کرے جو جہنم کے قریب لے جاتے ہیں۔ (تفسیر سہلی: 3/2894)

﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (34)

سوال: ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ اُس روز جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے ”ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو اللہ تعالیٰ، اس کی آیات، اس کی ملاقات اور اس کے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (ابن القاسم: 1715)

(2) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جہنم میں ایک وادی کا نام ”ویل“ ہے جس کی تہہ تک پہنچنے سے پہلے کافر چالیس سال تک اس میں گرتا چلا جائے گا اور صعد جہنم میں ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر کافر ستر سال (کے عرصہ) میں چڑھے گا پھر اس سے اترے گا۔ کافر ہمیشہ اسی (عذاب میں یعنی چڑھنے اور اترنے) میں مبتلا رہے گا۔“ (مسند ابویعلیٰ: 1378)

﴿هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ﴾

”یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے“ (35)

سوال: ﴿هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ﴾ ”یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ﴾ ”یہ دن ہے جس میں وہ کچھ نہیں بولیں گے“ یعنی قیامت کا دن ایسا عظیم دن ہوگا جو جھٹلانے والوں کے لیے بہت سخت ہوگا۔ دہشت کی شدت کی وجہ سے بول نہیں سکیں گے۔ رب العزت نے فرمایا: ﴿زَبَّ السُّهُوتِ وَالْأَرْضِضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا﴾ ”جو آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے ان سب کا رب ہے۔ وسیع رحمت والا ہے، کسی کو اُس سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔“ (النبا: 37)

(3) ﴿يَوْمَ مَرَّيَاتٍ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَرَبُّهُمْ شَعْبِيٌّ وَسَعِيدٌ﴾ ”جس دن وہ آئے گا، کوئی شخص اس کی اجازت کے سوا کلام نہ کر سکے گا، چنانچہ ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں۔“ (ہود: 105)

﴿وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ﴾

”اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں“ (36)

سوال: ﴿وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ﴾ ”اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں“ کی وضاحت

کریں؟

جواب: (1) ﴿وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَدُوا﴾ ”اور نہ ہی انہیں اجازت دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں“ یعنی اگر لوگ اپنی معذرت پیش کریں گے تو ان کی معذرت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ حجت قائم ہو جائے گی اور جرائم کا ثبوت مل جائے گا۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿فَيَوْمَئِذٍ لَا يُنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ ”تو اُس دن جن لوگوں نے ظلم کیا ان کی معذرت فائدہ نہ دے گی اور نہ ہی ان سے معافی مانگنے کے لیے کہا جائے گا۔“ (الم: 57)

(3) گناہوں کے ثبوت کے بعد عذاب ثابت ہو جائے گا تو معذرت کی گنجائش نہیں رہ جائے گی۔

﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (37)

سوال: ﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيَلَّيْلُ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ حشر کے دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہوگی۔ (2) ہر جھٹلانے والے کے لیے اس میں وعید ہے۔

﴿هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَئِينَ﴾

”یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور پہلوں کو جمع کر لیا ہے“ (38)

سوال: ﴿هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَئِينَ﴾ ”یہ فیصلے کا دن ہے، ہم نے تمہیں اور پہلوں کو جمع کر لیا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ﴾ ”یہ فیصلے کا دن ہے“ یعنی یہ مخلوقات کے درمیان فیصلے کا دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔

(2) ﴿جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَئِينَ﴾ ”ہم نے تمہیں اور پہلوں کو جمع کر لیا ہے“ ہم نے تمہیں اور پہلے لوگوں کو اس لیے جمع کیا ہے تاکہ تمہارے درمیان فیصلہ کر دیں۔

(3) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پہلے اور بعد میں آنے والوں کو جمع کر دیں گے جہاں سب لوگ پوری طرح سن اور دیکھ رہے ہوں گے۔

﴿فَإِن كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونَ﴾

”تو تمہارے پاس اگر کوئی خفیہ تدبیر ہے تو میرے ساتھ وہ تدبیر کر دیکھو“ (39)

سوال: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُوا﴾ ”تو تمہارے پاس اگر کوئی خفیہ تدبیر ہے تو میرے ساتھ وہ تدبیر کر دیکھو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ﴾ ”تو تمہارے پاس اگر کوئی خفیہ تدبیر ہے“ یعنی اگر تمہارے پاس میری بادشاہت سے نکلنے کے لیے اور عذاب سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر ہے تو وہ اختیار کر لو۔

(2) ﴿فَكِيدُوا﴾ ”تو میرے ساتھ وہ تدبیر کر دیکھو“ یعنی میرے قبضے سے چھوٹنے کے لیے جو تدبیر اختیار کرنا چاہو کر لو، تم نہیں کر سکتے، بے بس ہو تم میں سکت نہیں ہے۔

(3) رب العزت نے فرمایا: ﴿لِمَنْعَمَرِ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ إِنْ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ فَانْفُذُوا وَلَا تَنْفُذُوا إِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ ”اے گروہ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، کسی غلبے کے سوا تم نہیں نکلو گے۔“ (الحج: 33)

(4) اس دن ظالموں کے تمام حیلے باطل ہو جائیں گے، ان کا مکرو فریب ختم ہو جائے گا، وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کے حوالے کر دیں گے اور ان کی تکذیب میں ان کا جھوٹ، ان کے سامنے صاف ظاہر ہو جائے گا۔ (تیسری سہی: 2894, 2895/3)

(5) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے میرے بندو! (نہ تو تمہیں نفع پہنچانے کا اختیار ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا) نہ تم میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو اور نہ تم مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو۔“ (مسلم: 2577)

﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (40)

سوال: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ یعنی فیصلے کا دن جب آئے گا جھٹلانے والوں کی بربادی لے کر آئے گا۔

رکوع نمبر 22

﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ﴾

”بلاشبہ متقی لوگ سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے“ (41)

سوال: ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ﴾ ”بلاشبہ متقی لوگ سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے“ کی وضاحت کریں؟

- جواب: (1) ﴿إِنَّ الْمُنْتَفِلِينَ﴾ ”بلاشبہ متقی لوگ“، یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک اور نافرمانیوں سے اجتناب کیا۔
- (2) جو اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے عذاب کے خوف سے اس کے روکے سے رکتے ہیں۔
- (3) ﴿فِي ظِلِّ وَعُيُونٍ﴾ ”سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے“، یعنی وہ جنت کے درختوں کے سایوں میں ہوں گے اور اس کے دودھ، شہد، اور شراب کے چشموں میں ہوں گے۔ (ابراہیم: 1716)
- (4) جو دنیا میں فرائض ادا کرتے رہے اور حرام سے بچتے رہے وہ قیامت کے دن جنت کے سدا بہار باغوں میں رہیں گے جہاں نہریں جاری ہوں گی۔ (مختار، ابن کثیر: 2/2172)

﴿وَقَوَّأِ كَيْهًا يَشْتَهُونَ﴾

”اور اُن پھلوں میں جن کی وہ خواہش کریں گے“ (42)

- سوال 1: ﴿وَقَوَّأِ كَيْهًا يَشْتَهُونَ﴾ ”اور اُن پھلوں میں جن کی وہ خواہش کریں گے“ کی وضاحت کریں؟
- جواب: (1) ﴿وَقَوَّأِ كَيْهًا يَشْتَهُونَ﴾ ”اور اُن پھلوں میں“ اور بہترین اور لذیذ پھل جن کی فروانی ہوگی۔
- (2) ﴿يَشْتَهُونَ﴾ ”جن کی وہ خواہش کریں گے“ دنیا میں لوگ وہ کھاتے ہیں جو وہ پالیتے ہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے جو وہ چاہتے ہیں وہ نہیں پاتے تو نہیں کھا سکتے۔ نعمتوں کے گھر میں جو وہ چاہیں گے کھائیں گے۔

﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾

”مزے سے کھاؤ اور پیو اُن (نیک) اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے“ (43)

- سوال: ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”مزے سے کھاؤ اور پیو اُن (نیک) اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے“ کی وضاحت کریں؟
- جواب: (1) ﴿كُلُوا وَاشْرَبُوا مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”مزے سے کھاؤ اور پیو“ اہل جنت کو احسان کے طور پر کہا جائے گا: مرغوب اور مزے دار کھانے کھاؤ اور لذیذ مشروبات پیو۔
- (2) ﴿مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”ان (نیک) اعمال کے بدلے میں جو تم کیا کرتے تھے“ یعنی تمہارے اعمال ہیں جنہوں نے تمہیں سدا بہار جنتوں میں پہنچا دیا۔
- (3) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿وَتُؤَدُّوْنَ اَنْ تِلْكُمْ الْجَنَّةُ اَوْ تَشَبُّوْهَا مِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ اور وہ پکارے جائیں گے: ”یہ جنت کہ جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کا بدلہ ہے جو تم عمل کرتے تھے۔“ (الاعراف: 43)

(4) ﴿إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُجَيْنٍ ﴿١٠﴾ فَآكِهِنَّ بِمَا أَنَّهُمْ رَزَقَهُمْ وَوَقَّهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١١﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾ مُمْتَكِرِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عَدْنٍ ﴿١٣﴾﴾ ”متقی لوگ بلاشبہ باغوں اور بڑی نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ ان نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے ہوں گے اس سے جو ان کے رب نے انہیں دیا، اور ان کے رب نے انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچا لیا ہے۔ خوب مزے سے کھاؤ اور پو اُس کے بدلے میں جو تم عمل کیا کرتے تھے۔ وہ صف بہ صف تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور ہم نے ان کا نکاح کر دیا سفید رنگت اور بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔“ (الطور: 17-20)

﴿إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾

”بلاشبہ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں“ (44)

سوال: ﴿إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ”بلاشبہ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں“ کی وضاحت کریں؟
جواب: (1) ﴿إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ”بلاشبہ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں“ رب العزت نے فرمایا کہ اپنے مخلص بندوں کو ہم اسی طرح بہترین اور عمدہ بدلہ دیتے ہیں۔

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا﴾ ”یقیناً ہم ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھے کام کریں۔“ (الکہف: 30)

(3) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہنم جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس سے بھاگنے والے سو رہے ہیں اور جنت جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی جس کے طلب کرنے والے سو رہے ہیں۔ (جامع ترمذی: 2601)

﴿وَيَلُّوْا يَوْمَ مَعِيَدٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (45)

سوال: ﴿وَيَلُّوْا يَوْمَ مَعِيَدٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟
جواب: ﴿وَيَلُّوْا يَوْمَ مَعِيَدٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ جھٹلانے والوں کے لیے نعمتوں سے محرومی ہی بڑی ہلاکت اور خرابی ہے۔

﴿كُلُّوْا وَتَمْتَعُوْا قَلِيْلًا إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مَّجْرُمُوْنَ﴾

”سو تم تھوڑا سا کھا لو اور فائدہ اٹھا لو، بلاشبہ تم ہی مجرم ہو“ (46)

سوال: ﴿كُلُّوْا وَتَمْتَعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ هُمْ مُؤْمِنٌ﴾ ”سو تم تھوڑا سا کھا لو اور فائدہ اٹھا لو، بلاشبہ تم ہی مجرم ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿كُلُّوْا وَتَمْتَعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ هُمْ مُؤْمِنٌ﴾ ”سو تم تھوڑا سا کھا لو اور فائدہ اٹھا لو، بلاشبہ تم ہی مجرم ہو“ جھٹلانے والوں کے لیے وعید ہے کہ اگر تم دنیا میں تھوڑا بہت کھاپی لو اور کچھ چیزیں اور برت لو، چند دنوں بعد موت آجائے گی تو مجرم بن کر ہی دنیا سے جاؤ گے۔

(2) دنیا کی ساری لذتیں دنیا میں ختم ہو جائیں گی اور آنکھ بند کرو گے تو آخرت کے عذاب شروع ہو جائیں گے۔

(3) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿مَتَّعْنٰهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضَّضْنٰهُمْ اِلَى عَذَابٍ غَلِيْظٍ﴾ ”ہم انہیں بہت تھوڑا سامان دے رہے ہیں، پھر ہم انہیں ایک بہت سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔“ (لقمان: 24)

(4) ﴿مَتَّاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنْفِقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴾ ”دنیا میں تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ہماری ہی جانب انہیں لوٹنا ہے پھر ہم انہیں سخت عذاب چکھائیں گے اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے۔“ (یونس: 70)

﴿وَيَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (47)

سوال: ﴿وَيَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿وَيَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ جھٹلانے والوں کے لیے اس دن دردناک عذاب کی وعید ہے۔

﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اِرْكَعُوْا اِلَّا يَزِيْرُ كَعُوْنَ﴾

”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے“ (48)

سوال: ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اِرْكَعُوْا اِلَّا يَزِيْرُ كَعُوْنَ﴾ ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جھک جاؤ تو وہ نہیں جھکتے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَإِذَا قِيْلَ لَهُمْ اِرْكَعُوْا﴾ ”اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جھک جاؤ“ یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے کہ نمازیوں کے ساتھ جھک جاؤ اور جماعت سے نماز پڑھ لو۔

(2) ﴿اِلَّا يَزِيْرُ كَعُوْنَ﴾ ”تو وہ نہیں جھکتے“ ان کا ایک جرم یہ ہے کہ جب انہیں نماز کا حکم دیا جاتا تھا تو وہ اس حکم کی تعمیل نہیں کرتے تھے۔ اس سے بڑھ کر کون سا جرم ہے اور کون سی تکذیب اس سے بڑی ہے۔ (تفسیر سعدی: 2896/3)

(3) وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے تکبر کرتے ہیں اور یہ خشوع اور اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع چھوڑنے کی مذمت ہے۔

﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾

”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ (49)

سوال: ﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿وَيْلٌ لِّیَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ﴾ ”اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے بڑی تباہی ہے“ ہلاکت اور بربادی ہے ان کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے نواہی کو جھٹلاتے ہیں۔ (2) ان کی ہلاکت یہ بھی ہے کہ ان پر توفیق کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے اور وہ ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔ (تفسیر سہی: 3/2896)

﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ ۖ بَعْدَ أَيُّ مَنُونٍ﴾

”پھر اس کے بعد وہ کس کلام پر ایمان لائیں گے؟“ (50)

سوال: ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ ۖ بَعْدَ أَيُّ مَنُونٍ﴾ ”پھر اس کے بعد وہ کس کلام پر ایمان لائیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: (1) ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ ۖ بَعْدَ أَيُّ مَنُونٍ﴾ ”پھر اس کے بعد وہ کس کلام پر ایمان لائیں گے“ یعنی جب وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام پر ایمان لائیں گے؟

(2) جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ ۖ بَعْدَ اللَّهِ وَأَيُّ مَنُونٍ﴾ ”یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ کو پڑھ کر سناتے ہیں اب اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیات کے بعد کس بات پر یہ ایمان لائیں گے؟“ (الباقیہ: 6)

(3) ابن ابی حاتم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے اسے اس کے جواب میں اُمَمْتُ بِاللَّهِ وَمِمَّا أُنزِلَ (میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اور اس پر جو اس نے نازل کیا) کہنا چاہئے۔“ (ابن کثیر: 48)

قرآن راہِ راست کی طرف راہِ نمائی کرتا ہے

اللَّهُ رَبُّ الْعِزَّةِ قُرْآنِ پَاک میں فرماتے ہیں کہ
جب جنات نے قرآن سنا تو کہا:

﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ﴾

”بے شک ہم نے ایک بڑا عجیب قرآن سنا ہے
جو راہِ راست کی طرف راہِ نمائی کرتا ہے۔“

(الجن: 1,2)



www.alnoorpk.com



Nighat Hashmi



0336-4033042-45



Nighat Hashmi



AlNoor International



AlNoor Products